
ویکیپیڈیا
آزاد دائرۃ المعارف

گلزار جلالیہ

https://ur.wikipedia.org/s/1mvr8

سانچہ:کتاب معلومات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

تعارف

انساب ساداتِ نقوی البخاری الحسنی الحسینی آلِ نبی ﷺ، اولادِ علیؑ و فاطمہؑ

گلزارِ جلالیہ

وارثینِ سید امیر علی شاہؒ، آلِ نبی ﷺ، اولادِ علیؑ و فاطمہؑ، اُوچ شریف، لاہور، فیروز آباد، آگرہ، حیدرآباد، کراچی۔

سید امیر علی شاہ نقوی البخاریؒ ایک مخفی مگر جلیل القدر ساداتِ حسینی بزرگ کی روحانی، طبی اور تاریخی وراثت۔

اُوچ شریف، لاہور، آگرہ، فیروز آباد اور حیدرآباد (پاکستان) تک ولایت، نسبتِ اہلِ بیتؑ اور تصوف کے تسلسل کا مجموعہ (مغلیہ سلطنت، صفوی اثرات اور سادات نقوی البخاری کی تاریخ)۔

خاندانی وارثین کی طرف سے ایک نسبی و روحانی امانت۔

یہ کتاب اُن نفوسِ قدسیہ کے لیے ایک خراج ہے، جن کی ولایت، علم اور سادگی، دربار سے بالاتر اور معصومینؑ و اہلِ بیتؑ کے نقشِ قدم پر قائم رہی۔

اشاعتی معلومات

عنوان	تفصیل
زیرِ اہتمام	علمی و ادبی تنظیم جگنو انٹرنیشنل لاہور، چیف ایگزیکٹو ایم زیڈ کنول
ناشر	تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز، بہاولپور، لاہور، اسلام آباد
مطبوعہ	علیش بک سینٹر نزد مسجد و امام بارگاہ آلِ محمدؐ (ٹرسٹ) کراچی

انتساب

خادم الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد نوبہار خامس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوچ شریف حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ مورثِ اعلیٰ ساداتِ نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند سے منسوب کرتا ہوں۔

کتابی کوائف

عنوان	تفصیل
نامِ کتاب	گلزارِ جلالیہ
مؤلف	سید سلیم رضا بخاری (شجرہ نویس مدینۃ السادات، اُوچ شریف)
توثیق و نظرِ ثانی	ڈاکٹر محمد اقبال چشتی (پی ایچ ڈی)
نظرِ ثانی	پیر ڈاکٹر سید فہیم رضا کاظمی چشتی اجمیری (پی ایچ ڈی)، ماہرِ انساب، شاعر، ادیب، محقق
پروف خوانی	سید شاہ زیب علی نقوی
زیرِ اہتمام	علمی و ادبی تنظیم جگنو انٹرنیشنل لاہور، چیف ایگزیکٹو ایم زیڈ کنول
ناشر	تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز، بہاولپور، لاہور، اسلام آباد
مطبوعہ	علیش بک سینٹر نزد مسجد و امام بارگاہ آلِ محمدؐ (ٹرسٹ) کراچی
بارِ اول	جنوری 2026
صفحات	315

کتاب ملنے کا پتہ

- گلشنِ سلطان الہند، شمس کالونی، اوچ شریف، ضلع بہاولپور — 03003738564
- قلندر نگری، محمود شہید، احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور — 03006848975
- قدم گاہ مولا علیؑ و درگاہ حضرت سید عبد الوہاب شاہ گیلانیؒ، حیدرآباد — 03198644174

```wiki id="k8n2yx"
```

فہرستِ مضامین

تعارف و مقصدِ تحریر

اس کتاب کی تالیف کا مقصد ساداتِ کرام کے نسب اور ان کی تاریخ کو محفوظ رکھنا ہے۔ یہ کتاب ایک معزز خانوادۂ سادات کی تاریخ ہے۔ تاریخ اکثر ان نفوسِ قدسیہ کو نظر انداز کر دیتی ہے جو اپنی خاموشی، تقویٰ، خدمت، معرفتِ معصومینؑ اور روحانی عظمت میں وہ رفعتیں رکھتے ہیں جو دنیاوی سلطنتوں کے حکمرانوں کو بھی نصیب نہیں ہوتیں اور یہی پردہ نشینی رفتہ رفتہ ان شناختوں کو دھندلا دیتی ہے جو نسلوں کے لیے نہ صرف فکری چراغ بلکہ روحانی اصل کی پہچان ہوتی ہیں۔

یہ کتاب ایک ایسی ہی نسلِ سادات، ممتاز اور مخفی ہستی سید امیر علی شاہ نقوی البخاریؒ اور ان کی اولاد و نسل کی زندگی، وراثت، خدمات اور نسبی و روحانی تسلسل کو تحریری قالب میں محفوظ کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔

ساداتِ حسینی نسبت، چشتیہ و جلالیہ، اثنا عشری عرفانی سلاسل کی روحانی تاثیر اور اہلِ بیت اطہارؑ سے غیر مشروط محبت کی مجسم تصویر بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔ یہ کتاب ایک طویل، روحانی، علمی اور نسبی سلسلے کی تاریخ ہے، جو امام علی نقیؑ سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ، درگاہِ اُوچ شریف، مخدوم جہانیاںؒ اور سید جلال الدین حیدرؒ کے ذریعے لاہور اور پھر سید شاکر علی شاہ نقوی البخاریؒ، سید حفیظ علی شاہ نقوی البخاریؒ، سید محبت علی شاہ نقوی البخاریؒ کے ذریعے فیروز آباد اور بعد ازاں آگرہ میں مقیم رہے اور تقسیمِ ہند کے وقت ہجرت کے بعد حیدرآباد میں اپنی شناخت کے ساتھ نمایاں ہوا۔

یہ تمام تسلسل صرف زبانی بیانیے پر مبنی نہیں بلکہ دونوں ممالک کے شہروں سے وابستگی رکھنے والے خاندان، کئی نسلوں سے جاننے والے خاندانوں اور خود اس خاندان کے بزرگوں، کچھ پرانے نسخوں، درگاہی خطوط، سجادہ نشینوں کی شہادت، نایاب شجرہ نویسی، مدینۃ الاولیاء اوچ شریف، تاریخ انوارِ سادات، مرآتِ جلالی جیسے صوفی متون، مغل و صفوی تاریخ، اُوچ شریف، و سیرتِ سرخ پوش بخاریؒ جیسے مصادر پر تحقیق کی بنیاد پر مدلل کیا گیا ہے۔

تعارف و مقصدِ تحریر اس کتاب کی تالیف کا مقصد ساداتِ کرام کے نسب اور ان کی تاریخ کو محفوظ رکھنا ہے یہ کتاب ایک معزز خانوادۂ سادات کی تاریخ ہے تاریخ اکثر ان نفوسِ قدسیہ کو نظر انداز کر دیتی ہے جو اپنی خاموشی، تقویٰ، خدمت، معرفتِ معصومینؑ اور روحانی عظمت میں وہ رفعتیں رکھتے ہیں جو دنیاوی سلطنتوں کے حکمرانوں کو بھی نصیب نہیں ہوتیں اور یہی پردہ نشینی رفتہ رفتہ ان شناختوں کو دھندلا دیتی ہے جو نسلوں کے لیے نہ صرف فکری چراغ بلکہ روحانی اصل کی پہچان ہوتی ہیں یہ کتاب ایک ایسی ہی نسلِ سادات ممتاز اور مخفی ہستی سید امیر علی شاہ نقوی البخاریؒ اور ان کی اولاد و نسل کی زندگی، وراثت، خدمات اور نسبی و روحانی تسلسل کو تحریری قالب میں محفوظ کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے، ساداتِ حسینی نسبت، چشتیہ و جلالیہ، اثنا عشری عرفانی سلاسل کی روحانی تاثیر اور اہلِ بیت اطہارؑ سے غیر مشروط محبت کی مجسم تصویر بھی، یہ کتاب ایک طویل، روحانی، علمی اور نسبی سلسلے کی تاریخ ہے، جو امام علی نقیؑ سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ، درگاہِ اُوچ شریف، مخدوم جہانیاںؒ اور سید جلال الدین حیدرؒ کے ذریعے لاہور اور پھر سید شاکر علی شاہ نقوی البخاریؒ اور سید حفیظ علی شاہ نقوی البخاریؒ، سید محبت علی شاہ نقوی البخاریؒ کے ذریعے فیروز آباد اور بعد ازاں آگرہ میں مقیم رہے اور تقسیمِ ہند کے وقت ہجرت کے بعد حیدرآباد میں اپنی شناخت کے ساتھ نمایاں ہوا یہ تمام تسلسل صرف زبانی بیانیے پر مبنی نہیں بلکہ دونوں ممالک کے شہروں سے وابستگی رکھنے والے خاندان کئی نسلوں سے جاننے والے خاندان اور خود اس خاندان کے بزرگوں، کچھ پرانے نسخوں، درگاہی خطوط، سجادہ نشینوں کی شہادت، نایاب شجرہ نویسی، مدینۃ الاولیاء اوچ شریف، تاریخ انوارِ سادات، مرآتِ جلالی جیسے صوفی متون، مغل و صفوی تاریخ اُوچ شریف و سیرتِ سرخ پوش بخاریؒ جیسے مصادر پر تحقیق کی بنیاد پر مدلل کیا گیا ہے کتاب میں بیان کردہ موضوعات جیسے طبی خدمات، صفوی باقیات اور ایرانی صوفی حلقوں سے فکری نسبت، چشتیہ و جلالیہ فیضان، فقہی توازن، اثنا عشری اصولی عرفان اور سادات کے درمیان وحدتِ فیضان نہ صرف علمی طور پر مضبوط ہیں بلکہ روحانی طور پر گہرے اثر رکھتے ہیں تحریر کسی ایک فقہی مکتب یا مکتب فکر کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ اس کا مقصد

ساداتِ نقوی البخاری کے اس تسلسل کو محفوظ کرنا ہے جس میں تشیع کی محبت، تصوف کی روحانیت، صوفی و شیعہ اخوت، درگاہی نظام کی گہرائی اور خدمتِ خلق کا وہ جذبہ شامل ہے جو کبھی مغل دربار، کبھی صفویوں کے مکتوبات اور کبھی درگاہ اُوچ شریف کی خاموش گواہیوں میں دکھائی دیتا ہے، یہی وہ فکری و روحانی وحدت ہے جو اس کتاب کو فقہی اختلافات سے بالا رکھتے ہوئے وحدتِ نسب، وحدتِ فیضان اور وحدتِ مقصد کا علمبردار بناتی ہے اگر یہ کتاب کسی ایک قاری کو بھی اپنی نسبت کی طرف پلٹنے پر آمادہ کرے، کسی محقق کو درگاہی تاریخ پر تحقیق کا شوق دے یا کسی سادہ دل کو اہل بیتؑ کی معرفت کے در تک پہنچا دے، تو یہی اس کا سب سے بڑا انعام ہوگا۔ یہ کتاب اُن نسلوں کے لیے خاص طور پر نسلِ سید نفیس علی کے لیے ایک چراغِ راہ ہے جنھوں نے اپنی دینی، نسبی اور روحانی جڑوں کو بھلا دیا، جو مہاجر نسلوں کی طرح نئی زمین پر نئے مقام کے طلبگار تھے، جن کی تاریخ درباری کاغذوں، فقہی اختلافات اور سیاسی جبر کے بوجھ تلے دب چکی تھی اور جو یہ جانتے ہیں کہ اُن کے آباء کون تھے، اُن کی ولایت کی بنیاد کیا تھی، اُن کی خدمت، شہادت اور معرفت یہ کتاب نہ صرف اس سوال کا جواب دیتی ہے، بلکہ ایک خاموش مگر درخشندہ ساداتِ خانوادے کی تاریخ، فیضان، قربانی اور شناخت کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کی سعیِ مکمل ہے جو اُوچ شریف سے چل کر فیروز آباد، آگرہ اور پھر ہجرت کے بعد حیدرآباد تک سفر کرتا ہے اور اپنے دامن میں اہل بیتؑ سے نسبت، پیروی معصومینؑ، صفوی اخلاص، مغل روایات اور صوفیانہ خامشی کا نور لیے ہر اُس دل پر دستک دیتا ہے جو نسبت کی پہچان، علم کی تلاش اور روحانیت کی روشنی کا متلاشی ہے اس کتاب میں مستند روایات کے ساتھ ساتھ متعدد اختلافی روایات بھی شامل کی گئی ہیں، تاکہ راویوں نے مصنفین کو جو کچھ لکھوایا یا سنایا، وہ سب محفوظ رہے چاہے ان میں آپس میں تضاد ہی کیوں نہ ہو تاکہ آج کی تاریخ اپنی اصل صورت میں زندہ رہ سکے، واضح رہے کہ یہ اختلافی روایات محض خاندانی راویوں کے بیانات کا مجموعہ ہیں، جبکہ ہماری تحقیق، مصادر اور شواہد کی روشنی میں خاندان کا نسب اور تاریخی تسلسل مکمل طور پر مستند اور تصدیق شدہ ہے جس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔

مؤلف سید سلیم رضا بخاری (شجرہ نویسِ مدینۃ السادات، اُوچ شریف)

شجرۂ نسب

حضرت آدم علیہ السلام ← شیث علیہ السلام ← انوش ← قینان ← مہلائیل ← یرد ← اخنوخ (حضرت ادریس علیہ السلام) ← متوشلخ ← لامک ← حضرت نوح علیہ السلام ← سام ← ارفکشاد ← شالخ ← عابر ← فالج ← رعو ← سروج ← ناحور ← تارخ (آزر) ← حضرت ابراہیم علیہ السلام ← حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ← بشیرلی (لقب ہیم ۔ طبع) ← سمیر (لقب بشمیین ۔ معظم فی الکل) ← حمران (لقب اسمٰعیل ذو الاوج) ← الدریا (لقب حجران الطعان) ← صید (لقب اسمٰعیل ذو الطبع) ← عقبر (لقب ابراہم جانح اشمل) ← عشی (لقب عافی عقبر ابن الجن) ← ماضی (لقب الظرب حالم النار) ← ناخش (لقب علقم) ← جام (لقب علقم) ← طائح (طاب) لقب صیقان ← یدلاف (تلاف) لقب رائمہ ← بلداس (محتل) ← حزا (العوام) ← قیدار (دوباشرہ جزمی) ← عزام (عزام) ← عوض (لقب شمر منی) ← مزری (برمز) ← کی (شیبی) (لقب لجمھر) ← زارح (لقب قمر) ← ناحت ← مقصری (مقص) ← مقصری (لقب حسن ۔ زمل) ← ابہام (ایامی) (لقب دوس الفن ۔ احمل الفلق) ← اقتاد (لقب لیامہ) ← عیمر (عامر) لقب نیدوان ذوالا مد بہ ← دیشان (لقب ازد اریہ) ← عیضنی (لقب مافر) ← ارغہ (رومہ) (لقب عدون) ← شحن (لقب جنود) ← سنجون (تحزن) (لقب تصور) ← بشرلی (لقب ہیم ۔ طبع) ← ال ← عدنان ← معد ← نزار ← مضر ← الیاس ← مدرکہ ← خزیمہ ← کنانہ ← نضر ← مالک ← فہر ← غالب ← لوی ← کعب ← مرہ ← کلاب ← قصی ← عبد مناف ← ہاشم ← (شیبہ) حضرت عبد المطلب علیہ السلام حوالہ جات: حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت اسماعیل علیہ السلام: القرآن الکریم، تفسیر ابنِ کثیر (قصص الانبیاء)، تاریخ الرسل والملوک از امام طبری، البدایہ والنہایہ از ابنِ کثیر، قصص الانبیاء از ابنِ کثیر۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تا عدنان روایتی نسب :تاریخ الرسل والملوک از امام طبری، جمہرۃ انساب العرب از ابنِ حزم اندلسی، انساب العرب از ابن الکلبی، الاکلیل از ابو محمد الہمدانی، صفۃ جزیرۃ العرب از الہمدانی، المعارف از ابن قتیبہ دینوری، الاشتقاق از ابن درید۔ عدنان تا حضرت عبد المطلب علیہ السلام :السیرۃ النبویۃ از ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ از ابن اسحاق (بروایت ابن ہشام)، البدایہ والنہایہ از ابنِ کثیر، انساب الاشراف از البلاذری، الطبقات الکبریٰ از ابن سعد، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب از ابن عبد البر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ از ابن الاثیر، صحیح البخاری (کتاب المناقب)، صحیح مسلم (فضائل النبی ﷺ)۔

حضرت سید عبدالمطلب علیہ السلام شیبہ، سیدُ البطحاء، شیخُ الحرم، ساقیُ الحاج، مطعمُ الحاج، مالکِ زمزم، حافرِ زمزم، رئیسِ قریش، امیرِ مکہ، کافلُ الیتیم، وارثِ سنتِ ابراہیمی، موحد، حنیف علی ملتِ ابراہیم

اصل نام: شیبہ

مشہور نام: عبدالمطلب

کنیت: ابو الحارث

القابات:

حضرت سید عبدالمطلب علیہ السلام سیدُ قریش، شیخُ البطحاء، ساقی الحاج، رافد الحاج، متولی کعبہ اور حامیِ حرم تھے، اور یہ تمام القابات آپ کی دینی عظمت، سماجی قیادت اور خانۂ کعبہ و حجاجِ کرام کی بے لوث خدمت کی روشن دلیل ہیں۔

پیدائش

پیدائش: یثرب (مدینہ منورہ)

سنِ پیدائش: عامِ فیل سے تقریباً پچاس سال قبل

یعنی چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں

آپ کی پیشانی پر پیدائش کے وقت سفیدی تھی، اسی وجہ سے آپ کا نام شیبہ رکھا گیا۔

اصل علاقہ اور مکہ آمد

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی ابتدائی پرورش یثرب میں ہوئی، جہاں آپ کے نانا عمرو بن زید (بنو نجار) رہتے تھے۔ بعد ازاں آپ کے چچا مطّلب بن عبد مناف آپ کو یثرب سے مکہ لے آئے۔ مکہ میں لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ مطّلب کا غلام ہے، اسی غلط فہمی سے آپ کو عبدالمطلب کہا جانے لگا، اور یہی نام تاریخ میں مشہور ہو گیا۔

والدین

والد: حضرت ہاشم بن عبد مناف علیہ السلام بانیِ سقایت و رفادت، مکہ کے عظیم سردار

والدہ: سلمیٰ بنت عمرو قبیلہ بنو نجار، یثرب کی معزز خاتون

بہن بھائی

تاریخی روایات کے مطابق حضرت عبدالمطلب علیہ السلام واحد فرزند تھے، یعنی آپ کے سگے بھائی یا بہن ثابت نہیں۔

اولاد (بیٹے)

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے بیٹے یہ تھے:

حضرت الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو طالب علیہ السلام (والدِ مولا علی علیہ السلام)، حضرت عبداللہ علیہ السلام (والدِ رسول اکرم ﷺ)، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (سیدُ الشہداء)، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابو لہب (رسول اکرم ﷺ کا کھلا دشمن)، حضرت ضرار رضی اللہ عنہ، حضرت مقوم رضی اللہ عنہ، اور حضرت حجل رضی اللہ عنہ؛ جن میں سب سے افضل و معروف حضرت عبداللہ علیہ السلام تھے جو والدِ رسول اکرم ﷺ ہیں۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام، حضرت عبداللہ علیہ السلام سے بڑے تھے۔

وضاحت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے سب سے چھوٹے بیٹوں میں شمار ہوتے تھے، جبکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام عمر میں ان سے بڑے تھے، اسی لیے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ کی کفالت حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سپرد کی گئی۔

بیٹیاں

روایات کے مطابق آپ کی بیٹیاں یہ تھیں:

صفیہ رضی اللہ عنہا، عاتکہ رضی اللہ عنہا، برّہ رضی اللہ عنہا، امیمہ رضی اللہ عنہا، اور اروٰی رضی اللہ عنہا۔

عقیدہ اور دین

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام موحّد تھے آپ دینِ ابراہیمی پر قائم تھے، بت پرستی سے سخت نفرت کرتے تھے، شراب، زنا اور ظلم کو حرام سمجھتے تھے، اور اللہ واحد پر کامل ایمان رکھتے تھے۔

اہم تاریخی واقعات

- زمزم کی دوبارہ دریافت
- اصحابِ فیل کے موقع پر ابرہہ کے سامنے کعبہ کا دفاع

- حضرت عبداللہ علیہ السلام کی نذر اور فدیہ
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت

وفات

وفات: مکہ مکرمہ

عمر: تقریباً اسی برس

وفات کا زمانہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر آٹھ برس کے قریب

مدفن

جنت المعلیٰ، مکہ مکرمہ

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام، جن کا اصل نام شیبہ تھا، حضرت ہاشم بن عبد مناف علیہ السلام کے فرزند اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے۔ آپ قریش کے معزز سردار، خانہ کعبہ کے متولی، حاجیوں کو پانی پلانے (سقایت) اور مہمان نوازی (رفادت) کی عظیم ذمہ داریوں کے حامل تھے۔ آپ کی حکمت، سچائی اور توحید پر یقین کے باعث عرب میں عزت و وقار کے ساتھ جانے جاتے تھے۔ زمزم کے چشمے کی دوبارہ دریافت آپ ہی کے ذریعے ہوئی، جو ایک تاریخی اور روحانی اہمیت کا حامل واقعہ ہے۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے بیٹوں میں سب سے معروف حضرت عبداللہ علیہ السلام تھے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد تھے، اور جنہوں نے جوانی ہی میں وفات پائی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ مکرمہ حضرت آمنہ بنت وہب سلامُ اللہ علیہا نہایت باعزت، نیک سیرت اور شریف قبیلے سے تعلق رکھنے والی خاتون تھیں، جن کا وصال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے چند سال بعد ہوا۔ آپ کی دادی مکرمہ حضرت فاطمہ بنت عمرو سلامُ اللہ علیہا تھیں، جو قبیلہ مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں اور نجیب الطبع و باوقار خاتون تھیں۔ یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب دونوں طرف سے قریش کے ممتاز اور شریف خاندانوں سے جڑتا ہے، اور یہ سلسلہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔

حضرت سید عبدالمطلب علیہ السلام کی شخصیت صرف ایک قبائلی سردار تک محدود نہ تھی بلکہ آپ مکہ مکرمہ میں توحید، اخلاق اور سماجی عدل کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ دورِ جاہلیت میں جبکہ بت پرستی عام تھی، آپ شرک سے نفرت رکھتے تھے اور اللہ واحد پر کامل یقین رکھتے تھے۔ آپ نہ کبھی بتوں کے سامنے جھکے اور نہ ہی ان کے نام پر قربانی دی۔ اسی بنا پر اہلِ مکہ آپ کو بقیۂ ابراہیم کی روایت کا امین سمجھتے تھے، کیونکہ آپ کے افکار اور اعمال حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام کے طریقے سے ہم آہنگ تھے۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی زندگی میں زمزم کی دوبارہ دریافت ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ خواب کے ذریعے آپ کو زمزم کے مقام کی نشاندہی ہوئی، مگر جب آپ نے تنہا اس چشمے کی کھدائی شروع کی تو قریش، بالخصوص بنو امیہ اور ان کے حلیف قبائل نے آپ کی شدید مخالفت کی۔ آپ کو تنہا، کمزور اور بے یار و مددگار سمجھ کر طنز، دھمکیوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ اپنے عزم میں ثابت قدم رہے۔ بالآخر جب زمزم ظاہر ہوا تو وہی مخالفین اس حق کو ماننے پر مجبور ہو گئے، اور یہ واقعہ بنو ہاشم کی فضیلت اور عبدالمطلب علیہ السلام کی صداقت کی روشن دلیل بن گیا۔

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان کشمکش محض قبائلی نہیں بلکہ نظریاتی بھی تھی۔ بنو امیہ دنیاوی اقتدار، مال و جاہ اور سیاسی چالاکی کے خواہاں تھے، جبکہ بنو ہاشم خدمتِ خلق، دیانت اور روحانی قیادت کے علمبردار تھے۔ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی مقبولیت، وقار اور اخلاقی برتری بنو امیہ کے لیے مستقل حسد اور اضطراب کا سبب بنی۔ یہی حسد بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کھلی دشمنی میں تبدیل ہوا۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی سیرت میں نذر، وفا اور عہد کی پاسداری نمایاں مقام رکھتی ہے۔ آپ نے اللہ سے نذر مانی تھی کہ اگر آپ کو دس بیٹے عطا ہوں گے تو ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کریں گے۔ قرعہ اندازی حضرت عبداللہ علیہ السلام کے نام نکلی، مگر اللہ تعالیٰ نے سو اونٹوں کے فدیے کے ذریعے اس قربانی کو روک دیا۔ یہ واقعہ نہ صرف قربانی اور اطاعتِ الٰہی کی مثال ہے بلکہ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کی حفاظت کے ذریعے نبوی مشن کی الٰہی نگرانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے بعد آپ کی خصوصی کفالت فرمائی۔ آپ پوتے کو غیر معمولی محبت دیتے، کعبہ کے پاس اپنی مخصوص مسند پر بٹھاتے اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا ایک عظیم شان کا حامل ہے۔ آپ کی وفات کے وقت بھی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سپرد کیا، جو بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے محافظ بنے۔

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کی وفات کے بعد بنو امیہ کا رویہ بنو ہاشم کے ساتھ مزید سخت ہوتا چلا گیا۔ یہی طبقہ بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا سب سے بڑا دشمن بنا، اور یہی دشمنی آگے چل کر اہلِ بیت علیہم السلام کے خلاف ظلم، جبر اور اقتدار کی ہوس میں تبدیل ہوئی۔ اس پس منظر کو سمجھے بغیر نہ سیرتِ نبوی کو مکمل طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی تاریخِ اسلام کے بعد کے المیوں کی جڑ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

حضرت سید عبداللہ علیہ السلام

والدِ رسولِ خدا ﷺ، موحد علی ملتِ ابراہیم

حضرت سید عبداللہ علیہ السلام کا مکمل نام عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی بن کلاب ہے۔ آپ کا نسب نہایت معزز اور بلند پایہ ہے جو سلسلہ وار حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام تک پہنچتا ہے۔ اسی پاکیزہ اور منتخب خانوادے کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے منتخب فرمایا۔

والدین

آپ کے والد ماجد حضرت عبدالمطلب بن ہاشم علیہ السلام مکہ معظمہ کے رئیس، قریش کے سردار، حاجیوں کو پانی پلانے اور کھانا کھلانے کی عظیم خدمت انجام دینے والے، صاحبِ وقار اور موحد شخصیت تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت عمرو علیہا السلام قبیلہ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں اور اپنے زمانے کی نہایت باوقار، عاقل اور شریف خاتون شمار ہوتی تھیں۔

تاریخِ ولادت

مؤرخین کے مطابق حضرت سید عبداللہ علیہ السلام کی ولادت عامِ فیل سے چند سال قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ بچپن ہی سے حسنِ اخلاق، متانت، شرافت اور پاکیزگی میں ممتاز تھے۔

القابات و اوصاف

سیرت و تاریخ کی کتب میں آپ کے لیے متعدد اوصاف و القابات بیان کیے گئے ہیں، جن میں نمایاں یہ ہیں:

صاحبِ نور، طاہر و مطہر، افضلُ اولادِ عبدالمطلب، حاملِ نورِ نبوت، امین و صادق، اور موحدِ کامل۔

اہلِ مکہ اس بات پر متفق تھے کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام اپنے وقت کے حسین ترین، باوقار ترین اور بااخلاق نوجوانوں میں شمار ہوتے تھے۔

ازواج

آپ کی واحد زوجہ محترمہ حضرت آمنہ بنت وہب سلامُ اللہ علیہا تھیں، جو نسب، حسب، عقل اور طہارت میں قریش کی منتخب ترین خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ یہ نکاح قریش کے معززین کی موجودگی میں انجام پایا۔

اولاد

حضرت سید عبداللہ علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک فرزند ہوئے:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آپ اپنے فرزند کی ولادت سے قبل ہی وصال فرما گئے۔

اہم واقعہ: نذر اور فدیہ

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے تو وہ ایک کو اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ قرعہ اندازی کے ذریعے حضرت عبداللہ علیہ السلام کا نام نکلا، مگر بعد ازاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اونٹوں کو فدیہ بنا کر حضرت عبداللہ علیہ السلام کی جان بچائی گئی۔ یہ واقعہ تاریخ میں فدیۂ عبداللہ کے نام سے معروف ہے۔

تجارت اور سفر

نکاح کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت عبداللہ علیہ السلام ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے۔ واپسی کے دوران مدینہ منورہ میں بیمار ہو گئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔

تاریخ وفات اور مدفن

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ منورہ بھیجا، مگر ان کے پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً پچیس برس تھی۔

آپ کو مدینہ منورہ کے محلہ بنی النجار میں دفن کیا گیا، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ننھال بنا۔

ترکہ

وصال کے وقت حضرت عبداللہ علیہ السلام نے چند اونٹ، چند بکریاں اور ایک باندی ترکہ میں چھوڑیں۔ یہی باندی بعد میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کے نام سے معروف ہوئیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔

شان و مقام

روایات کے مطابق حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اپنے فرزند کے وصال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بیٹوں میں عبداللہ سب سے زیادہ صاحبِ نور اور معزز تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ علیہ السلام کی پیشانی میں وہ نورِ نبوت جلوہ گر تھا جو بعد میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں ظاہر ہوا۔ حضرت عبداللہ علیہ السلام شرک، بت پرستی اور جاہلی رسوم سے مکمل بیزار تھے اور دینِ ابراہیمی پر قائم تھے یہ بات اکثر سیرت کی معتبر کتب میں صراحتاً ملتی ہے۔

اگرچہ حضرت سید عبداللہ علیہ السلام کی حیاتِ ظاہری مختصر رہی، مگر ان کا کردار، توحید پر کامل ایمان اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ ماجد ہونے کا شرف انھیں تاریخِ اسلام میں ہمیشہ کے لیے عظمت و امتیاز کا نشان بنا گیا۔

حضرت بی بی پاک آمنہ بنتِ وہب سلامُ اللہ علیہا کی بارگاہ اقدس میں سلام و عقیدت پیش کرتے ہوئے دل محبت، تعظیم، ادب اور احترام سے سرشار ہو جاتا ہے، کہ آپ وہ مقدس اور برگزیدہ ہستی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کے لیے منتخب فرمایا۔

حضرت بی بی پاک آمنہ بنتِ وہب سلامُ اللہ علیہا

والدۂ رسولِ خداﷺ، سیدۂ قریش

حضرت آمنہ بنتِ وہب سلامُ اللہ علیہا، سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ ماجدہ اور قریش کی نہایت معزز، پاکیزہ اور منتخب خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عظیم سعادت کے لیے چنا کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ کا وسیلہ بنیں، اور یوں آپ کو تاریخِ انسانیت میں ایک منفرد اور ابدی مقام عطا فرمایا۔

نام و نسب

آپ کا مبارک نام آمنہ بنتِ وہب بن عبدِ مناف بن زہرہ بن کلاب ہے۔ اس طرح آپ کا نسب قبیلہ بنی زہرہ سے جا ملتا ہے، جو قریش کے معزز، شریف اور باوقار قبائل میں شمار ہوتا تھا۔ نسب، حسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا مکہ مکرمہ کی ممتاز ترین خواتین میں سے تھیں۔

والدین

آپ کے والد حضرت وہب بن عبدِ مناف اپنے زمانے میں بنی زہرہ کے سردار، صاحبِ رائے، صاحبِ وقار اور شریف النفس انسان تھے۔ آپ کی والدہ حضرت برّہ بنتِ عبدالعزیٰ نہایت عاقل، بااخلاق اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ اس طرح حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کو شرافت، دانائی اور طہارت ایک پاکیزہ خانوادے سے وراثت میں ملی۔

ولادت اور پرورش

حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں اگرچہ جاہلیت کا دور دورہ تھا، مگر آپ کی فطرت شروع ہی سے پاکیزگی، حیا، وقار اور سچائی سے آراستہ تھی۔ اہلِ مکہ آپ کو نجابت، حسنِ اخلاق اور متانت کی علامت سمجھتے تھے۔

نکاح

حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کا نکاح حضرت سید عبداللہ بن عبدالمطلب علیہ السلام سے ہوا۔ یہ نکاح قریش کے معززین کی موجودگی میں انجام پایا اور اسے مکہ کے باوقار ترین نکاحوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ دونوں ہستیاں شرافت، حسنِ سیرت اور پاکیزگی میں ایک دوسرے کی ہم پلہ تھیں۔

ازدواجی زندگی

ازدواجی زندگی نہایت مختصر رہی، مگر محبت، سکون اور وقار سے بھرپور تھی۔ حضرت سید عبداللہ علیہ السلام کے وصال کے بعد حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا نے صبر، حوصلے اور وقار کے ساتھ اپنی زندگی گزاری، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کامل رضا کا مظاہرہ فرمایا۔

حملِ مبارک اور بشارات

حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کو حمل کے دوران غیر معمولی سکون، اطمینان اور روحانی کیفیات نصیب ہوئیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ کو اس دوران بشارت دی گئی کہ آپ اس ہستی کو جنم دیں گی جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہو گی۔ یہ حمل نہایت آسان اور مشقت سے پاک تھا، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کی دلیل ہے۔

ولادتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا مبارک سے عامِ فیل میں سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس عظیم لمحے کے ساتھ ہی تاریخِ انسانیت کا ایک نیا باب روشن ہوا اور دنیا کو ہدایت کا دائمی چراغ نصیب ہوا۔

تربیتِ رسول

ابتدائی زمانے میں حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا نے خود اپنے لختِ جگر کی پرورش فرمائی۔ بعد ازاں عرب کی روایت کے مطابق آپ نے اپنے فرزند کو رضاعت کے لیے قبیلہ بنی سعد میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا، مگر قلبی تعلق، شفقت اور ماں کی محبت ہمیشہ غالب رہی۔ تشیع کی روایات کے مطابق رسولِ خدا ﷺ کی تربیت ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت اور پاکیزہ خانوادے کے نورانی ماحول میں ہوئی۔ حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کی گود کو نبی ﷺ کی اخلاقی و روحانی پرورش کا اصل مرکز سمجھا جاتا ہے، جہاں ماں کی طہارت، ایمان اور فطری حکمت نے آپ کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کا مرحلہ عرب معاشرتی روایت کے مطابق تسلیم کیا جاتا ہے، تاہم تشیع کے نزدیک اس کا تعلق زیادہ تر جسمانی صحت، فصاحتِ زبان اور دیہی ماحول سے تھا، جبکہ اصل روحانی تربیت، قلبی وابستگی اور معنوی نشوونما مسلسل والدۂ محترمہ اور الٰہی نگرانی کے زیر سایہ برقرار رہی۔ اسی بنا پر تشیع کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ بچپن ہی سے عصمت، رحمت اور کمالِ انسانیت کے کامل مظہر تھے۔

مدینہ کا سفر

حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا اپنے فرزند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں تاکہ اپنے شوہر کے مزار کی زیارت کریں اور ننھال بنی النجار سے ملاقات ہو۔ یہ سفر محبت، یاد اور وفا کی ایک خاموش داستان تھا۔

وصال

مدینہ منورہ سے واپسی پر مقام ابواء میں حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کا وصال ہوا۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمسن تھے۔ یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماں کی شفقت سے بھی محرومی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا، مگر یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا حصہ تھا۔

شان و مقام

حضرت آمنہ بنتِ وہب سلامُ اللہ علیہا وہ مقدس ہستی ہیں جن کی گود میں رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ کھولی۔ آپ کی ذات ایمان، صبر، وقار، طہارت اور انتخابِ الٰہی کی روشن مثال ہے۔ اہلِ سیر کے نزدیک آپ ان خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تاریخِ انسانیت کے عظیم ترین منصب کے لیے منتخب فرمایا۔

حضرت آمنہ بنتِ وہب سلامُ اللہ علیہا کی بارگاہِ اقدس میں سلام، عقیدت، محبت، ادب اور احترام پیش کرنا ہر صاحبِ ایمان کے دل کی فطری آواز ہے۔ contentReference[oaicite:0]{index=0}:

خاتمُ النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

احمد مجتبیٰ، محمود اکبر، رحمۃٌ للعالمین، سیدُ المرسلین، سیدُ الانبیاء، امامُ الانبیاء، افضلُ الخلق، خیرُ البشر، اشرفُ المخلوقات، حبیبُ خدا، محبوبِ کبریا، محبوبِ سبحانی، رسولُ اللہ، نبیُّ اللہ، نبیِ آخرالزماں، رسولِ ہدایت، داعیِ توحید، مبلغِ قرآن، صاحبِ خلقِ عظیم، صادق، امین، امینُ اللہ، نورُ الہدیٰ، نورِ مجسم، سراجِ منیر، شمسُ الضحیٰ، بدرُ الدجیٰ، بشیر، نذیر، شاہد، داعی، مزکی، عبدُ اللہ، عبدُ ربہ، محمد، احمد، محمود، قاسم، ابو القاسم، طٰہٰ، یٰس، مزمل، مدثر، رحمتِ کاملہ، نعمتِ عظمیٰ، نبیُّ الرحمہ، نبیُّ التوبہ، شافعِ محشر، شفیعُ المذنبین، صاحبِ مقامِ محمود، صاحبِ لواءُ الحمد، صاحبِ حوضِ کوثر، امامُ المتقین، قائدُ الغرِّ المحجلین، تاجدارِ مدینہ، سردارِ مکہ، مقبولِ بارگاہِ الٰہی، محبوبِ اہلِ سما و ارض، قائدِ لولاک، سببِ تخلیقِ کائنات، واسطۂ فیضِ الٰہی، وجہِ قربِ خداوندی، الماحی، الحاشر، العاقب، المقفی

حضرت خاتم الانبیاء، سیدالمرسلین، رحمۃٌ للعالمین، شفیع المذنبین، محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب اور مکرم ترین بندے اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کائنات کو تخلیق کیا گیا اور جن کی نسبت سے ہر نعمت، ہدایت اور رحمت بنی نوع انسان کو عطا ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ سراپا نور، مجسم اخلاق، کامل توحید اور خالقِ کائنات کی عبدیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آپ کی محبت ہر مومن کے دل کی جان ہے اور آپ کا ادب و احترام و محبت ایمان کی بنیاد ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ربیع الاول عام الفیل کو مکہ مکرمہ میں اُس وقت ہوئی جب دنیا گمراہی، ظلمت اور جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ والد گرامی حضرت عبد اللہ علیہ السلام اور والدہ مکرمہ حضرت آمنہ بنت وہب سلامُ اللہ علیہا کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے خود آپ کی پرورش کا اہتمام فرمایا۔ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بے مثل اور سراسر صدق و امانت سے بھرپور رہی، یہاں تک کہ مکہ کے لوگ آپ کو الصادق اور الامین کے القاب سے یاد کرنے لگے۔

چالیس برس کی عمر میں غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ آپ نے 23 سال تک مسلسل سختیوں، طعنوں، ہجرتوں اور دشمنی کے باوجود صبر، حلم اور کامل حسن خلق کے ساتھ اللہ کی توحید، عدل، محبت اور انسانیت کا پیغام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ایمان کی روشنی دی، غلاموں کو آزادی، یتیموں کو سہارے، عورتوں کو عزت اور انسانوں کو انسانیت کا شعور عطا فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہمیشہ امت کی خیر خواہی، دعا اور مغفرت میں مشغول رہا۔ آپ کی محبت کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے اور قرآن نے آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے برابر ٹھہرایا۔ آپ کی ایک نظرِ کرم سے جہالت کے صحرا گلزار بن گئے اور ظلمت کے اندھیرے نور میں بدل گئے۔ وصال 12 ربیع الاول 11 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوا اور آپ کا روضۂ اطہر مسجدِ نبوی امت کا مرکزِ عشق و عقیدت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، ہادی، محسن، معلم، شافع اور قیامت کے دن عرش کے سائے تلے امت کے سفارشی ہوں گے۔ آپ سے محبت، ادب اور اطاعت ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کی کنجی ہے اور جو آپ پر درود نہیں بھیجتا، وہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل محبت، ادب اور اتباع نصیب فرمائے۔

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کفالت و قیام کے ادوار (پیدائش تا وصال)

پیدائش تا 6 سال (حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کے زیر سایہ)

حضور اکرم ﷺ کی ولادت ربیع الاول عام الفیل میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ پیدائش سے قبل والد محترم حضرت عبد اللہ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا۔ اہل سنت کی روایت کے مطابق ابتدائی چار سال بنو سعد میں دایہ حلیمہ سعدیہ سلامُ اللہ علیہا کے ہاں گذرے۔ اس کے بعد آپ ﷺ والدہ محترمہ حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کے پاس واپس آئے اور چھ برس کی عمر تک ان کے زیر سایہ پرورش پائی۔ اسی عمر میں حضرت آمنہ سلامُ اللہ علیہا کا ابواء کے مقام پر وصال ہو گیا۔

تا 8 سال (دادا حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے زیر سایہ)

والدہ کے انتقال کے بعد دادا حضرت عبد المطلب علیہ السلام نے آپ ﷺ کی کفالت سنبھالی۔ آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ دو سال بعد جب آپ ﷺ آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت عبد المطلب علیہ السلام کا بھی وصال ہو گیا۔

8 تا تقریباً 50 سال (چچا حضرت ابو طالب علیہ السلام کے زیر سایہ و گھر میں قیام)

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی وصیت پر آپ ﷺ کی کفالت آپ کے چچا حضرت ابو طالب علیہ السلام نے سنبھالی۔ چالیس سال تک، یعنی اعلانِ نبوت سے قبل تک، آپ ﷺ انہی کے زیر سایہ ان کے گھر میں مقیم رہے۔ چچا نے ہمیشہ آپ ﷺ سے والہانہ محبت کی اور ہر مرحلے پر آپ کا ساتھ دیا، حتیٰ کہ سخت ترین معاشرتی بائیکاٹ میں بھی۔

(ازدواجی زندگی حضرت خدیجہ سلامُ اللہ علیہا کے ساتھ)

25 برس کی عمر میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ بنت خویلد سلامُ اللہ علیہا سے ہوا۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہے۔ یہ زمانہ آپ ﷺ کی اولین ازدواجی اور نبوی زندگی کا پُرسکون دور تھا۔ حضرت خدیجہ سلامُ اللہ علیہا نے آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا مقام پایا اور ہر قدم پر آپ کی پشت پناہی کی۔

50 تا 53 سال (شعبِ ابی طالب و ہجرت سے قبل)

حضرت خدیجہ سلامُ اللہ علیہا اور حضرت ابو طالب علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ ﷺ کو شدید تکالیف اور مکی مشرکین کی دشمنی کا سامنا ہوا۔ ان دنوں آپ ﷺ کبھی اپنے گھر، کبھی شعبِ ابی طالب اور کبھی مختلف رشتہ داروں کے پاس قیام فرماتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت مدینہ کا فیصلہ فرمایا۔

53 تا 63 سال (مدینہ منورہ اپنا گھر، مسجد نبوی کے قریب)

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک مستقل گھر تعمیر فرمایا جو مسجد نبوی کے ساتھ متصل تھا۔ باقی دس سال آپ ﷺ اسی مقدس گھر میں رہے۔ یہیں سے اسلام کو ریاستی نظام ملا، وحی نازل ہوئی، معرکہ بدر، احد، خندق اور فتح مکہ سمیت دیگر اہم تاریخی واقعات پیش آئے۔ 63 سال کی عمر میں 12 ربیع الاول 11 ہجری کو مدینہ ہی میں آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

خلاصہ

پیدائش: ربیع الاول، عام الفیل، مکہ مکرمہ، وصال: 12 ربیع الاول، 11 ہجری، مدینہ منورہ، کل عمر مبارک: 63 سال، کفالت کے مراحل: والدہ پیدائش تا 6 سال، دادا 6 تا 8 سال، چچا 8 تا اعلانِ نبوت و اس کے بعد، پھر خود مختار گھر مدینہ میں 53 تا 63 سال۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی محبت، ادب اور اتباع نصیب فرمائے آمین۔

مصادر

- البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)
- سیرت ابن ہشام
- طبقات ابن سعد
- الشفاء (قاضی عیاض)
- سہیلہ بحوالہ صحیح احادیث
- بخاری و مسلم کی صحیح روایات

بے شک یہ تمام ہستیاں اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے نہایت عزیز تھیں اور اللہ کے رسول ﷺ ان کے لیے سراپا رحمت و محبت تھے، مگر یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر سوائے اللہ وحدہٗ لاشریک کے کسی مخلوق کا کوئی احسان نہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے بندے، برگزیدہ رسول اور آخری نبی ہیں۔

حضرت بی بی فاطمہ الزہراء سیدہُ نساءِ العالمین سلامُ اللہ علیہا

بنتِ رسولِ خدا ﷺ، سیدہُ نساءِ اہلِ جنت، امُّ ابیہا، صدیقہ، صدیقۂ کبریٰ، طاہرہ، مطہرہ، بتول، زکیہ، راضیہ، مرضیہ، محدثہ، معصومہ، مظلومہ، مغصوبۃُ الحق، شہیدہ، کوثرِ نبوی، نورِ عینِ مصطفیٰ ﷺ، قرۃُ عینِ رسول ﷺ، زوجۂ امیر المومنین علیؑ، مادرِ حسنینؑ، مادرِ ائمۂ اطہارؑ، حجتُ اللہ علی الحجج، سرُّ اللہ، اسمُ اللہ الاعظم، سببِ بقاءِ نبوت، بابُ ولایت

حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا، رسولِ اکرم ﷺ کی وہ واحد صاحبزادی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت، امامت اور ولایت کے تسلسل کا مرکز بنایا۔ آپ سیدہ النساء العالمین، خاتونِ جنت، سیدہ صدیقہ، طاہرہ، زکیہ، مرضیہ، رضیہ جیسے عظیم القابات سے یاد کی جاتی ہیں۔ آپ نہ صرف نواسۂ رسول ﷺ کے سروں کا تاج ہیں بلکہ خود ٹکڑاً رسول ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔

آپ کی ولادت کے ساتھ ہی رسالت کو وہ تسلسل ملا جس نے قیامت تک حق و باطل میں فرق کو زندہ رکھا۔ بچپن ہی سے آپ نے شعبِ ابی طالب کی سختیاں دیکھیں، والدِ گرامی ﷺ پر ڈھائے گئے مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کم عمری میں ہی صبر، حوصلہ اور غیرتِ دینی کا وہ معیار قائم کیا جو تاریخ میں بے مثال ہے۔ آپ کی پوری زندگی زہد، عبادت، عفت، علم اور خدمتِ خلق کا عملی نمونہ رہی۔ گھر کی چکی پیسنا، بچوں کی پرورش، شوہرِ نامدار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ دینا اور اس کے ساتھ ساتھ امت کی فکری و اخلاقی تربیت یہ سب آپ کی

سیرت کا حصہ ہیں۔

حضرت بی بی فاطمہ سلامُ اللہ علیہا سردارِ شبابِ اہلِ جنت حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کی والدہ ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو مادرِ شبابِ جنت کہا جاتا ہے۔ آپ کی گود سے وہ ہستیاں اٹھیں جنھوں نے اسلام کو خونِ شہادت سے زندہ رکھا۔ آپ کا گھر وحی کا مرکز، ملائکہ کی آمد کا مقام اور دعا و عبادت کا آسمانی نمونہ تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ کا علم، حکمت اور خطبۂ فدک آج بھی اسلامی سیاسی و سماجی فکر کی بنیادوں میں شمار ہوتا ہے آپ کی مظلومیت بھی اتنی ہی واضح ہے جتنی آپ کی عظمت۔ رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد آپ پر جو مصائب آئے، وہ تاریخِ اسلام کے سب سے دردناک ابواب میں سے ہیں۔ حقِ اور گھرِ نبوت کی حرمت کو پامال کرنا ان سب کے باوجود آپ نے صبر کو ترک نہ کیا مگر حق پر خاموشی بھی اختیار نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی حق گوئی، استقامت اور مظلومیت کی زندہ دلیل بن گئی۔

رسولِ اکرم ﷺ کو آپ سے جو محبت تھی، وہ محض باپ بیٹی کا رشتہ نہیں بلکہ ایک الٰہی محبت تھی۔ نبی ﷺ آپ کے آنے پر کھڑے ہو جاتے، آپ کے ہاتھ چومتے اور آپ کو اپنے مقام پر بٹھاتے۔ آپ واقعی رسول کی لاڈلی، عزیز ترین اور دل کا چین تھیں۔ مورخین کے نزدیک حضرت بی بی فاطمہ سلامُ اللہ علیہا کی ذات وہ میزان ہے جس پر حق و باطل، وفا و جفا اور نور و ظلمت کو پرکھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخِ اسلام میں حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا نہ صرف ایک عظیم بیٹی، زوجہ اور ماں ہیں بلکہ کائناتی سطح پر حق کی نمائندہ، مظلوموں کی سردار اور اہلِ بیت کی روح سمجھی جاتی ہیں اور قیامت تک سمجھی جاتی رہیں گی۔

حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا کا نکاح محض ایک زمینی عقد نہیں تھا بلکہ روایات کے مطابق یہ آسمانوں میں طے پایا ہوا الٰہی رشتہ تھا۔ جبرائیلِ امین علیہ السلام اللہ کے حکم سے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس یہ پیغام لے کر آئے کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا گیا ہے اور اہلِ آسمان نے اس نکاح پر خوشی منائی۔ یہ وہ واحد نکاح ہے جس میں زمین نے آسمان کی پیروی کی اور جسے خود رسولِ خدا ﷺ نے سادگی، تقویٰ اور روحانیت کی عملی مثال بنایا۔ اس نکاح سے یہ پیغام ملا کہ ازدواجی زندگی کی اصل بنیاد مال و جاہ نہیں بلکہ ایمان، اخلاق اور قربِ الٰہی ہے۔

حضرت بی بی فاطمہ سلامُ اللہ علیہا کی ولادت مبارکہ بیس جمادی الثانی، مکہ مکرمہ میں ہوئی اور آپ کی شہادت تین جمادی الثانی کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی عمر مبارک مختصر تھی مگر حیاتِ طیبہ معنیٰ، مقصد اور حق گوئی سے بھرپور تھی۔ آپ رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مسلسل رنج و غم میں رہیں اور آپ کا رونا محض ذاتی غم نہیں بلکہ امت کی گمراہی، اہلِ بیت پر ہونے والے مظالم اور دین کے مستقبل کا نوحہ تھا۔ اسی غم کی شدت کے پیشِ نظر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے آپ کے لیے بیتُ الاحزان قائم کیا، جہاں آپ تنہائی میں اللہ کے حضور گریہ و دعا کرتی تھیں۔

حضرت بی بی فاطمہ سلامُ اللہ علیہا کا خواتین کے لیے پیغام یہ تھا کہ عورت کی عظمت اس کی عفت، حیا، عبادت اور کردار میں ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ پردہ کمزوری نہیں بلکہ طاقت ہے اور گھر کی ذمہ داری نبھانا سماجی پسماندگی نہیں بلکہ ایک عظیم عبادت ہے۔ شوہروں کے لیے آپ کی سیرت یہ درس دیتی ہے کہ بیوی کے احترام، محبت اور عزت میں ہی گھر کی برکت ہے، جبکہ اولاد کے لیے آپ کا پیغام والدین کے ادب، خدمت اور اطاعت پر مبنی ہے۔ آپ خود رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے اس قدر ادب سے کھڑی ہوتیں کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی آپ کی اولادِ اطہار وہ سرمایۂ الٰہی ہے جس نے اسلام کو دوام بخشا۔ آپ کے بچوں کے نام یہ ہیں:

- حضرت امام حسن علیہ السلام
- حضرت امام حسین علیہ السلام
- حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا
- حضرت ام کلثوم سلامُ اللہ علیہا
- حضرت رقیہ سلامُ اللہ علیہا
- حضرت محسن علیہ السلام

یہی وہ گھرانہ ہے جسے نے اہلِ بیت کی طہارت کا مرکز قرار دیا اور جس کی محبت کو اجرِ رسالت کہا گیا۔

حضرت بی بی فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا کی زندگی ولادت سے شہادت تک صدق، مظلومیت، عبادت، علم اور ولایت کا مکمل دائرہ ہے۔ آپ نہ صرف رسولِ خدا ﷺ کی سب سے لاڈلی اور عزیز بیٹی تھیں بلکہ قیامت تک آنے والی عورتوں کے لیے زندہ معیار بھی ہیں۔ آپ کی خاموشی احتجاج ہے، آپ کا گریہ تاریخ ہے اور آپ کی ذات حق و باطل کے درمیان ہمیشہ کے لیے حجت بن چکی ہے۔

حضرت سید ابو طالب علیہ السلام

والد امیر المومنین علیؑ، چچا و کفیلِ رسولِ خدا ﷺ، ناصرِ رسول ﷺ، حامیِ نبوت، مومنِ قریش، موحد علی ملتِ ابراہیم، شیخُ البطحاء، رئیسِ بنی ہاشم

حضرت ابو طالب علیہ السلام، جن کا اصل نام عبد مناف بن عبد المطلب تھا، نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چچا اور بچپن سے لے کر اعلانِ نبوت کے بعد تک آپ ﷺ کے محافظ، سرپرست اور خیرخواہ رہے۔ آپ حضرت عبد المطلب علیہ السلام کے صاحبزادے اور حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے والد محترم تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ آٹھ برس کے ہوئے اور دادا کا سایہ اٹھ گیا، تو حضرت ابو طالب علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اپنے گھر میں رکھا، اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت دی اور ہر لمحہ آپ کی خدمت و حفاظت کو اپنا فریضہ بنایا۔ آپ علیہ السلام نہ صرف قریش کے معزز سرداروں میں سے تھے بلکہ عربی شعری ادب میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور نبی ﷺ کی مدح و دفاع میں اشعار بھی کہتے تھے۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام توحید پر یقین رکھنے والے، دینِ کے پیرو اور بت پرستی سے بیزار تھے۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد، تمام تر قبائلی اور معاشرتی دباؤ کے باوجود، آپ ﷺ کی حفاظت اور مدد میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ شعبِ ابی طالب کا سخت محاصرہ اور بائیکاٹ انھی کی سربراہی میں برداشت کیا گیا، جو ان کی وفاداری، محبت اور توحید پر یقین کی روشن دلیل ہے۔ ان کا مشہور قول تھا: ہم اُس وقت تک تمھیں دشمنوں کے حوالے نہیں کریں گے جب تک ہم میں سے ایک بھی زندہ ہے۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام کا وصال اعلانِ نبوت کے دسویں سال مکہ مکرمہ میں ہوا، اسی سال کو نبی کریم ﷺ نے عام الحزن (غم کا سال) فرمایا، کیونکہ اسی سال حضرت خدیجہ سلامُ اللہ علیہا بھی دنیا سے رخصت ہوئیں۔

حضرت سید ابو طالب علیہ السلام کی ازواج اور اولاد

ازواج

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی سب سے معروف زوجہ محترمہ تھیں:

حضرت فاطمہ بنت اسد سلامُ اللہ علیہا

یہ عظیم المرتبت خاتون قبیلہ بنی ہاشم سے تھیں اور حضرت علی علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی بچپن سے جوانی تک خدمت کی اور آپ ﷺ خود فرمایا کرتے تھے: یہ مجھے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہتی تھیں۔

فاطمہ بنت اسد سلامُ اللہ علیہا وہ خاتون ہیں جنھوں نے خانہ کعبہ کے اندر حضرت علی علیہ السلام کو جنم دیا یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں متواتر شہرت رکھتا ہے۔

(حوالہ: المستدرک علی الصحیحین للحاکم، جلد 3، ص 142، سیر اعلام النبلاء، ذہبی، جلد 2)

اولاد (معروف و مستند)

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی اولاد میں مندرجہ ذیل ہستیاں شامل ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

امامِ اوّل، مولائے کائنات، وصیِ رسولؑ، خلیفۂ راشد، دامادِ رسولؑ، بابُ مدینۃ العلم، اہلِ بیتؑ کے سربراہ و پیشوا، وصیّ رسولؑ، اخِو رسولؑ، امیر المؤمنین، ابو الحسن، اسدُ اللہ، اسدُ اللہ الغالب، حیدرِ کرّار، شہسوارِ خیبر، صدیقِ اکبر، فرّخِ اعظم، بابُ العلم، علیُّ المرتضیٰ، صاحبِ ذو الفقار، قاضیُ القضاۃ، مولا الموحدین، اوّلُ المؤمنین، زوجِ بتولؑ، سیدُ العرب، قریبِ نبیؑ، نفسِ نبیؑ، انزع البطین، کرّارٌ غیر فرّار، سیدُ الاوصیاء، مفتاحُ بابِ العلم، مولا العالمین، امام المتقین، منبعِ کرم، علیّ العظیم، صفوتُ اللہ، بابِ حطّہ، نورُ الانوار، اوّلُ القومِ اسلاماً، قاتلُ الجبابرہ، صاحبُ المعاجز، نفوسٌ زکیّہ، شہیدُ المحراب، زاہدُ الزہّاد، عابدُ اللیل، سیفُ اللہ المسلول۔

حضرت جعفر بن ابی طالب علیہ السلام (جعفرِ طیار)

حبشہ کے پہلے سفیرِ اسلام اور غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جعفر کے ہاتھوں کو اللہ نے شہید ہونے کے بعد پروں سے بدل دیا اور وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔

(حوالہ: صحیح بخاری، حدیث 3703)

حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

علم و نسب کے ماہر، فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور نبی ﷺ سے شدید محبت رکھتے تھے۔

حضرت طالب بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

ان کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا ایمان لائے یا نہیں، تاہم وہ اہلِ بیت کے خانوادے سے تھے۔

اسماء بنت ابی طالب سلامُ اللہ علیہا (بعض کتب میں ذکر موجود ہے)

اگرچہ تفصیل کم ہے، لیکن بعض روایات میں ان کا ذکر بھی اہل بیت میں ملتا ہے۔

حوالہ جات برائے اولاد و ازواج

- سیرۃ ابن ہشام (جلد 1)
- طبقات ابن سعد (جلد 1)
- الاستیعاب (ابن عبد البر)
- الاصابہ (ابن حجر)
- البدایہ والنہایہ (جلد 3، ابن کثیر)

میں تفصیلی ذکر موجود ہے۔

مستند حوالہ جات

- سیرۃ ابن ہشام (جلد 1، ص 247–250)
- دلائل النبوۃ (جلد 2، امام بیہقی)
- الشفاء (جلد 1، قاضی عیاض)
- طبقات ابن سعد (جلد 1)
- البدایہ والنہایہ (جلد 3)

مستند ماخذ کے طور پر معتبر ہیں۔

امیر المومنین حضرت سید امام مولا علی علیہ السلام

امیرُالمؤمنین، وصیِّ رسولِ خداﷺ، نفسِ رسول ﷺ، بابُ مدینۃِ العلم، اسدُ اللہ الغالب، حیدرِ کرار، مرتضیٰ، ابو الحسن، ابو تراب، مولیٰ المؤمنین، ولیُّ اللہ، امامُ المتقین، قائدُ الغرّ المحجلین، اوّلُ المؤمنین، اوّلُ المسلمین، زوجِ بتولؑ، والدِ حسنینؑ، وارثِ علمِ نبوی، قسیمُ الجنۃ و النار، شاہِ ولایت

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ و علیہ السلام، امیر المؤمنین، وصیّ رسول، امام المتقین، باب مدینۃ العلم اور اہل بیت علیہم السلام کے سرداروں میں سے ہیں۔ آپ علیہ السلام، حضرت ابو طالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہ بنت اسد سلامُ اللہ علیہا کے فرزند تھے اور نبی اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی، داماد اور پہلے وصی ہیں۔ آپ کی ولادت 13 رجب، 30 عام الفیل کو کعبہ کے اندر ہوئی، جو تاریخِ انسانیت میں ایک منفرد اعزاز ہے، جس پر اہل سنت و اہل تشیع دونوں کا اجماعی اتفاق ہے۔

آپ نے بچپن سے نبی کریم ﷺ کے سایۂ تربیت میں پرورش پائی، سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور تمام غزوات و مہمات میں نبی ﷺ کے دست راست بنے رہے۔ غزوہ بدر، احد، خندق، خیبر اور حنین سمیت ہر میدان میں آپ کی شجاعت، اخلاص اور قربانی بے مثال تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

(ترمذی، مستدرک حاکم، 3/126؛ شیعہ حوالہ: عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق، ج 2، ص 57)

واقعۂ غدیر خم

غدیر خم کے مقام پر نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر اعلان فرمایا:

> مَن كُنتُ مَولاهُ فَهذا عَلِيٌّ مَولاهُ

(جس کا میں مولا ہوں، علی اس کا مولا ہے)

یہ ایک مکمل خطبہ ہے جو طویل ہے۔ یہ حدیث متواتر ہے اور اہل سنت کے بھی 110 سے زائد محدثین و مفسرین نے اسے روایت کیا ہے۔

(حوالہ جات: مسند احمد، ج 4، ص 281؛ سنن ترمذی؛ المناقب، ابن المغازلی؛ الغدیر، علامہ امینی)

حضرت علی علیہ السلام خلیفۂ چہارم بنائے گئے، مگر شیعہ عقیدہ کے مطابق آپ پہلے خلیفہ اور امامِ برحق ہیں جنھیں نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے مقرر فرمایا۔ آپ کا دور خلافت عدل، علم اور تقویٰ کا مظہر تھا اور فتنے کے دور میں بھی آپ نے شریعت محمدی ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ کوفہ کو دار الخلافہ بنایا اور وہاں جامع حکومت قائم کی۔

وصال

آپ پر 19 رمضان 40 ہجری کو مسجد کوفہ میں قاتلانہ حملہ ہوا اور 21 رمضان کو آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

مدفن

نجف اشرف، عراق

جہاں آپ کا روضۂ اقدس اہل ایمان کا مرکز عقیدت ہے۔

مستند حوالہ جات

اہل تشیع

- نہج البلاغہ
- کمال الدین، شیخ صدوق
- عیون اخبار الرضا، شیخ صدوق

اہل سنت

- سیر اعلام النبلاء (ذہبی)
- الاستیعاب (ابن عبد البر)
- البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)
- مسند احمد
- صحیح ترمذی
- المستدرک علی الصحیحین (حاکم)

امیر المومنین حضرت سید امام مولا علی علیہ السلام کی ازواج و اولاد

آپ کی ازواج اور اولاد کا ذکر کتبِ تاریخ و سیرت میں متعدد جگہ تفصیل سے موجود ہے۔ اہلِ تشیع کے مطابق آپ کی ازواج اور اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے:

ازواج

حضرت فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا

سب سے پہلی اور افضل زوجہ، نبی کریم ﷺ کی دخترِ مکرمہ، سیدہ نساء العالمین، جن سے امام حسنؑ، امام حسینؑ، امام محسن علیہ السلام، حضرت زینبؑ اور ام کلثومؑ پیدا ہوئیں۔

فاطمہ بنت حزام (ام البنین) سلامُ اللہ علیہا

بافضیلت خاتون، جن سے حضرت عباسؑ، جعفرؒ، عبد اللہؒ اور عثمانؒ پیدا ہوئے۔

خولہ بنت جعفر الحنفیہ

جن سے حضرت محمد بن حنفیہ علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔

اسماء بنت عمیس سلامُ اللہ علیہا

حضرت جعفر طیارؒ اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت علیؑ سے نکاح فرمایا۔ ان سے یحییٰؒ اور عونؒ پیدا ہوئے۔

لیلیٰ بنت مسعود الثقفیہ

ان سے عبید اللہؒ اور ابو بکرؒ پیدا ہوئے۔

ام حبیب بنت ربیعہ

ان سے عمرؒ پیدا ہوئے۔

ام سعید بنت عروہ بن مسعود

بعض روایات میں ان کا ذکر بھی ازواج میں آتا ہے۔

بعض کتب میں دیگر دو ازواج کا ذکر الگ آیا ہے (جیسے: صحفیہ یا امامہ بنت ابی العاص) لیکن معروف و متفقہ ازواج سات (7) شمار ہوتی ہیں۔

اولادِ حضرت علی علیہ السلام

اولادِ ذکور (بیٹے)

1. حسنؑ
2. حسینؑ
3. عباسؑ
4. محمد بن حنفیہؒ
5. عمرؒ

6. عثمانؑ
7. جعفرؑ
8. عبد اللہؑ
9. عبیداللہؑ
10. یحییٰؑ
11. عونؑ
12. ابو بکرؑ
13. محمد الاصغرؑ
14. ابراہیمؑ
15. اسحاقؑ
16. احمدؑ
17. عبد الرحمنؑ
18. عبد اللہ الاصغرؑ

اولادِ اناث (بیٹیاں)

1. زینب کبریٰس
2. ام کلثومس
3. رقیہس
4. رملہس
5. خدیجہس
6. میمونہس
7. نافعہس
8. ام ہانیس
9. ام جعفرس
10. فاطمہس
11. اسماءس
12. زینب صغریٰس
13. حبیبہ س
14. صفیہس
15. عائشہس
16. ام سلمہس
17. ام کلثوم صغریٰس
18. لیلیٰس
19. ام عبد اللہس

نوٹ: بعض بیٹیوں کے اسماء مختلف کتب میں تھوڑے فرق سے ذکر ہوتے ہیں، لیکن یہ مجموعی طور پر تشیع کے مصادر میں ذکر کردہ تمام معروف اسماء کا احاطہ ہے۔

اعداد و شمار

- ازواج مطہرات: 7 (معروف و متفقہ)
- بیٹے (ذکور): 18
- بیٹیاں (اناث): 19
- کل اولاد: 37

مستند حوالہ جات

- اعیان الشیعہ (سید محسن امین، جلد 1–2)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، جلد 42–44)
- الارشاد (شیخ مفید)
- کشف الغمہ (علی بن عیسی اربلی)
- رجال کشی
- تاریخ یعقوبی

اہل سنت مصادر برائے تقابل

- طبقات ابن سعد
- الاستیعاب
- الاصابہ

تفسیر — اہلِ تشیع اثنا عشری کا مؤقف

اہلِ تشیع اثنا عشری کے مطابق یہ آیت اٹھارہ ذو الحجہ سن دس ہجری کو مقامِ غدیرِ خم پر نازل ہوئی اور اس میں رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے اعلان کا حکم دیا گیا۔ شیعہ مفسرین (جیسے طبرسی، طوسی، علامہ طباطبائی) کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اس اعلان کے بعد بعض لوگ مخالفت کریں گے یا امت میں اختلاف پیدا ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے تاکید فرمائی کہ اگر یہ اعلان نہ کیا گیا تو گویا رسالت کا مقصد مکمل نہیں ہوا۔

اسی حکمِ الٰہی کی تعمیل میں نبی اکرم ﷺ نے غدیرِ خم کے مقام پر ارشاد فرمایا:

> من كنت مولاه فهذا علي مولاه

جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے

اہلِ تشیع کے نزدیک یہ اعلان حضرت علیؑ کی دینی ولایت، امامت اور قیادت کے اثبات کی بنیاد ہے۔

سورۃ المائدہ، آیت 3 — تکمیلِ دین

نصِّ قرآنی (آخری حصہ)

> (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا)
>
> المائدہ: 5:3

ترجمہ

آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند فرما لیا۔

تفسیر — اہلِ سنت کا مؤقف

اہلِ سنت مفسرین کے مطابق یہ آیت نو ذو الحجہ سن دس ہجری کو میدانِ عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ شریعتِ اسلام کے بنیادی احکام، حلال و حرام اور دینی نظام مکمل ہو چکا اور اب اسلام ایک کامل دین کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس تکمیلِ دین کا تعلق شریعت اور احکام کی تکمیل سے ہے، نہ کہ کسی خاص فرد کے تقرر کے اعلان سے۔

نہایت اہم علمی وضاحت

- آیت 67 اور آیت 3 کے نزول کے مواقع میں اختلاف تفسیری اور تاریخی نوعیت کا ہے
- اہلِ سنت اور اہلِ تشیع دونوں نے اپنے اپنے معتبر مصادر کی بنیاد پر الگ الگ فہم پیش کیا ہے
- اس متن میں کسی ایک مؤقف کو دوسرے پر زبردستی مسلط نہیں کیا گیا

سورۃ المائدہ، آیت 3 — تکمیلِ دین

تفسیر: اہلِ سنت کا مؤقف

اہلِ سنت کی تفاسیر کے مطابق سورۃ المائدہ کی آیت:

> (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ)

نو ذو الحجہ سن دس ہجری کو حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں نازل ہوئی۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر تمام انسانیت کے لیے مکمل فرما دیا۔ شریعتِ اسلام کے تمام بنیادی احکام، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، معاملات، اخلاقیات اور حلال و حرام کے اصول، اس وقت تک مکمل ہو چکے تھے۔

اسی پس منظر میں صحیح بخاری میں یہ روایت منقول ہے کہ ایک یہودی عالم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے کہا:

> اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔

جواب دیا:

> ہم اس دن اور اس مقام کو خوب جانتے ہیں جس دن یہ آیت نازل ہوئی، وہ عرفات کا دن تھا اور جمعہ کا دن تھا۔

سورۃ المائدہ، آیت 3 — تفسیر: اہلِ تشیع اثنا عشری کا مؤقف

اہلِ تشیع اثنا عشری کے مطابق اسی آیت کا ایک گہرا تعلق واقعۂ غدیرِ خم سے ہے اور بعض شیعہ مفسرین کے نزدیک یہ آیت اٹھارہ ذو الحجہ سن دس ہجری کو غدیرِ خم کے موقع پر، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے اعلان کے بعد نازل ہوئی۔

اثنا عشری عقیدے کے مطابق دین اس وقت حقیقی معنوں میں کامل ہوا جب قیادت اور رہبری (ولایت) کا واضح اعلان کر دیا گیا، تاکہ دینِ اسلام قیامت تک تحریف، انحراف اور قیادتی خلا سے محفوظ رہے۔ اس تفسیر کے مطابق نعمت کی تکمیل سے مراد ولایتِ علیؑ کا اعلان ہے اور اسی نسبت سے اہلِ تشیع اٹھارہ ذو الحجہ کو عیدِ غدیر کے طور پر مناتے ہیں۔

قرآن کی ترتیب اور جمع — علمی وضاحت

قرآنِ مجید کی موجودہ ترتیب نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے، نبی اکرم ﷺ کی ہدایت اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی رہنمائی میں حکمت، موضوع اور معنوی ربط کے تحت مرتب کی گئی۔ اسی لیے بعض آیات، جیسے سورۃ المائدہ کی آیت 67 (آیتِ تبلیغ)، نزول کے اعتبار سے بعد میں نازل ہوئیں لیکن مصحف میں آیت 3 (آیتِ اکمالِ دین) سے پہلے یا بعد میں رکھی گئیں۔ یہی فرق ترتیبِ نزولی اور ترتیبِ مصحفی کے درمیان پایا جاتا ہے۔

خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور میں قرآنِ مجید کو ایک متحدہ اور سرکاری مصحف کی صورت میں جمع کیا گیا، جس میں تمام متواتر اور صحیح قراءات کو محفوظ رکھا گیا۔ بعد ازاں اموی دور میں، تعلیمی اور قراءتی سہولت کے لیے قرآن کو تیس (30) پاروں میں تقسیم کیا گیا، جس سے قرآن کی اصل ترتیب یا متن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، بلکہ صرف مطالعہ اور حفظ میں آسانی پیدا ہوئی۔

عقیدۂ تحفظِ قرآن (اجماعی مؤقف)

یہ بات اہلِ سنت اور اہلِ تشیع دونوں کے ہاں عقیدے کا حصہ ہے کہ:

- قرآنِ مجید میں نہ کبھی تحریف ہوئی ہے
- نہ ہو سکتی ہے
- نہ کسی آیت کے الفاظ یا معانی بدلے جا سکتے ہیں

اگرچہ قرآن کی ترتیب نزولی نہیں، لیکن قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی ترتیب میں محفوظ ہے جسے اللہ نے خود پسند فرمایا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> (إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ)
>
> سورۃ الحجر: 15:9

ترجمہ

بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

مصحح و منقح علمی متن

پس نہ اس میں کوئی زیادتی ہو سکتی ہے، نہ کمی اور نہ تحریف۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محفوظ کتاب ہے۔ اللہ اکبر۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک نہایت اہم اور خاص حکم کے پہنچانے کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا تھا۔ اسی حکمِ الٰہی کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر قافلے کو روکنے کا حکم فرمایا اور ایک بلند جگہ پر منبر یا اجتماع کے لیے انتظام کیا گیا، تاکہ یہ پیغام تمام حاضرین تک پہنچایا جا سکے۔

اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کا اعلان فرمایا۔ یہ اعلان ایک ایسا تاریخی اور حدیثی واقعہ ہے جسے نہ صرف اہلِ تشیع نے، بلکہ متعدد معتبر اہلِ سنت محدثین، مؤرخین اور مفسرین نے بھی روایت کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> من كنت مولاه فهذا علي مولاه

جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے

یہ حدیث سنن ترمذی (حدیث 3713)، صحیح مسلم (حدیث 2408)، مسند احمد بن حنبل (جلد 5، ص 366) اور المستدرک للحاکم (جلد 3، ص 109) میں منقول ہے، جہاں امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی:

> اللهم والِ من والاه، وعادِ من عاداه، وانصر من نصره، واخذل من خذله

یہ دعا بھی انہی معتبر مصادر میں روایت ہوئی ہے۔

حدیثِ غدیر کو روایت کرنے والے اہلِ سنت محدثین میں امام طبرانی (المعجم الکبیر)، امام نسائی (خصائص علی)، امام ابو یعلی، امام ابن حجر عسقلانی (الاصابہ، فتح الباری)، امام سیوطی (الدر المنثور، جلد 2، ص 259)، امام ابن عبد البر (الاستیعاب)، امام بیہقی (السنن الکبری)، علامہ ابن اثیر (الکامل فی التاریخ) اور امام ذہبی (تلخیص المستدرک) جیسے اکابر شامل ہیں۔

اسی طرح متعدد مفسرین، جن میں امام نسفی (مدارک التنزیل)، امام فخر الدین رازی (تفسیر کبیر) اور امام ابن جریر طبری (تاریخ و تفسیر) شامل ہیں، سورۃ المائدہ کی آیت:

> (إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا)
>
> المائدہ: 5:55

کو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے حق میں نازل شدہ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ متعدد روایات میں منقول ہے۔

خطبۂ غدیر پر سب سے جامع اور مفصل تحقیق علامہ عبد الحسین امینی کی شہرۂ آفاق تصنیف الغدير (جلد اوّل) میں موجود ہے، جس میں ایک سو دس سے زائد اہلِ سنت مصادر سے حدیثِ غدیر کی اسناد، رواۃ اور متون کو جمع کیا گیا ہے۔

اہلِ تشیع کے مصادر میں بھی، جیسے الکافی (کلینی)، الاحتجاج (طبرسی)، عیون اخبار الرضا (شیخ صدوق)، مناقب آل ابی طالب (ابن شہر آشوب) اور بحار الانوار (علامہ مجلسی)، حدیثِ غدیر کو مختلف تفصیلات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں، صحیح مسلم، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حدیثِ ثقلین (قرآن اور اہلِ بیت سے وابستگی کی تاکید) بھی اسی خطبے کے ضمن میں منقول ہے۔

یہ تمام حدیثی، تاریخی اور تفسیری شواہد اس حقیقت کو مستحکم کرتے ہیں کہ واقعۂ غدیر خم نہ صرف ثابت شدہ، معتبر اور متواتر ہے، بلکہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کے اعلان اور امت کے لیے دینی رہنمائی کی ایک بنیادی اساس بھی ہے، جسے رسول اللہ ﷺ کے ایک اہم ارشاد اور ہدایت کے طور پر محفوظ رکھا گیا ہے۔

حدیثِ ثقلین — اسی تسلسل کا دوسرا ستون

اسی خطبے میں (اور دیگر مواقع پر بھی) رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

> میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں: ایک اللّٰہ کی کتاب اور دوسری میرے اہلِ بیت۔ اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں حوضِ کوثر پر مجھ سے آ کر ملیں گے

یہاں تین باتیں غیر معمولی طور پر واضح ہیں:

- اوّل: قرآن اور اہلِ بیت کو الگ نہیں کیا گیا
- دوم: ہدایت کی ضمانت دونوں سے مشروط کی گئی
- سوم: قیامت تک ان کی ہمراہی کا اعلان کیا گیا

یہ حدیث اہلِ بیتؑ کو محض محترم خاندان نہیں بلکہ دینی اتھارٹی ثابت کرتی ہے۔

حوالہ جات

- مسند احمد بن حنبل
- صحیح مسلم
- سنن ترمذی
- المستدرک للحاکم النیشاپوری
- تاریخ طبری
- الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)
- تفسیرِ طبری
- تفسیرِ فخر الدین رازی
- خصائص النسائی
- الغدیر (علامہ عبدالحسین امینی)

آیتِ تطہیر اور حدیثِ کساء — اہلِ بیتؑ کی الٰہی تعیین اور عصمت

آیتِ تطہیر قرآنِ مجید کی وہ صریح آیت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیتؑ کو خصوصی طہارت اور روحانی مقام عطا کیا۔ یہ آیت رسولِ اکرم ﷺ کے گھر میں ایک مخصوص موقع پر نازل ہوئی، جس کا پس منظر حدیثِ کساء کے ذریعے تفصیل سے محفوظ ہے۔ روایت کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو ایک چادر (کساء) میں جمع فرمایا اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کی:

> اے اللّٰہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، تو ان سے ہر رجس کو دور رکھ اور انہیں مکمل طور پر پاک فرما۔

اسی دعا کے ساتھ آیت نازل ہوئی جس میں اہلِ بیتؑ کی طہارت کا اعلان کیا گیا۔

قرآنی آیت کے الفاظ میں اہلِ بیتؑ کے لیے جو اسلوب اختیار کیا گیا، وہ عام نہیں بلکہ خصوصی ہے۔ عربی قواعد کے مطابق ضمیروں کا مذکر کی طرف منتقل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خطاب ازواجِ رسولؐ سے ہٹ کر ایک خاص جماعت کی طرف ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کے بڑے مفسرین اور محدثین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آیتِ تطہیر کا مصداق وہی ہستیاں ہیں جنھیں رسولِ اکرم ﷺ نے چادر میں جمع فرمایا۔ اس واقعے نے اہلِ بیتؑ کی شناخت کو قطعی طور پر متعین کر دیا اور ان کے دینی مقام کو قرآن کے ذریعے محفوظ کر دیا۔

آیتِ تطہیر اور حدیثِ کساء کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ بیتؑ محض رسول ﷺ کے قریبی رشتہ دار نہیں بلکہ وہ ہستیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت، صحیح فہم اور اخلاقی معیار کے لیے منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ ثقلین میں قرآن کے ساتھ اہلِ بیتؑ کو جوڑا گیا، کیونکہ جنھیں اللہ نے ہر رجس سے پاک قرار دیا ہو، وہی قرآن کی صحیح تشریح اور عملی تطبیق کے سب سے زیادہ اہل ہوتے ہیں۔ اس طرح آیتِ تطہیر اور حدیثِ کساء مل کر اہلِ بیتؑ کی عصمت، اتھارٹی اور رہنمائی کو ایک مضبوط قرآنی و نبوی بنیاد فراہم کرتی

ہیں۔

حوالہ جات

- آیتِ تطہیر — سورۃ الاحزاب، آیت 33
- صحیح مسلم
- مسند احمد بن حنبل
- سنن ترمذی
- تفسیر طبری
- تفسیر فخر الدین رازی
- خصائص النسائی

واقعۂ مباہلہ — پنجتنِ پاکؑ کی صداقت اور مقامِ الٰہی

واقعۂ مباہلہ سن دس ہجری میں پیش آیا، جب نجران (یمن) سے تعلق رکھنے والا ایک عیسائی وفد مدینہ منورہ آیا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ سے مناظرہ کرے۔ طویل مکالمے کے باوجود جب وہ حق قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں مباہلہ کا حکم نازل ہوا۔ مباہلہ عربی روایت میں اس فیصلے کو کہا جاتا ہے جس میں دونوں فریق اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ یہ مرحلہ انتہائی سنگین اور فیصلہ کن ہوتا ہے، کیونکہ اس میں اپنی جان، خاندان اور حقانیت کو براہِ راست اللہ کے فیصلے کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید میں مباہلہ کا حکم ان الفاظ میں آیا کہ رسول ﷺ اپنے بیٹوں، عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر میدان میں آئیں۔ تاریخ متفق ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے ساتھ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کو بطور ابناء، سیدہ فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا کو بطور نساء اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو بطور انفسنا لے کر تشریف لائے۔ یہاں قرآن کی زبان میں حضرت علیؑ کو رسول ﷺ کی جان کے برابر قرار دیا جانا ایک ایسا مقام ہے جو کسی اور صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ یہ انتخاب خود اس بات کی دلیل تھا کہ اہلِ بیتؑ ہی دین کی صداقت کے حقیقی نمائندہ ہیں۔

جب نجران کے عیسائیوں نے رسول ﷺ کو صرف انہی پاک ہستیوں کے ساتھ مباہلہ کے لیے آتے دیکھا تو وہ خوف زدہ ہو گئے۔ ان کے سرداروں نے باہم مشورہ کر کے کہا کہ اگر یہ لوگ نبی نہ ہوتے تو اپنے عزیز ترین افراد کو اس خطرناک دعا کے لیے کبھی نہ لاتے۔ چنانچہ انھوں نے مباہلہ سے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا اور جزیہ پر صلح کر لی۔ اس طرح مباہلہ عملی طور پر واقع نہیں ہوا، مگر اہلِ بیتؑ کی صداقت، پاکیزگی اور اللہ کے نزدیک مقام پوری دنیا پر واضح ہو گیا۔

واقعۂ مباہلہ کی اہمیت اس لیے بھی غیر معمولی ہے کہ یہ واحد قرآنی واقعہ ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی حقانیت کے اثبات کے لیے پوری امت میں سے صرف پنجتنِ پاکؑ کو منتخب فرمایا۔ اگر اہلِ بیتؑ میں کسی قسم کی فکری، اخلاقی یا دینی کمزوری ہوتی تو انھیں اس انتہائی نازک موقع پر ہرگز شامل نہ کیا جاتا۔ اسی بنا پر اہلِ سنت و شیعہ مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ مباہلہ اہلِ بیتؑ کی افضلیت، طہارت اور دینی نمائندگی کی قطعی قرآنی دلیل ہے۔

حوالہ جات

- صحیح مسلم
- تفسیر طبری
- تفسیر فخر الدین رازی
- اسباب النزول واحدی
- سیر اعلام النبلاء ذہبی
- المستدرک للحاکم النیشاپوری

اہلِ بیتؑ کی دشمنی اور اعمال کی عدمِ قبولیت — مستند مفہوم کے ساتھ

رسولِ اکرم ﷺ سے متعدد معتبر روایات میں یہ بات منقول ہے کہ اہلِ بیتؑ سے بغض اور دشمنی انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتی ہے، خواہ وہ ظاہری طور پر کتنی ہی بڑی عبادت کیوں نہ کرتا ہو۔ اس مفہوم کی ایک مشہور روایت میں نبی کریم ﷺ نے مثال کے طور پر حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان عبادت کا ذکر فرمایا، جو عبادت کے سب سے مقدس مقامات میں شمار ہوتے ہیں۔

روایت کا مستند مفہوم یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

> اگر کوئی شخص حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر پوری زندگی نماز پڑھے، روزے رکھے اور عبادت کرتا رہے، لیکن اس کے دل میں میرے اہلِ بیت سے بغض ہو، تو وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔

یہاں رسول ﷺ نے عبادت کی نفی نہیں کی بلکہ قبولیت کی نفی کی ہے۔ یعنی ظاہری اعمال اس وقت تک بارگاہِ الٰہی میں وزن نہیں رکھتے جب تک دل اہلِ بیتؑ کی ولایت اور محبت سے خالی یا اس کا منکر ہو۔ یہی اصول قرآن کی اس تعلیم سے ہم آہنگ ہے کہ ایمان، نیت اور ولایت کے بغیر اعمال بے جان ہوتے ہیں۔

یہ مضمون کئی طرق سے نقل ہوا ہے، بعض روایات میں حضرت علیؑ کی دشمنی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا اور بعض میں اہلِ بیتؑ سے بغض کو ہلاکت کا سبب بتایا گیا ہے۔ محدثین کے نزدیک ان روایات کا مجموعی مفہوم قطعی ہے، چاہے الفاظ مختلف ہوں۔

آیتِ مودّت — اہلِ بیتؑ کی محبت کو اجرِ رسالت قرار دینا

یہ وہ واحد قرآنی دلیل ہے جس میں اہلِ بیتؑ کی محبت کو براہِ راست فرض اور دین کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ سے فرمایا کہ آپ امت سے اپنی رسالت کا کوئی اجر طلب نہ کریں، سوائے اس کے کہ وہ آپ کے قریبی اہلِ بیتؑ سے محبت کریں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

> کہہ دیجئے: میں تم سے اس (رسالت) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، سوائے قرابت داروں کی محبت کے

سورۃ الشوریٰ، آیت 23

اہلِ سنت کے بڑے مفسرین جیسے ابن عباس، طبری، زمخشری اور فخر الدین رازی سب نے نقل کیا ہے کہ جب صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ قرابت دار کون ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> علی، فاطمہ، حسن اور حسین۔

یہ آیت اس لیے غیر معمولی ہے کہ:

- محبت کو ثواب نہیں بلکہ اجرِ رسالت کہا گیا
- اجر مانگنا نبی کے منصب کے خلاف سمجھا جاتا تھا، مگر یہاں اللہ نے خود حکم دیا
- اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ بیتؑ کی محبت اختیاری نہیں بلکہ دینی تقاضا ہے۔

حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام

امامِ صبر، امامِ صلح، سیدُ شبابِ اہلِ جنّت

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کے دوسرے امام، نبیِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بڑے نواسے، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور سیدہ فاطمہ الزہرا سلامُ اللہ علیہا کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کا نسب ہر اعتبار سے شرف و طہارت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، کیونکہ آپ براہِ راست بیتِ نبوت، معدنِ وحی اور مرکزِ عصمت سے تعلق رکھتے ہیں۔

ولادت باسعادت

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت پندرہ رمضان المبارک، سنِ تین ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو رسولِ خدا ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لائے، آپ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، ساتویں دن عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوائے اور ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی۔

نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام حسن رکھا، جو اس سے پہلے عرب میں رائج نہ تھا۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کیا گیا۔

بچپن اور تربیت

امام حسن علیہ السلام نے اپنی آنکھیں رسولِ اکرم ﷺ کی آغوش میں کھولیں۔ نبی ﷺ آپ سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے:

> اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ

اے اللہ! میں حسن سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما

اور مشہور حدیث ہے:

> حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ

آپ رسولِ خدا ﷺ کے اخلاق، حلم، عبادت اور شفقت کا مکمل عکس تھے۔

امامت کا آغاز

سنِ چالیس ہجری میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد، اہلِ کوفہ، مدینہ، حجاز، یمن اور ایران کے مؤمنین نے متفقہ طور پر حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیعت کی۔ اس طرح آپ ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے امت کے امام قرار پائے۔

سیاسی حالات اور صلحِ امام حسنؑ

امام حسن علیہ السلام کا دورِ امامت نہایت پُرآشوب تھا۔ ایک طرف بنو امیہ کی منظم سازشیں تھیں، دوسری طرف کوفہ کے لشکر کی بے وفائیاں، دنیا پرستی اور نفاق تھا۔ امام حسن علیہ السلام پر بارہا قاتلانہ حملے ہوئے، حتیٰ کہ آپ کو نماز کے دوران زخمی بھی کیا گیا۔

ان حالات میں امام حسن علیہ السلام نے سنِ اکتالیس ہجری میں امتِ مسلمہ کے خون کو بچانے، دینِ اسلام کے بقاء اور اصل چہرۂ باطل کو بے نقاب کرنے کے لیے صلح کو اختیار فرمایا۔ یہ صلح اعلیٰ ترین حکمت، بصیرت اور قربانی تھی۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

> میں نے صلح اس لیے کی تاکہ محمد ﷺ کی امت محفوظ رہے

یہی صلح بعد میں واقعۂ کربلا کی فکری بنیاد بنی۔

عبادت و اخلاق

امام حسن علیہ السلام عبادت میں بے مثال تھے۔ آپ نے پچیس مرتبہ پیدل حج ادا فرمایا۔ آپ کی سخاوت ضرب المثل تھی، کئی مرتبہ اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیا۔ آپ دشمنوں کے ساتھ بھی حلم اور درگزر کا سلوک فرماتے تھے۔

ازواج

تاریخی مصادر میں امام حسن علیہ السلام کی متعدد ازواج کا ذکر ملتا ہے۔ مشہور اور مستند نام درج ذیل ہیں:

- حضرت خَولہ بنتِ منظور رضی اللہ عنہا
- حضرت اُمِّ بشیر بنت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہا
- حضرت اُمِّ اسحاق بنت طلحہ رضی اللہ عنہا
- جعدہ بنتِ اشعث بن قیس جن کے بارے میں معتبر تاریخی مصادر میں آیا ہے کہ انھوں نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر دیا

اولادِ امام حسن علیہ السلام

امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں کئی فرزند شامل تھے، جن میں نمایاں یہ ہیں:

- حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ — واقعۂ کربلا میں زخمی ہوئے، بعد میں زندہ رہے
- حضرت قاسم رضی اللہ عنہ — شہیدِ کربلا، نوجوانی میں عظیم قربانی
- حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ — کربلا میں شہادت
- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ — شہیدِ کربلا
- حضرت زید رضی اللہ عنہ
- حضرت عمرو رضی اللہ عنہ

متعدد صاحبزادیاں جن میں حضرت فاطمہ بنت حسن مشہور ہیں۔

شہادت

بنو امیہ کے اشارے پر جعدہ بنت اشعث کے ذریعے امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا گیا۔ کئی دن شدید تکلیف میں رہنے کے بعد، حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اٹھائیس صفر، سنِ پچاس ہجری کو مدینہ منورہ میں شہید ہو گئے۔

تدفین

آپ کی وصیت تھی کہ اگر ممکن ہو تو رسولِ خدا ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے، مگر بنی امیہ کی مخالفت اور تیر اندازی کے باعث ایسا نہ ہو سکا۔ آخرکار آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

نتیجہ

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام صبر، حلم، قربانی اور حکمتِ الٰہی کا مجسم نمونہ ہیں۔ آپ کی صلح نے دین کو محفوظ کیا اور آپ کی مظلومانہ شہادت نے اہلِ بیتؑ کی تاریخ کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔

حضرت زینب بنت علی سلامُ اللہ علیہا

سیدۂ کربلا، شریکۃُ الحسین، عقیلۂ بنی ہاشم

حضرت زینب بنتِ علی سلامُ اللہ علیہا، جنھیں تاریخِ اسلام میں حضرت زینبِ کبریٰ، سیدۂ کربلا، شریکۃُ الحسین، عقیلۂ بنی ہاشم اور عالمۃٌ غیرِ معلّمۃ جیسے جلیل القدر القابات سے یاد کیا جاتا ہے، خاندانِ نبوت کی وہ عظیم المرتبت خاتون ہیں جنھوں نے دینِ محمدی ﷺ کی بقا میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ آپ، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا سلامُ اللہ علیہا کی دخترِ نیک اختر اور نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نواسی تھیں۔

ولادت و نام گزاری

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کی ولادت پانچ شعبان المعظم، سنِ پانچ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ روایت ہے کہ جب یہ بچی رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں لائی گئی تو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کا نام زینب رکھا، جس کے معنی ہیں:

> زینِ اب

یعنی باپ کی زینت

یہ نام مستقبل میں اپنی معنوی حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوا، جب حضرت زینبؑ نے حضرت علیؑ کے علمی، اخلاقی اور روحانی ورثے کی کامل نمائندگی کی۔

تربیت و علمی مقام

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کی تربیت براہِ راست نبی اکرم ﷺ، سیدہ فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ کی آغوشِ علم و عصمت میں ہوئی۔

آپ نے:

- علمِ قرآن
- فہمِ شریعت
- صبرِ فاطمی
- شجاعتِ علوی
- فصاحت و بلاغت
- حیا و عفت
- توکل و رضا

جیسی صفات بچپن ہی سے حاصل کیں۔

ائمۂ اہلِ بیتؑ سے منقول ہے کہ حضرت زینبؑ عالِمۃٌ غیرُ معلّمۃ تھیں، یعنی وہ ایسی عالمہ تھیں جنھیں ظاہری طور پر کسی نے تعلیم نہ دی، بلکہ علمِ الٰہی آپ کے قلب میں ودیعت تھا۔

القابات

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کے مشہور القابات درج ذیل ہیں:

- زینبِ کبریٰ
- سیدۂ کربلا
- شریکۃُ الحسین
- عقیلۂ بنی ہاشم
- امّ المصائب
- عالمۃٌ غیرُ معلّمۃ

- نائبۃُ الحسین
- خطیبۂ اسلام
- بنتُ الولایہ
- وارثۂ فصاحتِ علوی
- ترجمانِ کربلا
- پاسبانِ حرمِ رسالت
- علمدارِ صبر و استقامت

یہ تمام القابات آپ کی حیات کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔

ازدواجی زندگی

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کا نکاح حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار علیہ الرحمہ سے ہوا، جو:

- حضرت جعفر بن ابی طالب علیہ السلام (جعفرِ طیار) کے فرزند
- نبی اکرم ﷺ کے چچا زاد
- سخاوت، شرافت اور تقویٰ میں مشہور تھے۔

حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ نے ہمیشہ حضرت زینبؑ کے اہلِ بیتؑ سے قلبی تعلق اور امام حسینؑ سے وفاداری کی حمایت کی، حتیٰ کہ کربلا کے سفر میں اپنی زوجہ کو جانے کی اجازت دی۔

اولاد

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کے بطن سے مشہور اولاد یہ ہے:

- حضرت عونؑ بن عبد اللہؓ
- حضرت محمدؑ بن عبد اللہؓ

یہ دونوں فرزند واقعۂ کربلا میں اپنے ماموں حضرت امام حسین علیہ السلام پر قربان ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت زینبؑ نے اپنے بیٹوں کی شہادت پر صبر و رضا کی ایسی مثال قائم کی جو قیامت تک مظلوموں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

واقعۂ کربلا میں کردار

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کا کردارِ کربلا محض ایک غم زدہ بہن کا نہیں بلکہ امام حسینؑ کے مشن کی امین کا تھا۔

عاشورا کے بعد آپ نے:

- خیموں کی حفاظت کی
- بیمار امام زین العابدینؑ کی جان بچائی
- اہلِ حرم کی قیادت سنبھالی
- شہداء کے پیغام کو دنیا تک پہنچایا

یہ کہنا بجا ہے کہ کربلا امام حسینؑ نے زندہ کی اور کربلا کو حضرت زینبؑ نے باقی رکھا۔

خطبۂ کوفہ

کوفہ میں حضرت زینبؑ نے ایسا خطبہ دیا جس میں:

- اہلِ کوفہ کی بے وفائی کو بے نقاب کیا
- قرآن کی آیات سے استدلال کیا
- ضمیرِ مردہ کو جھنجھوڑ دیا

راوی کہتے ہیں کہ یہ خطبہ حضرت علیؑ کے خطبات کی یاد دلا رہا تھا۔

دربارِ یزید میں خطبہ

شام میں یزید کے دربار میں حضرت زینبؑ نے حق گوئی، شجاعت اور توحید پر مبنی ایسا خطبہ دیا جو تاریخِ اسلام کا سنگِ میل ہے۔ آپ نے فرمایا (مفہوم):

> اے یزید! تو سمجھتا ہے کہ ہم ذلیل ہو گئے؟ قسم بخدا! تو نہ ہمارا ذکر مٹا سکتا ہے اور نہ وحی کا چراغ بجھا سکتا ہے۔

یہ خطبہ یزید کی ظاہری فتح کو اخلاقی شکست میں بدل گیا۔

وفات

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کی وفات کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے، تاہم مشہور اقوال کے مطابق آپ کی وفات پندرہ رجب، سن باسٹھ ہجری کے قریب ہوئی۔

مزار

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کے مزار کے بارے میں تین مقامات منقول ہیں:

- دمشق (سیدہ زینبؑ کا مشہور روضہ)
- مدینہ منورہ
- مصر

اکثر مؤرخین اور اہلِ تشیع کے نزدیک دمشق والا مزار زیادہ مشہور و معروف ہے۔

حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا صرف ایک تاریخی شخصیت نہیں بلکہ:

- صبر کی عملی تفسیر
- حق گوئی کی زندہ مثال
- مظلوم کی آواز

ہیں۔ اگر امام حسینؑ نے کربلا میں خون دیا، تو حضرت زینبؑ نے کربلا کو زبان دی۔

حوالہ جات

- لُہوف، سید ابن طاؤس
- بحارالانوار، جلد پینتالیس
- کشف الغمہ
- تاریخِ طبری
- بلاذری

حضرت ام کلثوم بنت علی سلامُ اللہ علیہا

دخترِ مرتضیٰ، پروردۂ زہرا، ہم سفرِ کربلا

حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ علی سلامُ اللہ علیہا، خاندانِ رسالت اور اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی جلیل القدر خاتون تھیں۔ آپ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور سیدۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا سلامُ اللہ علیہا کی دختر اور حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہما السلام کی حقیقی بہن تھیں۔ آپ کا شمار اُن مقدس خواتین میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی حیاتِ طیبہ میں حیا، وقار، صبر، عبادت اور وفاداری کی عملی مثالیں قائم کیں۔

ولادت و نسب

حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کا تعلق براہِ راست اُس گھرانے سے تھا جس کے بارے میں قرآنِ مجید میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔ آپ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نواسی اور اہلِ بیتِ نبویؐ کے اس مقدس سلسلے کی کڑی تھیں جو ہدایت، تقویٰ اور حق کی علامت ہے۔

نام اور کنیت

آپ کا مشہور نام اُمِّ کلثوم ہے۔ بعض تاریخی مصادر میں آپ کا اصل نام زینبِ صغریٰ بھی ذکر ہوا ہے، تاہم شہرت اُمِّ کلثوم ہی سے رہی۔

اُمِّ کلثوم عربی میں باوقار، متانت اور جمال کی علامت سمجھا جاتا ہے، جو آپ کی شخصیت پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

تربیت و شخصیت

حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا نے اپنی پرورش:

- نبی اکرم ﷺ کے فیضان
- سیدہ فاطمہ زہراؑ کی عصمت و طہارت
- حضرت علیؑ کی حکمت و شجاعت

کے سائے میں پائی۔

آپ کی شخصیت میں نمایاں صفات یہ تھیں:

- حیا و عفت
- صبر و استقامت
- وقار و متانت
- عبادت و تقویٰ
- اہلِ بیتؑ سے کامل وفاداری

آپ کم گو مگر باأثر تھیں اور ضرورت کے وقت حق کے اظہار سے کبھی پیچھے نہ ہٹیں۔

ازدواجی زندگی

حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا کے نکاح کے بارے میں تاریخی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم اہلِ بیتؑ کے محققین اور شیعہ مصادر اس روایت کو سند اور متن کے اعتبار سے قابلِ اعتماد نہیں مانتے۔

معتبر اہلِ بیتؑ کی تاریخ میں اس موضوع پر احتیاط برتی جاتی ہے اور قطعی بات کہنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

اولاد

حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا کے حوالے سے اولاد کا کوئی قطعی اور متفقہ ذکر معتبر مصادر میں نہیں ملتا۔ اسی بنا پر اکثر مورخین نے اس باب میں سکوت اختیار کیا ہے۔

واقعۂ کربلا میں شرکت

حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا واقعۂ کربلا میں اپنی بہن حضرت زینب کبریٰ سلامُ اللہ علیہا کے ہمراہ موجود تھیں۔

آپ نے:

- اہلِ حرم کے ساتھ کربلا کا سفر کیا
- عاشورا کے بعد اسیرانِ اہلِ بیتؑ کے قافلے میں شامل رہیں
- خواتین اور بچوں کی دلجوئی و حفاظت میں کردار ادا کیا

یہی نہیں بلکہ آپ نے بھی ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔

خطباتِ کوفہ و شام

کربلا کے بعد جب اہلِ بیتؑ کو کوفہ اور پھر شام لے جایا گیا تو حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا نے بھی:

- کوفہ میں اہلِ شہر کو ان کی بے وفائی پر متنبہ کیا
- اہلِ بیتؑ کی مظلومیت کو مؤثر انداز میں بیان کیا
- یزیدی ظلم کو بے نقاب کیا

آپ کا اندازِ خطاب درد، وقار اور حقانیت سے لبریز تھا، جو سامعین کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑتا تھا۔

وفات

حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا کی وفات کے بارے میں بھی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی، جبکہ دیگر اقوال میں مختلف مقامات کا ذکر ملتا ہے۔

تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ نے اپنی زندگی صبر، خاموش خدمت اور اہلِ بیتؑ کی حمایت میں بسر کی۔

مقام و مرتبہ

حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا:

- اہلِ بیتؑ کی مظلومیت کی گواہ
- کربلا کے پیغام کی امین
- حیا و وقار کی مجسم تصویر
- خواتینِ اسلام کے لیے صبر کی مثال

ہیں۔

اگر حضرت زینب سلامُ اللہ علیہا کربلا کی خطیبۂ اعظم ہیں، تو حضرت اُمِّ کلثوم سلامُ اللہ علیہا خاموش مگر مضبوط آوازِ حق ہیں۔

حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ علی سلامُ اللہ علیہا کی زندگی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ:

- ہر خدمت بلند آواز سے نہیں ہوتی

- ہر کردار تاریخ کے سرورق پر نہیں لکھا جاتا
- مگر اہلِ حق کی ہر قربانی خدا کے ہاں محفوظ ہوتی ہے

حوالہ جات

- بحارالانوار
- بلاذری
- تاریخِ طبری
- مقتل الحسین، ابومخنف
- کشف الغمہ

امام حسین بن علی علیہما السلام

سیدُ شبابِ اہلِ جنّت، امامِ قربانی، امامِ حریت، سیدُالشہداء، مصباحُ الہدیٰ و سفینۃُ النجاۃ

حضرت امام حسین علیہ السلام، سبطِ اصغرِ رسول اکرم ﷺ، جگرگوشۂ سیدہ فاطمہ زہرا سلامُ اللہ علیہا اور امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کے فرزند، اہل بیت اطہارؑ کے تیسرے امام اور نواسۂ رسول ﷺ ہیں۔ آپ کو سید الشہداء، ثار اللہ اور امامِ مظلوم جیسے عظیم القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی ذات، توحید، شجاعت، صبر، قربانی اور امامت کا مجسم نمونہ ہے، جنھوں نے ظلم و باطل کے خلاف قیامت تک کے لیے ایک الٰہی معیار قائم کر دیا۔

تاریخ کے مطابق جب یزید نے امام حسین علیہ السلام سے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو اس موقع پر امام نے وہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا:

> مجھ جیسا یزید جیسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔

یہ الفاظ کسی ذاتی انا یا وقتی اختلاف کا اظہار نہیں تھے بلکہ حق اور باطل کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچنے کا اعلان تھے۔ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت اس لیے رد کی کہ وہ اسے دینِ اسلام کی روح، عدلِ الٰہی اور رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کے منافی سمجھتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسی اصولی موقف کی وجہ سے آپ نے مدینہ چھوڑا تاکہ حرمِ رسول ﷺ کی حرمت پامال نہ ہو، پھر مکہ مکرمہ میں بھی قیام اس وقت ترک کیا جب وہاں خونریزی کا خطرہ پیدا ہوا۔ کربلا میں پہنچ کر بھی امام حسینؑ نے آخری لمحے تک دلیل، نصیحت اور حق کی دعوت کو ترک نہ کیا، تاکہ دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ ان کی قربانی اقتدار کے لیے نہیں بلکہ دین کی بقا اور امت کے ضمیر کو زندہ رکھنے کے لیے تھی۔

تاریخی تسلسل

تاریخی تسلسل کو دیکھا جائے تو بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان کشمکش محض کربلا سے شروع نہیں ہوتی بلکہ اس کی جڑیں بعثتِ نبویؐ سے بھی پہلے کے قریشی معاشرتی و قبائلی تنازعات میں پیوست ہیں۔ روایات کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ کے جدِّ امجد حضرت عبد المطلبؑ کو بنو امیہ کے بعض اکابر، خصوصاً امیہ بن عبد شمس کی نسل سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے ایذا اور مخالفت کا سامنا رہا، جس سے یہ عداوت ایک قبائلی حسد اور اقتدار کی کشمکش کی صورت اختیار کر گئی۔ بعثت کے بعد یہی دشمنی کھل کر سامنے آئی اور بدر کے میدان میں بنو امیہ کے بڑے سرداروں کی شکست نے اس آگ کو مزید بھڑکا دیا، کیونکہ وہاں صرف عسکری شکست نہیں ہوئی بلکہ اخلاقی و نظریاتی برتری بھی بنو ہاشم کے حصے میں آئی۔ تاریخ دانوں کے مطابق بدر میں مارے جانے والے اموی سرداروں کا بدلہ لینے کا جذبہ دلوں میں دبا رہا، جو احد، احزاب اور بعد ازاں سیاسی شکل اختیار کرتا ہوا خلافتِ امویہ تک جا پہنچا۔ کربلا میں امام حسینؑ کا قتل اسی دبی ہوئی آگ کا ظاہری اور انتہائی اظہار تھا، جہاں بدر کی شکست کا انتقام رسولِ ﷺ کے نواسے سے لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مورخین کے نزدیک کربلا کوئی اچانک واقعہ نہیں بلکہ ایک طویل تاریخی عداوت کا منطقی انجام تھا اور اسی پس منظر میں یہ بات بھی سمجھی جاتی ہے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان نظریاتی و اخلاقی خلیج تاریخ میں کبھی پُر نہ ہو سکی، جس کے اثرات مختلف صورتوں میں آج تک محسوس کیے جاتے ہیں۔

> بدر کی آگ تھی جو کربلا تک پہنچی

القابات و کنایات

حضرت امام حسین علیہ السلام کے مشہور و معتبر القابات میں:

- سید الشہداء
- سبطِ رسول
- ریحانۃُ النبی
- ثارُ اللہ
- وترُ الموتور
- امامِ مظلوم
- قتیلُ العبرات
- سفینۃُ النجاۃ
- مصباحُ الهدیٰ
- وارثِ انبیا
- خامسِ آلِ عبا

شامل ہیں، جو آپ کے روحانی، الٰہی اور تاریخی مقام کی عکاسی کرتے ہیں۔

والدین

- والد: امیر المؤمنین، حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام
- والدہ: سیدہ النساء العالمین، حضرت فاطمہ الزہرا بنتِ رسول ﷺ سلامُ اللہ علیہا

پیدائش

- تاریخِ ولادت: 3 شعبان المعظم، سن 4 ہجری
- مقامِ ولادت: مدینہ منورہ

رسول اکرم ﷺ نے آپ کا نام حسین رکھا، اذان و اقامت دی، عقیقہ کیا اور فرمایا:

> حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں

حوالہ: سنن ترمذی؛ بحار الانوار، ج 43

طفولیت اور رسولِ اکرم ﷺ سے تعلق

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی ابتدائی عمر رسولِ اکرم ﷺ کی آغوشِ رحمت میں گزاری۔ متعدد احادیث میں نبی اکرم ﷺ کا امام حسینؑ کو کندھوں پر بٹھانا، سجدے کو طویل کرنا اور صحابہؓ کے سامنے ان سے محبت کا اظہار کرنا منقول ہے۔ رسول ﷺ نے واضح فرمایا کہ حسینؑ سے محبت درحقیقت مجھ سے محبت ہے اور حسینؑ کی اذیت رسول ﷺ کی اذیت کے مترادف ہے۔

ازواج

شہر بانو سلامُ اللہ علیہا

ایرانی بادشاہ یزدگرد کی بیٹی، جنھیں قیدیوں میں سے امام علی علیہ السلام نے منتخب کیا اور امام حسینؑ سے نکاح کرایا۔ انھی سے امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔

رباب بنت امرؤ القیس کلبی

اہل تقویٰ و علم خاتون، امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں موجود تھیں۔ ان سے حضرت سکینہ سلامُ اللہ علیہا پیدا ہوئیں۔

بعض روایات میں دیگر ازواج کا ذکر بھی ہے، مگر شہر بانو اور رباب سلامُ اللہ علیہما سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ہیں۔

اولاد (ذکور و اناث)

بیٹے

- حضرت علی زین العابدین علیہ السلام — امام چہارم، کربلا میں موجود، مگر بیمار تھے
- علی اکبر علیہ السلام — جوان، خوبصورت، باادب، میدانِ کربلا میں شہید ہوئے
- عبد اللہ رضیع (علی اصغرؑ) — شیر خوار شہیدِ کربلا، جسے تیر سے شہید کیا گیا

بیٹیاں

- سکینہ بنت الحسین سلامُ اللہ علیہا — عالمہ، مظلومہ، شریکِ کربلا
- فاطمہ بنت الحسین سلامُ اللہ علیہا — بعض روایات میں ان کا ذکر موجود ہے

دورِ امامت

حضرت امام حسین علیہ السلام نے سن پچاس ہجری میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ یہ دور شدید سیاسی جبر، اموی استبداد اور دینی تحریف کا زمانہ تھا۔ امام حسینؑ نے اس عرصے میں خاموش انقلابی حکمتِ عملی اختیار کی، دینی اقدار کی حفاظت کی اور یزید کے اقتدار تک صبر و انتظار سے کام لیا، یہاں تک کہ دین کو کھلے خطرے کا سامنا ہوا۔

اہم واقعات و خدمات

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> حسین منی و انا من حسین

(حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں)

حوالہ: مسند احمد؛ سنن ترمذی

- یزید کی بیعت سے انکار فرمایا، کیونکہ یزید فسق و فجور میں مبتلا تھا۔
- سن 61 ہجری، 2 محرم کو کربلا پہنچے، جہاں 10 محرم (عاشورہ) کو 72 باوفا ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوئے۔
- آپ نے نماز، توحید، غیرت، حریت اور دینِ محمدی ﷺ کی بقا کے لیے جان قربان کی۔

- امام حسینؑ نے فرمایا:

> میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ جینا ذلت!

مدینہ سے کربلا تک کا سفر

امام حسین علیہ السلام نے رجب سن ساٹھ ہجری میں مدینہ چھوڑا، شعبان میں مکہ پہنچے، جہاں چار ماہ قیام فرمایا۔ جب یزید کی جانب سے مکہ میں بھی قتل کا خطرہ پیدا ہوا تو آپ نے آٹھ ذو الحجہ کو احرام توڑ کر مکہ چھوڑا اور کوفہ کے خطوط و حجتِ شرعی مکمل ہونے کے بعد دو محرم سن اکسٹھ ہجری کو کربلا پہنچے۔

حجتِ تمام کرنے کا عمل

امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں قیام کے دوران متعدد مواقع پر دشمن کے لشکر کو خطبات، مکالمات اور نصیحتوں کے ذریعے حق کی دعوت دی۔ آپ نے اپنا نسب، مقصدِ قیام اور یزید کے فسق کو واضح کیا تاکہ قیامت تک کوئی یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ حق و باطل میں ابہام تھا۔

شہادت و مدفن

- تاریخِ شہادت: 10 محرم 61 ہجری (عاشورہ)
- عمر مبارک: تقریباً 57 سال
- مقامِ شہادت: میدانِ کربلا، عراق
- مدفن: کربلا مقدسہ میں روضۂ مبارک (جو آج بھی مرکزِ زیارت ہے)

شہادت کے بعد اثرات

امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے اسلامی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ کربلا کے بعد توّابین، مختار اور دیگر تحریکیں اسی خونِ حسینؑ کی گونج تھیں۔ آپ کی قربانی نے اموی اقتدار کی اخلاقی بنیادیں ہلا دیں اور قیامت تک کے لیے ظلم کے خلاف معیارِ حق قائم کر دیا۔

حوالہ جات

- بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج 44–45
- کشف الغمہ، علی بن عیسی اربلی
- الارشاد، شیخ مفید
- مناقب ابن شہرآشوب
- تاریخ طبری (اہل سنت)
- سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی
- مسند احمد
- سنن ترمذی

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

سجاد، زینُ العابدین، سیدُ الساجدین، عابدِ شب، وارثِ کربلا

پیدائش

آپ کی ولادت 5 شعبان 38 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

والد

امام حسین علیہ السلام

والدہ

حضرت شہر بانو سلام اللہ علیہا، جو ساسانی شہنشاہ یزدگرد سوم کی دختر تھیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، جن کا نام مبارک علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے، اہل بیت علیہم السلام کے چوتھے امام اور حضرت امام حسین علیہ السلام و شہر بانو سلام اللہ علیہا کے فرزند ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور معروف لقب زین العابدین (عبادت گزاروں کی زینت) اور السجاد (کثرتِ سجدہ کرنے والے) ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ معصوم امام، عالِم ربانی اور اہل بیتؑ کے عظیم وارث ہیں، جنھوں نے کربلا کے بعد اسلام کی روح کو دعا، معرفت اور صبر کے ذریعے محفوظ فرمایا۔

القابات و کنایات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے مشہور و معتبر القابات میں:

- زین العابدین
- السجاد
- سید العابدین
- امام البکّاء
- ذو الثفنات
- وارث الحسين
- امام الصابرين
- سجاد آل محمد
- عابدِ شب

شامل ہیں۔

آپ کی کنیت ابو محمد اور بعض روایات میں ابو الحسن بھی منقول ہے۔

عمر اور کربلا کے وقت حالت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی عمر واقعۂ کربلا (61 ہجری) کے وقت تقریباً 23 برس تھی۔ شدید بیماری کی حالت میں ہونے کے باعث آپ میدانِ جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور یہی مرض الٰہی حکمت کے تحت سلسلۂ امامت کے تحفظ کا سبب بنا۔

دورِ امامت

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے 10 محرم 61 ہجری کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً 34 برس پر مشتمل ہے، جو شدید اموی جبر، سیاسی نگرانی اور اہلِ بیتؑ کے خلاف ریاستی تشدد کا زمانہ تھا۔ اس ماحول میں آپ نے خاموش مگر گہری انقلابی حکمتِ عملی اختیار کی اور تلوار کی بجائے دعا، اخلاق، تعلیم اور تزکیۂ نفس کو ذریعہ بنایا۔

اسیری کے دوران کردار

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے کوفہ اور شام میں اسیری کے دوران اہلِ بیتؑ کی امامت اور حقانیت کا دفاع کیا۔ دربارِ یزید میں آپ کا مختصر مگر پُراثر تعارف اور خطابی انداز اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے امامت کو خاموشی میں بھی نمایاں رکھا اور یزیدی بیانیے کو علمی طور پر شکست دی۔

علمی و تربیتی خدمات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا کو محض عبادت نہیں بلکہ عقیدہ، سیاست، اخلاق اور سماجی شعور کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے:

- صحیفہ سجادیہ
- دعائے عرفہ
- دعائے مکارم الاخلاق
- رسالۃ الحقوق

جیسے علمی و فکری خزانے امت کو عطا کیے، جن میں فرد، معاشرہ، حاکم، رعایا اور خدا کے حقوق واضح کیے گئے۔

شاگردان اور اثر

آپ کے مشہور شاگردوں میں:

- سعید بن جبیر
- ابو حمزہ ثمالی
- زہری (ابتدائی دور میں)

شامل ہیں۔ آپ کی تعلیمات نے براہِ راست امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی انقلاب کی بنیاد رکھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے کربلا کے عظیم سانحہ کو نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھا، بلکہ شدید بیماری کی حالت میں اسیر بھی بنے۔ کوفہ و شام کے درباروں میں اہل بیتؑ کی عزت و حرمت کا دفاع کیا، صبر، حلم اور بصیرت کے ساتھ۔ آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ دعاؤں، مناجاتوں اور روحانی تربیت میں گزارا۔ آپ کی دعاؤں کا مجموعہ صحیفہ سجادیہ کہلاتا ہے، جو اسلامی روحانی ادب کا نہایت بلند مقام ہے۔

ازواج

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ازواج کے بارے میں روایات مختلف ہیں، تاہم معتبر مصادر میں درج ذیل نام ملتے ہیں:

- حضرت فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام (امّ عبد اللہ) — امام محمد باقرؑ کی والدہ

بعض کتب میں دیگر ازواج یا امّ ولد کا ذکر ہے، مگر ان کے نام قطعی طور پر متعین نہیں، اس لیے شیعہ محققین احتیاط برتتے ہیں۔

اولاد

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی اولاد میں درج ذیل نام معتبر شیعہ مصادر میں ملتے ہیں:

- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام — پانچویں امام
- امام زید بن علی (زید شہید)
- حسن بن علی
- حسین بن علی
- عبد اللہ بن علی

- فاطمہ بنت علی
- علیہ بنت علی

تاہم سلسلۂ امامت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آگے بڑھا۔

شہادت کا سبب

آپ کی شہادت 25 محرم 95 ہجری کو مدینہ میں ہوا۔ مصادر کے مطابق حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ آپ کی شہادت اہلِ بیتؑ کے خلاف جاری اموی ظلم کا تسلسل تھی۔

مدفن

جنت البقیع، مدینہ منورہ میں آپ کا مزار مبارک واقع ہے، جو دورِ اموی میں تعمیر ہوا، لیکن بعد میں سعودی حکومت کے ابتدائی دور میں شہید کر دیا گیا۔

مجموعی کردار

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ثابت کیا کہ امامت صرف میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ روحوں کی تعمیر میں بھی انقلاب برپا کرتی ہے۔ آپ نے کربلا کے بعد امت کو بکھرنے سے بچایا، اہلِ بیتؑ کی شناخت کو محفوظ رکھا اور آنے والے ائمہؑ کے لیے فکری زمین ہموار کی۔

امام سجاد علیہ السلام نے کسی تلوار، خطبہ یا شورش کے بغیر، عبادت، دعا، علم اور زہد سے امت کو بیدار کیا اور ظلم و فساد کے اندھیروں میں اہل بیتؑ کی روشنی کو زندہ رکھا۔ آپ کی خاموش جدوجہد نے اہل بیت علیہم السلام کے پیغام کو نسل در نسل منتقل کیا۔

حوالہ جات

- الارشاد، شیخ مفید
- بحار الانوار، علامہ مجلسی، جلد 46
- صحیفہ سجادیہ
- کشف الغمہ، علی بن عیسی اربلی
- اعیان الشیعہ، سید محسن امین
- سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی (اہل سنت)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

باقرُالعلوم، شاکرِ آلِ محمد، وارثِ علمِ نبوی، امامِ پنجم اہلِ بیت

پیدائش

آپ کی ولادت یکم رجب 57 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی، کربلا کے واقعہ کے وقت آپ کی عمر تقریباً چار برس تھی اور آپ اس قیامت خیز واقعہ کے عینی شاہد تھے۔

مدفن

جنت البقیع، مدینہ منورہ

والد

حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام

والدہ

حضرت فاطمہ بنت امام حسن علیہ السلام (امام حسنؑ کی بیٹی)

زوجہ

آپ کی زوجہ کا نام ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھا، جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ ان کے خاندان میں حضرت ابوبکر کی بجائے امام باقرؑ کی نسبت غالب تھی اور خود قاسم بن محمد امام سجادؑ کے شاگرد و تابعی تھے۔

اولاد

آپ کی مشہور اولاد میں سب سے بلند مقام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو حاصل ہے، جو اہل بیتؑ کے چھٹے امام اور علمِ فقہ، حدیث اور عقائد کے عظیم معلم بنے۔ ان کے علاوہ آپ کے دیگر فرزندان میں:

- عبد اللہ
- ابراہیم
- عبید اللہ
- علی
- زینب
- ام سلمہ

کے نام بھی بعض روایات میں آتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، اہل بیت علیہم السلام کے پانچویں امام، علم و معرفت کے آفتاب اور امام زین العابدین علیہ السلام و حضرت فاطمہ بنت حسن علیہما السلام کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ آپ کا مکمل نام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ آپ کی کنیت ابو جعفر اور مشہور لقب باقر العلوم ہے، جس کا مطلب ہے:

> علم کو شق کرنے والے

یعنی علم کے باریک راز کھولنے والے۔

اہل تشیع کے مطابق آپ معصوم، منصوص من اللہ امام اور اسلام کے حقیقی معارف کے شارح ہیں۔

القابات و کنایات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے مشہور و معتبر القابات ہیں:

- باقر العلوم
- شاکر
- صابر
- ہادی
- امین

- امام المتقین
- وارثُ علمِ النبی
- قائدُ المدرسۃِ العلمیہ

شامل ہیں۔

آپ کی کنیت ابو جعفر ہے اور اسی نسبت سے آپ کو ابو جعفر الاول بھی کہا جاتا ہے۔

عمر اور کربلا میں موجودگی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام واقعۂ کربلا (61 ہجری) کے وقت تقریباً چار برس کے تھے۔ آپ اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام کے ہمراہ اسیرانِ اہلِ بیتؑ میں شامل رہے اور اسی بنا پر آپ کربلا کے عینی شاہد امام کہلاتے ہیں، جنھوں نے کربلا کو دیکھا بھی اور بعد میں علمی صورت میں محفوظ بھی کیا۔

اس لحاظ سے آپ امام حسن و حسین علیہم السلام دونوں سے تھے۔

دورِ امامت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سن پچانوے ہجری میں اپنے والد امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصب امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً انیس برس پر محیط ہے۔ یہ زمانہ بنو امیہ کے زوال اور عباسی تحریک کی تیاری کا دور تھا، جس میں ریاستی دباؤ وقتی طور پر کم ہوا اور اسی خلا کو امامؑ نے علمی و فکری انقلاب کے لیے استعمال کیا۔

سیاسی موقف

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مسلح قیام کی بجائے علمی مزاحمت کو اختیار فرمایا۔ آپ نے نہ بنو امیہ کی حمایت کی اور نہ عباسی تحریک کا حصہ بنے، بلکہ دونوں سے فاصلہ رکھ کر اہلِ بیتؑ کے خالص مکتب کو محفوظ رکھا، تاکہ امامت کسی سیاسی آلے میں تبدیل نہ ہو۔

علمی انقلاب

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے پہلی مرتبہ اہلِ بیتؑ کے علوم کو منظم تدریسی صورت میں عام کیا۔ آپ نے:

- تفسیرِ قرآن
- فقہ
- اصولِ عقائد
- علمِ حدیث
- اخلاق و عرفان
- امامت
- تاریخِ انبیا

جیسے علوم کو باقاعدہ حلقاتِ درس کے ذریعے پھیلایا۔

آپ کی علمی مجلسوں میں سینکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے، جن میں اہلِ سنت اور اہلِ تشیع دونوں شامل تھے۔ آپ نے دین کی اصل روح کو اموی پروپیگنڈے اور جعلی احادیث سے الگ کر کے محفوظ کیا۔

شاگردان

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے مشہور شاگردوں میں:

- زرارہ بن اعین

- محمد بن مسلم
- برید عجلی
- ابو بصیر
- جابر بن یزید جعفی

شامل ہیں، جنھوں نے بعد میں فقہِ جعفری کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

حدیث و فقہ میں مقام

اہلِ سنت کے بڑے علما اور محدثین بھی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی مقام کے معترف تھے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور دیگر تابعین کے حلقوں میں آپ کی علمی شخصیت معروف تھی۔ متعدد اہلِ سنت مؤرخین نے آپ کو:

> اعلم الناس

یعنی اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم قرار دیا۔

عبادت و اخلاق

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام زہد، عبادت، سخاوت اور حسنِ اخلاق میں بھی بے مثال تھے۔ آپ راتوں کو طویل عبادت فرماتے، غریبوں کی مدد کرتے اور لوگوں کے سوالات نہایت تحمل اور شفقت سے سنتے تھے۔

اہم ارشادات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے چند معروف اقوال:

> علم وہ خزانہ ہے جس کی کنجی سوال ہے۔

> جس شخص کا ظاہر اس کے باطن سے بہتر ہو، وہ نفاق کے قریب ہے۔

> ہمارا شیعہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور اس کی اطاعت کرے۔

شہادت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت 7 ذو الحجہ 114 ہجری کو ہوئی۔ متعدد شیعہ مصادر کے مطابق آپ کو اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے حکم پر زہر دیا گیا۔

مدفن

آپ جنت البقیع، مدینہ منورہ میں اپنے والد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور جد امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہیں۔

مجموعی کردار

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اہلِ بیتؑ کے علوم کو ایک مضبوط فکری و تعلیمی نظام میں تبدیل کیا۔ اگر امام حسینؑ نے خون سے دین بچایا اور امام زین العابدینؑ نے دعا سے روحِ دین کو زندہ رکھا، تو امام باقرؑ نے علم کے ذریعے اسلام کی فکری بنیادوں کو محفوظ کیا۔

آپ کی علمی تحریک نے بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے عظیم علمی انقلاب کی راہ ہموار کی اور اسی تسلسل سے فقہِ جعفری، تفسیر، حدیث اور عرفان کی منظم روایت آگے بڑھی۔

حوالہ جات

- الارشاد، شیخ مفید
- بحار الانوار، علامہ مجلسی، جلد 46
- رجال کشی
- اعیان الشیعہ
- مناقب آل ابی طالب
- سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی
- تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

صادقِ آلِ محمد، امامُ المتقین، معلمِ مکتبِ اہلِ بیت، رئیسُ المدرسۃِ الجعفریہ

حضرت امام جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام، اہل بیت علیہم السلام کے چھٹے امام، علم و فقہ کے درخشندہ چراغ اور امام محمد باقر علیہ السلام و حضرت ام فروہ بنت قاسم بن محمد کی فرزند ارجمند تھے۔ آپ کا لقب الصادق رسول اکرم ﷺ کی طرف سے عطا کردہ ہے، تاکہ لوگ آئندہ جھوٹے مدعیانِ (جعفر تواب یا آپ کے مدِ مقابل کھڑے ہونے والے میں) سے فرق کر سکیں۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ معصوم، برحق امام اور علم و معرفت کے جامع تھے، جنھوں نے اہل بیتؑ کے علمی مکتب کو وسعت اور دوام عطا فرمایا۔

پیدائش

آپ کی ولادت 17 ربیع الاول 83 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

والد

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

والدہ

حضرت ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر، جو امام سجادؑ کے شاگرد اور معروف تابعی قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں۔

کنیت اور نسبی امتیاز

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ اہلِ بیت علیہم السلام کے وہ واحد امام ہیں جن کا نسب حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ دونوں سے جا ملتا ہے، کیونکہ آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت امام حسنؑ تھیں۔ اس طرح آپ حسنی و حسینی دونوں سادات کے جامع امام ہیں، جو آپ کے مقامِ علمی و روحانی کی ایک منفرد جہت ہے۔

دورِ امامت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سن ایک سوچودہ ہجری میں اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً چونتیس برس پر محیط ہے، جو بنو امیہ کے زوال اور بنو عباس کے قیام کا نہایت حساس دور تھا۔ اس سیاسی انتشار نے امامؑ کو اہلِ بیتؑ کے علوم کو منظم اور عام کرنے کا تاریخی موقع فراہم کیا۔

سیاسی موقف

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نہ بنو امیہ کی بیعت قبول کی اور نہ عباسی تحریک کا حصہ بنے، حالانکہ عباسی حکمران اہلِ بیتؑ کے نام پر اقتدار میں آئے تھے۔ امامؑ نے واضح فرمایا کہ امامت الٰہی منصب ہے، سیاسی حکومت نہیں اور اسی غیر لچکدار موقف کے باعث عباسی حکمران خصوصاً منصور دوانیقی آپ سے سخت خائف رہے۔

ازواج

روایات کے مطابق آپ کی متعدد ازواج تھیں، جن میں سب سے معروف حضرت حمیدہ خاتون سلام اللہ علیہا ہیں، جن کا تعلق شمالی افریقہ یا اندلس سے تھا اور وہ علم و تقویٰ میں ممتاز تھیں۔

اولاد

امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں مشہور ترین فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں، جو اہل بیتؑ کے ساتویں امام بنے۔ دیگر اولاد میں:

- اسحاق بن جعفر
- اسماعیل بن جعفر (جن کے بارے میں اسماعیلی فرقے نے دعویٰ کیا، مگر امام نے ان کی امامت کی نفی فرمائی، بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ کا کردار اس قدر بلند تھا کہ آپ سے محبت کرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ آپ کا جنازہ سات مرتبہ روکا گیا۔)
- محمد دیباج سب سے زیادہ حسین و جمیل
- علی عریضی
- عبد اللہ الافطح، بانی افطح شیعہ
- فاطمہ
- اسماء
- ام فروہ
- وغیرہ

علمی خدمات

آپ کا دور اسلامی علمی نشاۃ ثانیہ کا ابتدائی زمانہ تھا، جس میں آپ نے علم حدیث، فقہ، کلام، طب، کیمیا، فلکیات اور فلسفہ پر ہزاروں شاگردوں کی تربیت کی۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں:

- ابو حنیفہ (اہل سنت کے امام)
- مالک بن انس
- زرارہ بن اعین
- محمد بن مسلم
- ہشام بن حکم
- جابر بن حیان (بابائے کیمیا)

فقہِ جعفری کی تشکیل

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فقہِ اہلِ بیتؑ کو باقاعدہ اصولی مکتب کی صورت دی۔

آپ نے:

- قیاس
- استحسان
- حکومتی فقہ
- درباری حدیث سازی

کو صراحتاً رد فرمایا اور قرآن و سنتِ معصومؑ پر مبنی فقہی نظام پیش کیا، جو بعد میں فقہِ جعفری کے نام سے معروف ہوا اور آج بھی اہلِ تشیع کا بنیادی فقہی منہج ہے۔

مناظرات اور فکری جدوجہد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دہریہ، زنادقہ، قدریہ، جبریہ اور ملحدین کے ساتھ متعدد علمی مناظرے کیے۔ آپ کے دلائل اتنے مضبوط اور عقلی تھے کہ مخالفین لاجواب ہو جاتے۔ ان مناظرات نے اسلامی عقائد کو فلسفیانہ حملوں سے محفوظ رکھا۔

امام علیہ السلام نے فقہِ اہلِ بیت کو منظم کیا، جس پر اہل تشیع کے فقہی اصول قائم ہیں۔ آپ نے حاکمِ بنی امیہ و بنی عباس کے ظلم کے باوجود خاموش علمی جہاد جاری رکھا۔

وفات

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت 25 شوال 148 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

روایات کے مطابق عباسی خلیفہ منصور دوانیقی نے آپ کو زہر دلوا کر شہید کرایا۔

مدفن

جنت البقیع، مدینہ منورہ

آپ نے فرمایا:

> کونو لنا زیناً و لا تکونوا علینا شیناً

(ہمارے لیے زینت بنو، ہمارے لیے باعثِ شرمندگی نہ بنو)

علمی وسعت

تاریخی روایات کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے چار ہزار سے زائد شاگردوں نے براہِ راست علم حاصل کیا۔ یہ اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی غیر سرکاری علمی درسگاہ تھی، جس نے فقہ، حدیث، سائنس اور فلسفے کو نئی جہت دی۔

شہادت کا پس منظر

عباسی خلیفہ منصور دوانیقی امام جعفر صادق علیہ السلام کی بڑھتی ہوئی علمی مقبولیت اور عوامی رجوع کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتا تھا۔ اسی خوف کے تحت اس نے سن ایک سو اڑتالیس ہجری میں آپ کو زہر دلوایا، جس کے نتیجے میں آپ شہید ہوئے۔ آپ کی شہادت اہلِ بیتؑ کے خلاف عباسی جبر کا واضح ثبوت ہے۔

فکری وراثت

اگر امام حسین علیہ السلام نے اسلام کو قربانی سے، امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا سے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے علم کی بنیاد سے بچایا، تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلامی علوم کو مکمل نظام میں ڈھال کر قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا۔

حوالہ جات

- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج47–48)
- الارشاد (شیخ مفید)
- مناقب آل ابی طالب (ابن شہرآشوب)
- دلائل الامامہ (طبری شیعی)
- کشف الغمہ (علی بن عیسی اربلی)
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی اہل سنت)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

بابُ الحوائج، صابرِ زندان، امامِ مظلوم

حضرت امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے ساتویں امام، علم، حلم، زہد، عبادت اور صبر کے پیکر ہیں۔ آپ کا لقب الکاظم (غصہ ضبط کرنے والا) آپ کے حلم اور بردباری کی علامت ہے، جبکہ باب الحوائج کے لقب سے آپ کو شیعہ و سنی دونوں مکاتب میں یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ آپ کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

پیدائش

آپ کی ولادت 7 صفر 128 ہجری کو ابواء (مدینہ و مکہ کے درمیان) ہوئی۔

والد

امام جعفر صادق علیہ السلام

والدہ

حضرت حمیدہ خاتون سلام اللہ علیہا، جو اندلس کی نیک، عالمہ اور باعظمت مومنہ تھیں۔

ازواج

آپ کی متعدد ازواج تھیں، لیکن سب سے ممتاز زوجہ حضرت نجمہ خاتون سلام اللہ علیہا تھیں، جن سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام پیدا ہوئے۔ دیگر ازواج کے ذریعے بھی اولاد ہوئی، لیکن تفصیلات بعض کتب میں مختلف انداز سے بیان ہوئی ہیں۔

کنیت و القابات

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی کنیت ابو الحسن ہے، اسی بنا پر آپ کو ابو الحسن الاول بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے مشہور القابات میں الکاظم، بابُ الحوائج، عبدُ الصالح، زینُ المجتہدین، صابرُ البلاء اور امامُ المظلومین شامل ہیں، جو آپ کے حلم، عبادت، قید و صبر اور روحانی مقام کی ترجمانی کرتے ہیں۔

دورِ امامت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے سن ایک سو اڑتالیس ہجری میں اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً پینتیس برس پر محیط ہے، جو عباسی خلافت کے سب سے سخت اور جابر ادوار میں شمار ہوتا ہے، خصوصاً منصور، مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے زمانے میں۔

سیاسی موقف

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے عباسی خلافت کی شرعی حیثیت کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ہارون الرشید آپ کے روحانی اثر و رسوخ سے شدید خائف تھا، کیونکہ لوگ آپ کو حقیقی امام مانتے تھے۔ اسی خوف کے باعث عباسی حکومت نے آپ کو مسلسل نگرانی، جلاوطنی اور قید و بند میں رکھا۔

قید و بند کا زمانہ

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی زندگی کے کئی سال بصرہ اور بغداد کے مختلف قیدخانوں میں گزارے، جن میں عیسیٰ بن جعفر، فضل بن ربیع، فضل بن یحییٰ اور سندی بن شاہک کے زندان شامل ہیں۔

آپ قید میں بھی عبادت، تلاوتِ قرآن اور دعا میں مشغول رہتے، حتیٰ کہ جیل بان بھی آپ کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہو جاتے تھے۔ اسی بنا پر آپ کو صابرِ زندان کہا جاتا ہے۔

علمی خدمات

شدید پابندیوں کے باوجود حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے علمِ حدیث، فقہِ اہلِ بیتؑ اور اخلاقی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ کے مشہور شاگردوں میں:

- علی بن یقطین
- ہشام بن حکم (ابتدائی دور)
- یونس بن عبد الرحمن
- صفوان بن یحییٰ

شامل ہیں، جنھوں نے بعد میں فقہِ جعفری کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔

واقفیہ فتنہ

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد بعض افراد نے آپ کی امامت پر توقف کیا اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کا انکار کیا، یہ گروہ واقفیہ کہلایا۔ اہلِ بیتؑ کے معتبر اصحاب نے اس انحراف کو رد کیا اور واضح کیا کہ سلسلۂ امامت حضرت امام علی رضا علیہ السلام میں جاری ہے۔

اولاد

مورخین کے مطابق امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی کل اولاد 30 سے زائد تھی، جن میں 18 بیٹے اور 19 بیٹیاں مشہور ہیں۔

اہم فرزندان و بنات

- حضرت امام علی رضا علیہ السلام (آٹھویں امام)
- ابراہیم بن موسیٰ
- اسحاق بن موسیٰ
- زید
- حسن

- حسین
- ہارون
- محمد
- جعفر
- عبد اللہ
- احمد

بیٹیوں میں:

- ام کلثوم
- حکیمہ
- زینب
- خدیجہ
- رقیہ
- امامۃ
- ام جعفر
- بی بی فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا، جن کا مزار قم (ایران) میں واقع ہے اور وہ زیارت و عقیدت کا عظیم مرکز ہے۔

اہم کردار و خدمات

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا دور بنی عباس کے جابر حکمرانوں (خصوصاً ہارون الرشید) کے ظلم و استبداد کا زمانہ تھا۔ آپ کو بارہا قید و بند میں رکھا گیا، یہاں تک کہ بغداد کے مختلف قیدخانوں میں آپ نے برسوں صبر کے ساتھ زندگی گزاری۔ آپ نے علم و تقویٰ، خاموش تبلیغ اور صبر و رضا کے ذریعے اہل بیتؑ کے پیغام کو زندہ رکھا۔

آپ کا ایک مشہور فرمان ہے:

> أفضل العبادة بعد المعرفة انتظار الفرج

(معرفت کے بعد سب سے افضل عبادت ظہور کا انتظار ہے)

[بحار الانوار، ج 71]

شہادت کا پس منظر

آپ کی شہادت 25 رجب 183 ہجری کو بغداد میں اس وقت ہوئی جب آپ کو ہارون رشید کے حکم سے قید میں زہر دیا گیا۔ عباسی حکومت نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید میں زہر دے کر شہید کیا اور لاش کو بغداد کے پل پر رکھوا کر اعلان کروایا کہ یہ موسیٰ بن جعفر ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں آپ کے زندہ ہونے کا تصور ختم کیا جا سکے۔ اس اقدام نے عباسی ظلم کو مزید بے نقاب کر دیا۔

عمر مبارک

تقریباً 55 سال

مدفن

کاظمین شریفین (بغداد، عراق) میں آپ کا روضۂ اقدس موجود ہے، جو امام محمد تقی علیہ السلام کے روضہ کے ساتھ ہے۔

فکری و روحانی وراثت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ثابت کیا کہ صبر بھی جہاد کی ایک اعلیٰ ترین شکل ہے۔ اگر امام حسینؑ نے تلوار سے، امام سجادؑ نے دعا سے، امام باقر و صادقؑ نے علم سے دین کو بچایا، تو امام موسیٰ کاظمؑ نے قید و خاموش استقامت سے امامت کو محفوظ رکھا۔

حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج48–49)
- کشف الغمہ (علی بن عیسی اربلی)
- دلائل الامامہ (طبری شیعی)
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی)
- تاریخ بغداد (خطیب بغدادی)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

امامِ ضامن، عالمِ آل محمدؐ ولیِ عہدِ مامون، امامِ برحق

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے آٹھویں امام، علم و حلم، تقویٰ و طہارت اور عزت و شرافت کے درخشندہ مینار تھے۔ آپ کا معروف لقب الرضا (اللہ اور رسول کی رضا کے حامل) ہے، جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد آپ کو نصِّ جلی کے ذریعے امامت کے لیے عطا ہوا۔ اہلِ تشیع کے نزدیک آپ معصوم، امامِ برحق اور امامتِ مطلقہ کے وارث تھے۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے سیاسی دباؤ میں آ کر آپ کو ولی عہد مقرر کیا، مگر اصل میں امامؑ کے روحانی مقام کو روک نہ سکا۔

پیدائش

آپ کی ولادت 11 ذی القعدہ 148 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور اسی سال آپ کے دادا، امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات ہوئی۔

والد

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

والدہ

حضرت نجمہ خاتون سلام اللہ علیہا، جو نہایت عابدہ، زاہدہ اور عالمہ تھیں۔ انھیں تکتم بھی کہا جاتا تھا۔

کنیت و مزید القابات

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی کنیت ابو الحسن ہے، اسی بنا پر آپ کو ابو الحسن الثانی بھی کہا جاتا ہے (امام موسیٰ کاظمؑ ابو الحسن الاوّل تھے)۔

آپ کے دیگر معروف القابات میں:

- عالم آل محمدؐ

- ضامن آھو
- غریب الغرباء
- سلطان طوس
- بابُ الرضا
- امامِ ضامن
- غریبُ الغرباء
- سلطانُ خراسان
- حجّتُ الله
- وارثُ علمِ نبوی

شامل ہیں۔

دورِ امامت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے سن 183 ہجری میں اپنے والد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً بیس برس (183–بیس3 ہجری) پر محیط ہے، جو عباسی خلافت کے فکری، سیاسی اور مذہبی بحران کا زمانہ تھا۔

ولایتِ عہدی پر امامؑ کا مؤقف

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ولی عہدی کو جبر اور شرط کے ساتھ قبول فرمایا۔ آپ نے واضح طور پر فرمایا کہ آپ:

- کسی کو معزول یا مقرر نہیں کریں گے
- کسی حکومتی فیصلے میں شریک نہیں ہوں گے
- کسی جنگ یا سیاسی اقدام کا حصہ نہیں بنیں گے

یہ قبولیت دراصل مامون کی سیاسی چال کو شرعی و اخلاقی طور پر ناکام بنانے کی حکمتِ عملی تھی۔

حدیثِ سلسلۃ الذہب

نیشاپور میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مشہور حدیثِ سلسلۃ الذہب بیان فرمائی، جس میں توحید کو امامت سے مشروط قرار دیتے ہوئے فرمایا:

> لا إله إلا الله حصني، فمن دخل حصني أمن من عذابي... بشرطها وأنا من شروطها

یہ حدیث عقیدۂ توحید اور امامت کے باہمی تعلق کی سب سے مضبوط نص سمجھی جاتی ہے۔

ازواج

اہم اور معروف زوجہ سبیکہ خاتون سلام اللہ علیہا (بعض کتب میں خیزران بھی ذکر ہوا ہے) تھیں، جو نیک اور باکمال خاتون تھیں اور جن سے امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔

ان کے علاوہ امام علی رضا علیہ السلام نے عباسی خلیفہ مامون الرشید کی بیٹی سے بھی نکاح کیا، جس کا نام بعض روایات میں اُمّ حبیبہ یا لبابہ آیا ہے۔ یہ نکاح مامون کی سیاسی حکمتِ عملی کا حصہ تھا تاکہ امام کو خلافت کے قریب لا کر اپنے اقتدار کو مذہبی جواز فراہم کر سکے، تاہم روایات کے مطابق امام رضا علیہ السلام نے یہ رشتہ دینی نہیں بلکہ سیاسی مجبوری کے تحت قبول فرمایا۔

اولاد

مورخین کے مطابق امام علی رضا علیہ السلام کی ایک ہی فرزند مسلم الثبوت ہے:

- حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام — جو نویں امام بنے۔

بعض روایات میں دیگر اولاد (بیٹے یا بیٹیاں) کا ذکر بھی ملتا ہے، لیکن اہلِ تشیع کے معتبر منابع میں امام محمد تقیؑ ہی کو امام رضاؑ کا واحد جانشین اور وارثِ علم و امامت قرار دیا گیا ہے۔

اہم خدمات

امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے زمانے میں علم، مناظرات، تدریس اور اہل بیتؑ کے نظریات کو واضح کیا۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے امامؑ کو مرو (ایران) بلایا اور ولی عہد بنانے کا اعلان کیا، مگر امامؑ نے حکومتی مداخلت سے خود کو علمی میدان تک محدود رکھا۔

آپ کے مناظرات کتب میں محفوظ ہیں، خصوصاً:

- مناظرہ جاثلیق نصرانی
- ہارون کے علما
- دہریہ
- مجوس
- اور اہلِ سنت کے محدثین کے ساتھ

ان مناظرات نے امامؑ کے علمی مقام کو مسلم دنیا میں روشن کر دیا۔ آپ کے چند خطبات، رسائل اور احادیث اہل بیتؑ کے عقائد و فقہ کی بنیاد ہیں۔

آخری سفر

مامون عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام کو مرو سے بغداد لے جانے کا ارادہ کیا، مگر راستے میں طوس (موجودہ مشہد) میں قیام کے دوران امامؑ کی طبیعت بگڑ گئی۔ اسی سفر میں آپ کو زہر دیا گیا، جس کے نتیجے میں آپ نے شہادت پائی۔

شہادت

امام رضا علیہ السلام کو مامون عباسی نے زہر دے کر شہید کیا، جب آپ ولی عہدی کو عملاً قبول نہیں کر رہے تھے۔

- تاریخِ شہادت: 17 صفر بیس3 ہجری
- عمر مبارک: 55 برس

مدفن

مشہد مقدس (ایران) جہاں آپ کا روضہ مبارک دنیا کا عظیم ترین مرکز زیارت ہے۔

تاریخی مقام

حضرت امام علی رضا علیہ السلام وہ امام ہیں جنھوں نے پہلی مرتبہ امامت کو خلافت کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اگرچہ ظاہری طور پر ولی عہد بنایا گیا، مگر درحقیقت یہی واقعہ عباسی خلافت کی اخلاقی شکست اور اہلِ بیتؑ کی روحانی برتری کا اعلان بن گیا۔

حوالہ جات

- عیون اخبار الرضا (شیخ صدوق)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج49–50)
- الارشاد (شیخ مفید)

- کشف الغمہ (علی بن عیسی اربلی)
- تاریخ طبری
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی)

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

الجواد، بابُ التقی، کم سن امام

حضرت امام محمد بن علی التقی الجواد علیہ السلام، اہل بیت علیہم السلام کے نویں امام، علم، سخاوت، زہد اور پاکیزگی کے روشن چراغ تھے۔ آپ کا معروف لقب الجواد (سب سے زیادہ سخی) ہے اور التقی (سب سے زیادہ پرہیزگار) کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ اہلِ تشیع کے مطابق آپ معصوم امام، منصوص من اللہ اور امام علی رضا علیہ السلام کے واحد فرزند تھے۔

پیدائش

آپ کی ولادت 10 رجب 195 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

والد

آپ کے والد امام علی رضا علیہ السلام تھے۔

والدہ

سبیکہ خاتون سلام اللہ علیہا (جنھیں خیزران بھی کہا جاتا ہے) نہایت باکمال، باایمان اور عابدہ خاتون تھیں۔

کنیت و القابات

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی کنیت ابو جعفر ہے، اسی وجہ سے آپ کو ابو جعفر الثانی بھی کہا جاتا ہے (امام محمد باقرؑ ابو جعفر الاوّل تھے)۔

آپ کے دیگر معروف القابات میں:

- الجواد
- التقی
- بابُ التقی
- امامُ الصغیر سِنّاً و الکبیر شأناً
- حجّتُ اللہ علی الصغیر و الکبیر

شامل ہیں۔

دورِ امامت

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام نے بیس3 ہجری میں اپنے والد امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً سترہ برس (بیس3–2بیس ہجری) پر محیط ہے، جو عباسی خلافت کے شدید سیاسی دباؤ اور علمی مقابلے کا زمانہ تھا۔

زوجہ

آپ کی زوجہ ام الفضل تھیں، جو عباسی خلیفہ مامون الرشید کی بیٹی تھیں۔ مامون نے امام رضا علیہ السلام کے بعد امام محمد تقیؑ سے علمی اور روحانی اثر کو کم کرنے کے لیے یہ نکاح کروایا، لیکن امامؑ نے علم و وقار سے اہل بیتؑ کی عزت کو قائم رکھا۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی اصلی نسل اور امامت کی وراثت آپ کی دوسری زوجہ سیدہ سمانہ مغربیہ سلام اللہ علیہا سے ہوئی، جن سے امام علی نقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اولاد

- امام علی نقی الہادی علیہ السلام — دسویں امام، جن سے سلسلہ امامت جاری رہا۔

بعض کتب میں دیگر بیٹوں اور بیٹیوں کا بھی ذکر ہے (مثلاً موسیٰ، حکیمہ، فاطمہ)، مگر امام علی نقیؑ سب سے مشہور اور منصوص امام ہیں۔

علمی مقام

امام محمد تقی علیہ السلام کم سنی (تقریباً 8 سال) میں منصبِ امامت پر فائز ہوئے، جس پر بعض نے اعتراض کیا، تو امام نے عباسی دربار میں مناظرہ کر کے علم و امامت کا کمال ظاہر کیا۔ آپ کے مشہور مناظروں میں سے ایک قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کے ساتھ ہے، جس میں امامؑ نے متعدد فقہی سوالات کا جواب دے کر علمائے وقت کو حیران کر دیا۔

کم سنی میں امامت کی دلیل

جب بعض لوگوں نے امام محمد تقی علیہ السلام کی کم عمری پر اعتراض کیا تو آپ نے قرآنی استدلال پیش فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارے میں نبوت عطا کی، لہٰذا امامت عمر کی محتاج نہیں بلکہ نصِّ الٰہی کی تابع ہے۔ یہ دلیل شیعہ عقیدے میں کم سن امامت پر فیصلہ کن نص بن گئی۔

سیاسی نگرانی

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو عباسی خلافت، خصوصاً مامون اور پھر معتصم کے دور میں مسلسل نگرانی میں رکھا گیا۔ بغداد میں قیام، درباری ماحول اور جبری قربت کے باوجود امامؑ نے اہلِ بیتؑ کے وقار، استقلال اور دینی اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔

عبادت و اخلاق

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سخاوت، عاجزی، حلم، عبادت اور حسنِ اخلاق میں بے مثال تھے۔ اسی بنا پر آپ کو الجواد کہا جاتا ہے۔ آپ راتوں کو عبادت، دعا اور محتاجوں کی مدد میں گزارتے تھے اور دروازے پر آنے والے کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے۔

شہادت

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو عباسی خلیفہ معتصم کے دور میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ بعض روایات کے مطابق اس سازش میں ام الفضل بھی شامل تھی، جسے عباسی دربار نے استعمال کیا۔

- تاریخِ شہادت: 29 ذی القعدہ 220 ہجری
- عمر مبارک: تقریباً 25 سال

مدفن

کاظمین شریفین، بغداد — اپنے جد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں۔

فکری و تاریخی مقام

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے ثابت کیا کہ امامت علمِ الٰہی ہے، نہ کہ عمر، سیاست یا ظاہری طاقت کی محتاج۔ آپ کی کم سنی میں علمی برتری اہلِ بیتؑ کی امامت کی روشن دلیل بن گئی۔

حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج50)
- عیون اخبار الرضا
- دلائل الامامہ
- کشف الغمہ
- سیر اعلام النبلاء

حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام

الہادی، النقی، امامِ عسکر، رہبرِ تقویٰ

حضرت امام علی بن محمد الہادی النقی علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے دسویں امام، علم، تقویٰ، عبادت، حلم اور الٰہی ہدایت کے روشن مینار تھے۔ آپ کا معروف لقب الہادی (ہدایت دینے والے) اور النقی (پاکیزہ) ہے۔ اہلِ تشیع کے نزدیک آپ معصوم امام، حجتِ خدا اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے جانشین تھے۔

پیدائش

آپ کی ولادت 15 ذی الحجہ 212 ہجری کو صریا (مدینہ کے قریب ایک بستی) میں ہوئی۔

والد

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام

والدہ

سیدہ سمانہ مغربیہ سلام اللہ علیہا، جو نہایت عابدہ، زاہدہ اور پاکیزہ خاتون تھیں۔

کنیت و القابات

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی کنیت ابو الحسن ہے، اسی وجہ سے آپ کو ابو الحسن الثالث بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کے مشہور القابات میں:

- الہادی
- النقی
- العسکری
- الفقیہ
- الامین
- الطیب
- الناصح

شامل ہیں۔

دورِ امامت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے 220 ہجری میں اپنے والد امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً 33 برس پر محیط ہے، جو عباسی خلفاء:

- معتصم
- واثق
- متوکل
- منتصر
- مستعین
- معتز

کے ادوار پر مشتمل ہے۔

سامرہ میں جبری قیام

عباسی خلیفہ متوکل امام علی نقی علیہ السلام کے بڑھتے ہوئے روحانی اثر و رسوخ سے خوفزدہ تھا۔ اسی بنا پر اس نے امامؑ کو مدینہ سے سامرہ بلا کر فوجی نگرانی میں رکھا۔

اسی نسبت سے آپ اور آپ کے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کو عسکریین کہا جاتا ہے، کیونکہ سامرہ کا فوجی علاقہ عسکر کہلاتا تھا۔

سیاسی جبر

حضرت امام علی نقی علیہ السلام پر مسلسل نگرانی رکھی گئی، اس کے باوجود آپ نے:

- اہلِ بیتؑ کے عقائد
- فقہ
- دعا
- زیارات
- وکالتی نظام

کو منظم رکھا۔

آپ نے مختلف شہروں میں نمائندے مقرر کیے، تاکہ شیعہ معاشرہ عباسی نگرانی کے باوجود امام سے مربوط رہے۔

زیارت جامعہ کبیرہ

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی عظیم علمی و روحانی یادگار زیارت جامعہ کبیرہ ہے، جسے اہلِ تشیع ائمہ اہل بیتؑ کی معرفت کا جامع ترین متن سمجھتے ہیں۔ اس زیارت میں ائمہؑ کے روحانی مقام، عصمت، ولایت، علم اور امت پر ان کی حجیت کو نہایت فصیح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

اولاد

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سب سے معروف:

- حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام — گیارہویں امام

ہیں۔

دیگر اولاد میں:

- حسین
- محمد
- جعفر

اور بعض بیٹیوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔

جعفر کذاب

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے بیٹے جعفر نے بعد میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا، جس کی بنا پر شیعہ تاریخ میں اسے جعفر کذاب کہا جاتا ہے۔ اہلِ تشیع کے نزدیک حقیقی سلسلۂ امامت حضرت امام مہدی علیہ السلام میں جاری رہا۔

علمی خدمات

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے سخت حکومتی نگرانی کے باوجود فقہ، عقائد، تفسیر اور اخلاقی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے خطوط، دعائیں اور وکلا کے ذریعے بھیجے گئے علمی جوابات بعد میں شیعہ حدیثی ذخیرے کا حصہ بنے۔

عبادت و زہد

حضرت امام علی نقی علیہ السلام عبادت، تہجد، قرآن اور زہد میں بے مثال تھے۔ روایات میں ہے کہ جب متوکل نے آپ کے گھر کی تلاشی کروائی تو وہاں صرف قرآن، جائے نماز اور سادہ زندگی کے آثار پائے گئے، جس سے درباری بھی متاثر ہوئے۔

شہادت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو عباسی خلیفہ معتز کے دور میں زہر دے کر شہید کیا گیا۔

- تاریخِ شہادت: 3 رجب 254 ہجری
- عمر مبارک: تقریباً 42 سال

مدفن

سامرہ، عراق — جہاں آپ اپنے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ مدفون ہیں۔

فکری و روحانی مقام

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے شدید ترین سیاسی نگرانی میں بھی امامت کے نظام کو محفوظ رکھا، شیعہ وکالتی نظام کو مضبوط کیا اور اہلِ بیتؑ کی معرفت کو علمی و روحانی شکل میں نسلوں تک منتقل کیا۔

حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج50)
- دلائل الامامہ
- کشف الغمہ
- اعلام الوریٰ

- سیر اعلام النبلاء

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

امامِ عسکر، وارثِ امامت، والدِ امامِ مہدیؑ

حضرت امام حسن بن علی العسکری علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے گیارہویں امام، علم، حلم، تقویٰ، عبادت اور صبر کے روشن مینار تھے۔ آپ کا لقب العسکری سامرہ کے فوجی علاقے عسکر کی نسبت سے ہے، جہاں آپ کو عباسی حکومت نے نظر بند رکھا۔ اہلِ تشیع کے نزدیک آپ معصوم امام، حجتِ خدا اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے جانشین تھے۔

پیدائش

آپ کی ولادت 8 ربیع الثانی 232 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

والد

حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام

والدہ

حضرت حدیثہ خاتون سلام اللہ علیہا (بعض روایات میں سوسن یا سلیل بھی ذکر ہوا ہے)، جو نہایت پاکیزہ، باایمان اور باعظمت خاتون تھیں۔

کنیت و القابات

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہے۔

آپ کے مشہور القابات میں:

- العسکری
- الزکی
- الصامت
- الرفیق
- النقی
- السراج
- الخالص

شامل ہیں۔

دورِ امامت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے 254 ہجری میں اپنے والد امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت کے بعد منصبِ امامت سنبھالا۔ آپ کا دورِ امامت تقریباً 6 برس پر محیط ہے، جو عباسی حکومت کی شدید نگرانی اور خوف کا دور تھا۔

عباسی نگرانی

عباسی خلفاء خصوصاً:

- معتز
- مہتدی
- معتمد

کو یہ علم تھا کہ اہلِ بیتؑ کی روایات کے مطابق آخری امام (امام مہدیؑ) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے، جو ظلم کا خاتمہ کریں گے۔ اسی خوف کے باعث آپ کو مسلسل نظر بندی، نگرانی اور محدود ملاقاتوں میں رکھا گیا۔

زوجہ

حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا — جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی والدہ ہیں۔

بعض روایات کے مطابق ان کا تعلق رومی شاہی خاندان سے تھا اور وہ نہایت باعظمت، عارفہ اور پاکیزہ خاتون تھیں۔

اولاد

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند:

- حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام — بارہویں اور آخری امام، جو غیبت میں ہیں۔

اہلِ تشیع کے نزدیک آپ کے علاوہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوئی اور ثابت شدہ اولاد نہیں۔

علمی خدمات

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے شدید حکومتی پابندیوں کے باوجود:

- فقہ
- عقائد
- تفسیر
- اخلاق
- توقیعات

کے ذریعے شیعہ معاشرے کی رہنمائی فرمائی۔

آپ نے وکالتی نظام کو مزید منظم کیا، تاکہ آئندہ دورِ غیبت کے لیے شیعہ معاشرہ تیار ہو سکے۔

غیبت کی تیاری

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے خاص اصحاب کو حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت سے آگاہ کیا اور محدود افراد کو زیارت بھی کروائی، تاکہ سلسلۂ امامت پر کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

عبادت و اخلاق

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام زہد، عبادت، حلم اور حسنِ اخلاق میں بے مثال تھے۔ حتیٰ کہ عباسی دربار کے افراد اور جیل بان بھی آپ کے کردار سے متاثر ہو جاتے تھے۔

آپ کا مشہور فرمان ہے:

> تم لوگوں کے لیے ہمارے لیے زینت بنو، باعثِ عار نہ بنو۔

شہادت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو عباسی خلیفہ معتمد کے حکم پر زہر دے کر شہید کیا گیا۔

- تاریخ شہادت: 8 ربیع الاول 260 ہجری
- عمر مبارک: تقریباً 28 سال

مدفن

سامرہ، عراق — اپنے والد امام علی نقی علیہ السلام کے پہلو میں۔

فکری و تاریخی مقام

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے غیبتِ امام مہدیؑ کے دور کی فکری و تنظیمی بنیاد رکھی اور شیعہ امت کو ایسے دور کے لیے تیار کیا جہاں امام ظاہری طور پر موجود نہ ہوں گے۔

حوالہ جات

- الارشاد (شیخ مفید)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج50–51)
- کمال الدین (شیخ صدوق)
- اعلام الوریٰ
- کشف الغمہ
- سیر اعلام النبلاء

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام

القائم، الحجۃ، صاحب الزمان، بقیۃ اللہ، امامِ غائب

حضرت امام محمد بن الحسن المہدی علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کے بارہویں اور آخری امام، خاتم الاوصیاء اور اللہ کی آخری حجت ہیں۔ اہلِ تشیع اثنا عشری کے مطابق آپ زندہ، غائب اور اللہ کے حکم سے پردۂ غیبت میں ہیں اور قیامت سے قبل ظہور فرما کر زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

پیدائش

آپ کی ولادت 15 شعبان 255 ہجری کو سامرہ، عراق میں ہوئی۔

والد

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

والدہ

حضرت نرجس خاتون سلام اللہ علیہا

کنیت و القابات

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی کنیت ابو القاسم ہے۔

آپ کے مشہور القابات میں:

- القائم
- الحجۃ
- صاحب الزمان
- بقیۃ اللہ
- المنتظر
- ولی العصر
- صاحب الامر
- امام العصر
- خاتم الاوصیاء

شامل ہیں۔

غیبتِ صغریٰ

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد، اللہ کے حکم سے آپ پردۂ غیبت میں چلے گئے۔ ابتدائی دور کو غیبتِ صغریٰ کہا جاتا ہے، جو تقریباً 69 برس (260–329 ہجری) پر محیط تھا۔

اس دور میں امامؑ نے اپنے چار خاص نائبین (نوّابِ اربعہ) کے ذریعے شیعہ امت سے رابطہ رکھا:

- عثمان بن سعید العمری
- محمد بن عثمان
- حسین بن روح
- علی بن محمد السمری

یہ حضرات امامؑ کے خطوط (توقیعات) لوگوں تک پہنچاتے اور مسائل کے جوابات لیتے تھے۔

غیبتِ کبریٰ

329 ہجری میں چوتھے نائب علی بن محمد السمری کی وفات کے بعد غیبتِ کبریٰ کا آغاز ہوا، جو آج تک جاری ہے۔

اس دور میں:

- کوئی خاص نائب مقرر نہیں
- فقہا و علما بطور عمومی نمائندہ دینی رہنمائی کرتے ہیں
- امامؑ اللہ کے حکم سے پردۂ غیب میں رہتے ہوئے امت کی نگرانی فرماتے ہیں۔

فلسفۂ غیبت

اہلِ تشیع کے مطابق غیبت:

- اللہ کی حکمت
- بندگانِ خدا کا امتحان
- امامؑ کی جان کا تحفظ
- ظہور کے عالمی وقت کی تیاری

ہے۔

جیسے حضرت خضرؑ اور حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں، اسی طرح امام مہدیؑ بھی زندہ ہیں۔

ظہور

اہلِ تشیع کے مطابق امام مہدی علیہ السلام آخری زمانے میں ظہور فرمائیں گے، جب:

- ظلم و فساد عام ہوگا
- دنیا ناانصافی سے بھر جائے گی
- انسانیت ہدایت کی شدید محتاج ہوگی

تب امامؑ:

- مکہ مکرمہ میں ظہور فرمائیں گے
- خانہ کعبہ کے پاس بیعت لیں گے
- ظلم و جبر کا خاتمہ کریں گے
- عدلِ الٰہی قائم کریں گے
- دنیا کو حقیقی اسلامی انصاف دیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کریں گے، جو امامؑ کی عالمی امامت کی علامت ہوگی۔

اہم عقائد

اہلِ تشیع کے مطابق:

- امام مہدیؑ زندہ ہیں
- معصوم ہیں
- حجتِ خدا ہیں
- دنیا سے غائب ہیں مگر رابطۂ الٰہی رکھتے ہیں
- ظہور یقینی ہے

توقیعات

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی توقیعات شیعہ علمی ذخیرے کا اہم حصہ ہیں، جن میں:

- فقہی ہدایات
- عقائدی وضاحتیں
- غیبت کے اصول
- علما کی ذمہ داریاں

بیان کی گئی ہیں۔

ظہور کی علامات

روایات میں متعدد علاماتِ ظہور بیان ہوئی ہیں، جن میں:

- سفیانی کا خروج
- یمانی کا ظہور
- آسمانی ندا
- نفسِ زکیہ کی شہادت
- دنیا میں شدید ظلم

شامل ہیں۔

عالمی عدل

امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بعد:

- زمین عدل سے بھر جائے گی
- ظلم ختم ہوگا
- حقیقی اسلامی حکومت قائم ہوگی
- علم و معرفت پھیلیں گے
- اہلِ بیتؑ کی تعلیمات غالب ہوں گی

شہادت یا وفات

اہلِ تشیع کے مختلف اقوال ہیں کہ ظہور کے بعد امام مہدی علیہ السلام شہید ہوں گے یا طبعی وفات پائیں گے، تاہم قطعی تفصیل اللہ کے علم میں ہے۔

فکری و روحانی مقام

حضرت امام مہدی علیہ السلام اہلِ بیتؑ کی امامت کے اختتامی اور تکمیلی امام ہیں۔ آپ امید، عدل، نجات اور الٰہی وعدے کی علامت ہیں۔ اہلِ تشیع کے نزدیک دنیا کبھی حجتِ خدا سے خالی نہیں رہتی اور امام مہدیؑ اسی حجتِ الٰہی کا زندہ مظہر ہیں۔

دعا

> اللّٰهُمَّ عَجِّلْ لِوَلِيِّكَ الْفَرَج

حوالہ جات

- کمال الدین و تمام النعمہ (شیخ صدوق)
- الغیبہ (شیخ طوسی)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی، ج51–53)
- اعلام الوریٰ
- الارشاد (شیخ مفید)
- سنن ابی داؤد
- صحیح ترمذی
- مسند احمد

اختتامی خلاصہ

ائمۂ اہلِ بیت علیہم السلام کا سلسلہ حضرت علی علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت امام مہدی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اہلِ تشیع کے مطابق یہ بارہ ائمہ:

- معصوم
- منصوص من اللہ
- وارثِ علمِ نبوی
- اور امت کے حقیقی رہبر

ہیں۔

ہر امام نے اپنے دور کے مطابق:

- قربانی
- علم
- دعا
- صبر
- حکمت
- یا خاموش مزاحمت

کے ذریعے دینِ اسلام کو محفوظ رکھا۔

یہ سلسلۂ امامت اہلِ بیتؑ کی روحانی، علمی اور اخلاقی قیادت کی مسلسل علامت ہے، جو قیامت تک باقی رہے گی۔

امام زادے سید جعفر ثانی بن علی النقیؑ

الزکی، جعفر کذّاب، جعفر التوّاب

نام و نسب

جعفر بن علی النقی علیہ السلام، امام علی النقی علیہ السلام کے فرزند اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے بھائی تھے۔ اہلِ تشیع میں انھیں زیادہ تر جعفر کذّاب کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنے بھتیجے امام مہدی علیہ السلام کی امامت و غیبت کا انکار کیا۔ بعض روایات میں انھیں جعفر التوّاب یعنی توبہ کرنے والا بھی کہا جاتا ہے۔

- کنیت: ابو عبد اللہ
- القاب: جعفر کذّاب، الزکی، التواب، المصدق (مختلف تاریخی حوالوں میں مختلف القاب ملتے ہیں)
- پیدائش: 226 ہجری / 840ء
- وفات: 271 ہجری / 884ء
- سکونت: سامرا، مدینہ
- مدفن: حرم عسکریین، سامرا

خاندانی پس منظر

- والد: امام علی النقی علیہ السلام
- والدہ: سمانہ خاتون
- بھائی:
  - امام حسن عسکری علیہ السلام
  - محمد بن علی النقیؑ
  - بعض مصادر میں کم ذکر، کم عمری میں وفات کا ذکر
  - حسین بن علی النقیؑ
  - بعض نسبی کتب میں نام آیا ہے

انکارِ امامت اور دعویٰ خلافت

امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد جعفر نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور عباسی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات بنا کر اپنے آپ کو امام ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے امام مہدی علیہ السلام کی غیبت صغری کے دوران ان کے نائبین کو اذیت دی اور ان کی موجودگی کو تسلیم نہیں کیا۔ جعفر کا یہ دعویٰ سخت مسترد کیا گیا۔

توبہ اور واپس آنا

تاریخی روایات کے مطابق، جعفر نے اپنی ناکامی کے بعد زندگی کے آخری ایام میں توبہ کی اور اہل بیت علیہم السلام کی حمایت کی۔ شیخ مفید اور ابن طاووس جیسے علما کے نزدیک جعفر نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو اہل تشیع کے علما کے حوالے کر دیا تاکہ وہ اہل بیتؑ کے اصلی عقائد کو اپنائیں۔

امام مہدی علیہ السلام کی جانب سے ایک توقیع میں فرمایا گیا

> اے آلِ محمدؐ کے شیعوں، میرے چچا جعفر کے بارے میں بدگمانی نہ کرو، اللہ نے انھیں معاف کیا اور ان پر رحم فرمایا۔

نسل اور اثنا عشری تشیع میں واپسی

جعفر کی نسل نے وقت کے ساتھ اثنا عشری شیعہ عقائد کو قبول کیا اور اہل بیتؑ کی تعلیمات کو اپنایا۔ ان میں سے کئی افراد نے صوفی سلسلوں خاص طور پر چشتیہ اور سہروردیہ میں شامل ہو کر روحانیت کے ذریعے اہل بیتؑ کی محبت کا اظہار کیا، مگر عقیدے میں بارہ اماموں کی امامت کو تسلیم کیا۔ ان کے خاندان میں سے کئی افراد علم و فضل میں نمایاں ہوئے۔

سیاسی دباؤ اور ہجرت

جعفر کذاب کی نسل کو عباسی دور کے سخت سیاسی دباؤ اور ظلم کا سامنا رہا، جس کی وجہ سے ان کے بعض افراد نے ایران اور افغانستان کے سرحدی علاقوں، خصوصاً چشت، ہرات، بخارا، ملتان، اتر پردیش کے علاقوں کی جانب ہجرت کی۔ وہاں وہ صوفی سلسلوں کا حصہ بن گئے، جبکہ کچھ نے تشیع کی بنیاد ہی قائم رکھی۔

ازواج

دستاویزات میں ازواج کے نام مخصوص طور پر درج نہیں، تاہم درج ذیل باتیں اہم ہیں:

- جعفر ثانی کی کئی ازواج تھیں جن سے ان کی کثیر اولاد ہوئی۔
- ان کی بیویوں کی شناخت عمومی طور پر ان کی اولاد کے ذریعے کی جاتی ہے، کیونکہ اس دور میں بیویوں کے نام اکثر روایات میں درج نہیں کیے جاتے تھے، خاص طور پر اگر وہ غیر ہاشمی یا غیر معروف قبیلوں سے تعلق رکھتی ہوں۔

اولاد

معتبر ماخذ

- المعقبون من آل ابی طالب از سید مہدی رجائی
- لباب الانساب از ابن فندق بیہقی

بیٹے (18)

1. . سید ابو الحسن علی الاصغر رحمۃ اللہ علیہ
2. . سید عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ
3. . سید یحییٰ صوفی رحمۃ اللہ علیہ
4. . سید ابو القاسم طاہر رحمۃ اللہ علیہ
5. . سید اسماعیل حریفا رحمۃ اللہ علیہ
6. . سید ادریس رحمۃ اللہ علیہ
7. . سید عیسیٰ المجد رحمۃ اللہ علیہ
8. . سید ہارون رحمۃ اللہ علیہ
9. . سید ابو الحسین محسن رحمۃ اللہ علیہ
10. . سید عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ
11. . سید موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ
12. . سید ابو جعفر محمد رحمۃ اللہ علیہ
13. . سید عباس رحمۃ اللہ علیہ
14. . سید عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ
15. . سید ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

16. . سید ابو محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ
17. . سید احمد رحمۃ اللہ علیہ
18. . سید اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔

ان میں سے وہ بیٹے جن کی نسل آگے چلی

1. . سید اسماعیل حریفا رحمۃ اللہ علیہ
2. . سید ابو القاسم طاہر رحمۃ اللہ علیہ
3. . سید ہارون رحمۃ اللہ علیہ
4. . سید ادریس رحمۃ اللہ علیہ
5. . سید ابو الحسن علی الاصغر رحمۃ اللہ علیہ
6. . سید یحییٰ صوفی رحمۃ اللہ علیہ۔

بیٹیاں (27)

1. . سیدہ زینبؒ
2. . سیدہ اُم عیسیٰؒ
3. . سیدہ اُم حسنؒ
4. . سیدہ اُم حسینؒ
5. . سیدہ سکینہؒ
6. . سیدہ اسماءؒ
7. . سیدہ اُم عبد اللہؒ
8. . سیدہ اُم احمدؒ
9. . سیدہ کلثوم صغریٰؒ
10. . سیدہ اُم فروہؒ
11. . سیدہ اُم القاسمؒ
12. . سیدہ خدیجہؒ
13. . سیدہ اُم موسیٰؒ
14. . سیدہ آمنہؒ
15. . سیدہ اُم الفضلؒ
16. . سیدہ اُم محمدؒ
17. . سیدہ مریمؒ
18. . سیدہ آمنہ صغریٰؒ
19. . سیدہ کلیمؒ
20. . سیدہ حکیمہؒ
21. . سیدہ دریّہؒ
22. . سیدہ اُم جعفرؒ
23. . سیدہ اُم سلمہؒ
24. . سیدہ حسنہؒ
25. . سیدہ اُمینہؒ

26. . سیدہ میمونہؒ
27. . سیدہ سمیہؒ۔

مشہور فرزندان

- اسماعیل حریفا بن جعفر الزکی ان کی نسل مختلف علاقوں میں موجود ہے۔
- علی الاصغر بن جعفر الزکی مشہور نسبی شخصیات انہی کی اولاد میں سے ہیں۔
- یحییٰ صوفی بن جعفر الزکی ان کی نسل اہل تصوف میں خاص طور پر جانی جاتی ہے۔

جعفر ثانی کی ازواج کے نام روایات میں محفوظ نہیں ہیں۔

ان کے کل 45 بچے (18 بیٹے + 27 بیٹیاں) بیان ہوئے ہیں۔

کم از کم 6 بیٹوں سے نسل کا تسلسل پایا جاتا ہے، جو سادات بخاری، سرسی، امروہی، ناصری آبادی، جلالی، مودودی اور دیگر شاخوں کی بنیاد بنے۔

جعفر کذاب نے امام مہدی علیہ السلام کی امامت کا انکار کیا، لیکن بعد میں توبہ کر کے اہل بیتؑ کی حمایت میں آ گئے۔ ان کی نسل نے اثنا عشری میں واپس آ کر اہل بیتؑ کے اصولوں کو اپنایا اور صوفی سلسلوں میں بھی روحانی کردار ادا کیا۔ تاریخ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جھوٹے دعوے طویل عرصے تک قائم نہیں رہ سکتے اور سچائی بالآخر غالب آتی ہے۔

حوالہ جات

- کمال الدین و تمام النعمۃ (شیخ صدوق)
- بحار الانوار (علامہ مجلسی)
- الارشاد (شیخ مفید)
- الغیبۃ (شیخ طوسی)
- رجال کشی
- کشف الغمہ (علی بن عیسی اربلی)
- رحلات ابن بطوطہ
- کشف المحجوب (سید علی ہجویری)
- سیر اعلام النبلاء (امام ذہبی)

حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی علیہ الرحمہ

حضرت علی الاصغر علیہ الرحمہ، حضرت جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام کے فرزند تھے۔ آپ کا شمار ان ممتاز سادات میں ہوتا ہے جن کی نسل نے مختلف ادوار میں دینی، روحانی، علمی اور صوفی خدمات انجام دیں۔

نسبی تسلسل

علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

کتبِ انساب کے مطابق آپ کی کنیت ابو الحسن تھی اور آپ بغداد و مشہدِ مقدس رضوی کے نقباء میں شمار ہوتے تھے۔ بعض مصادر میں آپ کو نقیبِ مشہدِ رضوی قرار دیا گیا ہے، جو آپ کے علمی، نسبی اور سماجی مقام کی دلیل ہے۔

سیرت و مقام

حضرت علی الاصغر کا ذکر علما انساب میں اُن فرزندانِ جعفر الزکی میں کیا گیا ہے جن سے نسل چلی اور جو علمی و روحانی لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

آپ اہلِ تقویٰ، صاحبِ علم اور صالح بزرگ تھے۔

آپ کی نسل کو تاریخ میں سادات بخاری، نقوی سادات یا العلویون من نسل جعفر الزکی کہا جاتا ہے۔

آپ کی اولاد کے بہت سے افراد ہندوستان، افغانستان، ایران اور ماوراء النہر کے علاقوں میں پہنچے اور وہاں مقیم ہوئے۔

بعض سادات کی روایت کے مطابق، آپ کا مزار ماوراء النہر یا ترکستان کے کسی قدیم علاقے میں موجود ہے (تحقیق طلب)۔

نسل و اولاد

حضرت علی الاصغر علیہ الرحمہ کی نسل سے تعلق رکھنے والے کئی معروف شخصیات پیدا ہوئیں، جن میں شامل ہیں:

- سید عبد اللہ
- سید احمد
- سید محمود
- سید محمد
- سید جعفر
- سید ابو المؤید علی بخاری

(جن کی اولاد سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ اور حضرت مخدوم جہانیاںؒ پیدا ہوئے)

یہی نسل بعد میں سادات بخاری کہلائی اور برصغیر، خصوصاً اوچ شریف، ملتان، جالندھر، بہاولپور، سندھ، حیدرآباد، اتر پردیش، دہلی اور کشمیر میں پھیل گئی۔

علما فنِّ انساب نے حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی ثانی کی اولاد کے حوالے سے یہ بات واضح کی ہے کہ ان کی نسل چند مخصوص افراد کے ذریعے برقرار رہی، جبکہ بعض ایسے نام بھی منقول ہوئے ہیں جن کی عقب مستند طور پر ثابت نہیں ہو سکی۔ اسی بنیاد پر اہلِ نسب نے ان کی اولاد کو معقب اور غیر معقب کی حیثیت سے جداگانہ طور پر بیان کیا ہے۔

چند معتبر مورخین، جن میں ابنِ مطقطقی اور بغدادی کے نام نمایاں ہیں، اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ حضرت علی الاصغر بن جعفر الزکی ثانی کی بعض اولاد کی عقب بعد کے زمانوں میں بلادِ ہند تک جا پہنچی اور اس کی تائید مختلف کتبِ انساب سے ہوتی ہے۔

حوالہ جات

- المعقبون من آل ابی طالب — سید مہدی رجائی، جلد دوم، ص 330–332
- لباب الانساب — ابن فندق بیھقی، جلد 2، ص 442
- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب — ابن عنبہ الحسنی
- مدرکُ الطالب فی نسبِ آلِ أبی طالب الموسوم بہ معارفِ الأنساب — سید قمر عباس اعرجی ہمدانی
- المجدی فی انساب الطالبین — شیخ ابو الحسن عمری

حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر علیہ الرحمہ

حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی علیہ الرحمہ کا شمار ان بزرگ ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی نسل نے بعد کے ادوار میں عالمِ اسلام کے مختلف علاقوں میں علم، روحانیت اور تصوف کے عظیم مراکز قائم کیے۔

نسبی تسلسل

سید عبد اللہؒ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم علیہم السلام، علما انساب نے حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر کی ذات اور نسل کے تسلسل کو معتبر قرار دیا ہے اور انھیں اُن معقب سادات میں شمار کیا ہے جن کی عقب بعد کے ادوار میں محفوظ اور معروف رہی۔

سیرت و مقام

حضرت سید عبد اللہؒ ایک عالم، زاہد اور متقی شخصیت تھے۔ آپ کا تعلق سادات سے تھا اور آپ کی نسل کو بعد میں دنیا کے مختلف علاقوں میں مذہبی اور صوفی خدمات کے حوالے سے شہرت ملی۔

آپ ہی کے ذریعے سادات کی مختلف عظیم شاخیں پھیلیں، جنھوں نے اسلام کے روحانی پیغام کو عام کیا۔

کتبِ انساب میں حضرت سید عبد اللہ کے خاندان کو علمی، روحانی اور نسبی حوالوں سے معتبر سمجھا گیا ہے اور ان کی نسل سے وابستہ شخصیات نے مختلف ادوار میں دینی و صوفی خدمات انجام دیں۔

اولاد و نسل

حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغرؒ کی اولاد میں درج ذیل نام منقول ہیں:

- سید احمد
- سید محمد
- سید محمود
- سید جعفر

اہلِ علمِ انساب کی تصریحات کے مطابق نسلی تسلسل بالاتفاق سید احمد اور سید محمد کے ذریعے ثابت مانا گیا ہے، جبکہ دیگر بعض منقول ناموں کی عقب قطعی طور پر ثابت نہیں ہو سکی، اسی بنا پر کتبِ انساب میں انھیں معقب اور غیر معقب کی تقسیم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

انہی اولاد میں سے حضرت سید ابو المؤید علی بخاریؒ تھے، جو حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاریؒ کے والد بنے اور اسی نسب سے ساداتِ بخاریہ نقوی کا عظیم اور معروف سلسلہ شروع ہوا۔

بعض قدیم مصادر میں محمد النازوک بن سید عبد اللہ کا ذکر بھی ملتا ہے، جن کی اولاد عراق اور دیگر عرب علاقوں میں پھیلی اور بنو نازوک کے نام سے معروف ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند کے کثیر بخاری نقوی سادات اپنا نسب ابو یوسف احمد بن سید عبد اللہ بن علی الاصغرؒ تک پہنچاتے ہیں، جیسا کہ المعقبون، عمدۃ الطالب اور دیگر معتبر کتبِ انساب میں تصریح موجود ہے۔

اہم ربط: چشتی، مودودی و بخاری سادات

حضرت سید عبد اللہؒ کی نسل میں ایک اہم شاخ حضرت محمد ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت محمد سامان شقلانی کے ذریعے آگے بڑھی، جن کے فرزند تھے:

- حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتیؒ

آپ کو چشتی سلسلہ تصوف کے اصل بانی مانا جاتا ہے۔

آپ کی اولاد سے ساداتِ نقوی مودودی چلی، جنھوں نے ہندوستان، افغانستان اور ایران میں عظیم روحانی خدمات انجام دیں۔

اسی خاندان کی دوسری شاخ سے سادات بخاریہ کا سلسلہ چلا، جن کی شناخت آج بھی اوچ شریف، ملتان اور سرزمینِ پنجاب سے ہے۔

ساداتِ نقوی میں سب سے بڑی تعداد بخاری نقوی سادات کی ہے۔ سادات کے سب سے قدیم، مستند شجرہ جات، تاریخی ریکارڈز اور وہ اصل تبرکات جو حضور اکرم ﷺ، اہلِ بیت اطہارؑ اور آئمہ طاہرینؑ سے منسوب ہیں، وہ بھی خاص طور پر بخاری نقوی سادات کے پاس محفوظ ہیں۔ پاکستان میں سادات کا روحانی و تاریخی مرکز بھی 'اوچ شریف' ہی ہے۔

تاریخی اہمیت

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر نہ صرف نسبی لحاظ سے عظیم المرتبت تھے، بلکہ ان کی نسل نے اسلامی تاریخ میں روحانیت، دعوت، تصوف، علم اور اخوت کی وہ بنیاد رکھی جو بعد کے تمام سلسلوں کے لیے مشعل راہ بنی۔

تذکرہ اولیاءِ کرام و مشائخ طریقت

ساداتِ نقوی مودودی شاخ مشائخِ چشت

حضرت خواجہ سید ابو یوسف ناصرالدین چشتیؒ، حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتیؒ

ساداتِ حسینیہ کی برگزیدہ شاخ نقوی مودودی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس سے وابستہ مشائخ نے نہ صرف روحانیت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں بلکہ سلسلہ چشتیہ کے قیام، استحکام اور اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی سلسلے کے دو جلیل القدر بزرگ، حضرت خواجہ ابو یوسف ناصرالدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کی روحانی عظمت، نسبی شرافت اور سلسلہ چشتیہ میں مرکزی حیثیت مسلمہ ہے۔

حضرت خواجہ ابو یوسف ناصرالدین چشتیؒ حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے مرید تھے اور سلسلہ چشتیہ کے ابتدائی مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نہایت زاہد، عبادت گزار، باکمال ولی اللہ اور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی روحانی زندگی تقویٰ، طہارت اور تصرفاتِ باطنی سے لبریز تھی۔ آپ کے وصال کے وقت آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت قطب الدین مودود چشتیؒ کو بلایا، انھیں اپنا روحانی جانشین مقرر فرمایا اور سلسلہ چشتیہ کی ذمہ داریاں منتقل فرمائیں۔ آپ کا وصال 4 ربیع الاول 459 ہجری کو 64 سال کی عمر میں ہوا اور آپ کو چشت، ہرات (افغانستان) میں دفن کیا گیا۔

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے یوں ہے:

حضرت خواجہ ابو یوسف ناصرالدین چشتیؒ بن سید ابو محمد سمعان شقلانیؒ بن سید ابراہیمؒ بن سید محمدؒ بن سید عبد اللہؒ بن سید علی اصغرؒ بن سید جعفر ثانیؒ بن حضرت امام علی نقی علیہ السلام۔

اس طرح آپ کا تعلق ساداتِ نقوی کی اس ممتاز شاخ سے ہے جسے بعد میں مودودی بھی کہا جاتا ہے، نسبتاً حضرت قطب الدین مودود چشتیؒ کی طرف۔

حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ نہایت ممتاز روحانی شخصیت تھے، جنھیں سلسلہ چشتیہ میں محوری مقام حاصل ہے۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا پیر و مرشد تھے۔ آپ کی سیرت پاکیزگی، عبادت، باطن نوازی اور روحانی کمالات سے مزین تھی۔ اگرچہ آپ کا تفصیلی سوانحی احوال کتب میں محدود ہے، تاہم معتبر تذکروں میں آپ کی ولایت و کمالات کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کے وصال کا وقت ایک روحانی واردات سے وابستہ ہے: ایک نورانی شخصیت حالتِ نزع میں تشریف لائیں، ایک ریشمی پارچہ پیش کیا جس پر پیغامِ الٰہی درج تھا، آپ نے وہ پارچہ آنکھوں سے لگایا، تبسم فرمایا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ جنازے کے وقت غیبی ندا آئی: سب لوگ پیچھے ہٹ جائیں، یہ اللہ کا ولی اور پیشوائے عالم ہے، جس کے بعد مردانِ غیب نے نمازِ جنازہ ادا کی اور آپ کا جنازہ ہوا میں بلند ہو کر جائے مدفن تک پہنچا۔ آپ کا وصال ماہ رجب 5بیس ہجری میں ہوا اور مدفن چشت، ہرات (افغانستان) میں ہے۔

یہ دونوں مشائخ نہ صرف سلسلہ چشتیہ کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں بلکہ ساداتِ نقوی مودودی شاخ کی روحانی عظمت کا مظہر بھی ہیں، جن کا نسبی شرف اور روحانی فیضان آج تک جاری ہے۔

بعد از حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتیؒ

ائمۂ تصوف کے چار عظیم سلاسل اور ان کے نمائندہ اولیاء

یہ باب مکمل طور تاریخی و تذکرہ جاتی مواد کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قیاسی، غیر ثابت یا مخلوط روایت کو شامل نہیں کیا گیا۔ ہر بزرگ کا تعارف، سوانح، شجرۂ نسب اور شجرۂ طریقت الگ، واضح اور ترتیب میں پیش کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

سلطان الہند، امامِ سلسلۂ چشتیہ فی الہند

حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے سب سے عظیم صوفی بزرگ، سلسلۂ چشتیہ کے سب سے نمایاں امام اور روحانیتِ اسلام کے عالمگیر نمائندہ ہیں۔ آپ فارسی نژاد، اہلِ سنت، متصوف، عالم، واعظ اور زاہد تھے۔ آپ نے برصغیر میں تصوفِ چشتیہ کو محبت، خدمت اور رواداری کے ذریعے فروغ دیا۔

ولادت

آپ کی ولادت چودہ رجب 536 ہجری بمطابق 1141/1143ء کے قریب سیستان خراسان، ایران میں ہوئی۔ بچپن کا نام حسن تھا۔

والدین

- والد: سید غیاث الدین تاجر، زاہد و متقی
- والدہ: بی بی سیدہ ماہ نور صالحہ و عابدہ

شجرۂ نسب

حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین عبد اللہ بن سید الکریم عبد الرحمٰن بن سید محمد اکبر بن سید علی بن سید جعفر بن سید باقر بن سید محمد بن سید علی بن سید احمد بن سید ابراہیم المرتضیٰ الاصغر بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

تعلیم و تربیت

ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ کم عمری میں والدین کا وصال ہوا۔ وراثت میں ملنے والا باغ و چکی فروخت کر کے مال راہِ خدا میں تقسیم کیا۔ علومِ ظاہری کے لیے سمرقند و بخارا تشریف لے گئے جہاں قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر میں کمال حاصل کیا۔

بیعت و سلوک

بعد ازاں حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتیؒ سے بیعت کی۔ تقریباً اڑھائی سال مرشد کی خدمت، مجاہدہ اور ریاضت میں گزارے۔ حرمِ نبوی ﷺ میں روحانی بشارت حاصل ہوئی:

> وعلیکم السلام یا سلطان الہند

اسفار

بغداد، تبریز، اصفہان، خراسان، ہرات، سبزوار، استرآباد اور دیگر علاقوں میں قیام فرمایا۔ شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور دیگر اکابر سے ملاقاتیں ہوئیں۔

ہندوستان میں آمد و دعوت

سلطان التتمش کے دور میں ہندوستان آئے اور بالآخر اجمیر کو مرکز بنایا۔ محبت، مساوات، خدمتِ خلق اور اخلاق کے ذریعے لاکھوں افراد کو اسلام سے روشناس کرایا۔

خلفا

- قطب الدین بختیار کاکی
- بابا فرید الدین گنج شکر
- حمید الدین ناگوری
- دیگر

تصنیفات

- انیس الارواح
- گنج اسرار
- دلیل العارفین
- بحر الحقائق
- اسرار الواصلین
- دیوانِ معین الدین چشتی (فارسی)

وصال

اختلافِ روایت کے ساتھ چھ رجب 627ھ تا 633ھ کے درمیان۔

مزار

درگاہ اجمیر شریف۔

شجرۂ طریقت (چشتیہ)

حضرت محمد ﷺ ← حضرت علیؓ ← حضرت حسن بصریؒ ← حضرت عبد الواحد بن زیدؒ ← حضرت فضیل بن عیاضؒ ← حضرت ابراہیم بن ادہمؒ ← حضرت ابو حفص حدّاد نیشاپوریؒ ← حضرت حذیفہ مرعشیؒ ← حضرت ابو ہبیرہ بصریؒ ← حضرت ممشاد علوی دینوریؒ ← حضرت ابو اسحاق شامیؒ ← حضرت ابو احمد ابدالؒ ← حضرت ابو محمد عبدل چشتیؒ ← حضرت ناصرالدین ابو محمد چشتیؒ ← حضرت قطب الدین مودود چشتیؒ ← حضرت شریف زندانیؒ ← حضرت عثمان ہارونیؒ ← حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

غوثِ اعظم، امامِ سلسلۂ قادریہ

ولادت

یکم رمضان 470ھ / 1078ء، گیلان (ایران)

وصال

11 ربیع الثانی 561ھ / 1166ء، بغداد۔

شجرۂ نسب

پدری

حضرت سید عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ بن سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست بن سید عبد اللہ بن سید یحییٰ الزاہد بن سید محمد بن سید داود بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبد اللہ ثانی بن سید موسیٰ الجون بن سید عبد اللہ المحض بن امام حسن مثنّیٰ بن امام حسن مجتبیٰ بن حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

مادری

حضرت سید عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ اُمّ الخیر فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا تھیں، جن کا نسب حسبِ روایت درج ذیل ہے:

سیدہ اُمّ الخیر فاطمہ بنت سید عبد اللہ سومی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

علمی و روحانی مقام

فقہ حنبلی، حدیث، تصوف میں امام۔ بغداد میں وعظ و اصلاح کا مرکز قائم کیا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لقب ان کی ہمہ گیر روحانی قیادت، اصلاحِ باطن اور اولیائے امت پر فیض رسانی کے باعث عطا ہوا۔ آپ کی ذات نے نہ صرف سلسلۂ قادریہ کی بنیاد رکھی بلکہ بعد کے متعدد صوفی سلاسل اور اولیائے کرام، خصوصاً برصغیر کے مشائخ، آپ کے افکار سے متاثر ہوئے۔ بغداد میں آپ کی دعوت نے معاشرتی اصلاح، علمِ شریعت اور تصوف کو یکجا کیا اور آپ کی روحانی عظمت کا اظہار اس مشہور قول سے بھی ہوتا ہے:

> قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ

جو آپ کے مقامِ غوثیت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

غوثِ اعظم کا مشہور فرمان

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

> قبرِ امام حسینؑ پر اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے مقرر کیے ہیں، جو قیامت تک روتے رہیں گے۔

تصنیفات

- غنیۃ الطالبین
- فتوح الغیب
- الفتح الربانی
- بہجۃ الاسرار
- جلاء الخاطر

شجرۂ طریقت (قادریہ)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ← حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ← حضرت حسن بصریؒ ← حضرت حبیب عجمیؒ ← حضرت داود طائیؒ ← حضرت معروف کرخیؒ ← حضرت سری سقطیؒ ← حضرت جنید بغدادیؒ ← حضرت ابو سعید المبارک مخزومیؒ ← حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید شاہ حسین عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

علمبردارِ سلسلۂ قلندریہ

ولادت

538 ھ / 1177ء، مروند (آذربائیجان/افغانستان)

وصال

21 شعبان 673ھ / 1274ء، سیہون شریف۔

شجرۂ نسب

حضرت سید شاہ حسین مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام

مقام و دعوت

سیہون شریف کو مرکز بنایا۔ مذہبی رواداری، عشقِ الٰہی اور فقر کی تعلیم دی، لعل شہباز قلندر آپ کا عرفی اور روحانی لقب ہے، جس سے آپ تاریخ اور عوام میں مشہور ہوئے کتبِ تذکرہ کے مطابق حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ قلندریہ سے وابستہ تھے، جبکہ بعض معتبر مصادر میں آپ کی طریقتی نسبت سلسلۂ قادریہ سے بھی بیان کی گئی ہے مروند کو بعض مصادر میں مرند یا میوند بھی کہا گیا ہے، جو تاریخی طور پر آذربائیجان کے قدیم علاقوں میں شمار ہوتا ہے، اسی نسبت سے آپ مروندی کہلاتے ہیں آپ کی سیہون شریف میں اقامت نے اس خطے کو روحانی مرکز کی حیثیت دی، جہاں آپ کی دعوت کے ذریعے اصلاحِ معاشرہ اور باطنی تربیت کا سلسلہ قائم ہوا اگرچہ بعض کتب میں تاریخِ وصال کے حوالے سے اختلاف ملتا ہے، تاہم معتبر تحقیق کے مطابق 21 شعبان 673ھ کو آپ کا وصال تسلیم کیا جاتا ہے۔

شجرۂ طریقت (قلندریہ و قادریہ)

حکیم فتح محمد سیوہانی نے اپنی تصنیف "قلندرنامہ" میں حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ طریقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت قلندر مروندی سیوہانی کا سلسلۂ قلندری، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے واسطے سے سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس بیان کے مطابق یہ سلسلہ سید جمال کے ذریعے حضرت علی بن موسیٰ رضا، امام جعفر صادق، امام زین العابدین اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم سے ہوتا ہوا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل ہے۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ طریقت کے حوالے سے بعض اسماعیلی مصادر میں آپ کو اپنا صوفی بزرگ تسلیم کیا گیا اور بعض تاریخی بیانیوں میں آپ کا تعلق قرامطہ سے جوڑا گیا، بالکل اسی طرح جیسے حضرت شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی تاریخ میں ایسی فکری نسبتیں ملتی ہیں۔ یہ نسبتیں دراصل ان عظیم صوفی شخصیات کی فکری وسعت، انقلابی روح اور روایت شکن کردار کی عکاسی کرتی ہیں، نہ کہ کسی محدود مسلکی یا فقہی وابستگی کی نشان دہی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندرؒ اور حضرت شاہ شمس تبریزؒ دونوں ایسی عالمگیر روحانی ہستیاں ہیں جنھوں نے اپنے عہد کے فکری سانچوں کو توڑا اور محبت، رواداری اور انسانیت کا ایسا پیغام دیا جو ہر فقہ، ہر مسلک اور ہر مذہب کے انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے چاہنے والے صرف کسی ایک مذہبی یا فقہی دائرے تک محدود نہیں، بلکہ مختلف عقائد اور تہذیبوں میں ان کی عقیدت یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ متعدد تذکرہ نگاروں نے حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی طریقتی نسبت سلسلۂ قادریہ سے بھی بیان کی ہے۔ شہزادہ دارا شکوہ نے اپنی تصنیف "تذکرہ الفقرہ" میں جو شجرۂ طریقت نقل کیا ہے، اس کے مطابق حضرت عثمان مروندی قلندر شہباز کا سلسلۂ طریقت بالواسطہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مل جاتا ہے۔

ڈھائی قلندر اور مفہومِ قلندری

حضرت سید شاہ حسین عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ مشہور ڈھائی قلندروں میں شمار ہوتے ہیں، تصوفی روایت میں ڈھائی قلندر اُن عظیم صوفی شخصیات کے مجموعے کو کہا جاتا ہے جنھوں نے فقر، تجرد اور عشقِ الٰہی کے ذریعے قلندرانہ طرزِ حیات کو فروغ دیا۔ اس روایت کے مطابق ڈھائی قلندر میں تین بزرگ شامل ہیں:

- حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا۔

حضرت لعل شہباز قلندرؒ اور حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کو دو مکمل قلندر تسلیم کیا جاتا ہے، جبکہ حضرت بی بی رابعہ بصریؒ کو آدھی قلندر قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں آدھی سے مراد کسی درجے یا مقام میں کمی نہیں، بلکہ اس سے حضرت رابعہ بصریؒ کی وہ منفرد روحانی شان مراد ہے جس میں انھوں نے ظاہری قلندرانہ مظاہر کی بجائے زہد، خاموش عبادت اور خالص عشقِ الٰہی کے ذریعے تصوف کو ایک نئی گہرائی عطا کی۔

یوں ڈھائی قلندر کی یہ روایت اس حقیقت کی نمائندہ ہے کہ تصوف میں روحانی کمال کا تعلق ظاہر یا رسم سے نہیں، بلکہ اخلاص، فقر اور محبتِ الٰہی سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان تینوں ہستیوں کو مختلف ادوار میں قلندرانہ روح کا نمائندہ سمجھا گیا۔

علامہ آصف علوی بیان کرتے ہیں کہ وقت کے ایک عظیم فقیر کا نام حضرت شاہ حسین تھا بعض لوگوں نے سازش کے تحت ان کا نام عثمان مروندی بتایا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا اصل نام حسین تھا یہ بزرگ، حضرت ابراہیم کبیر کے فرزند تھے اور ابراہیم کبیر، حضرت ابراہیم مُجاب کے صاحبزادے تھے حضرت ابراہیم مُجاب وہ ہستی ہیں جو آج بھی امام حسینؑ کے پہلو میں آرام فرما ہیں انھیں مُجاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھیں جواب دیا جاتا تھا روایت ہے کہ حضرت ابراہیم مُجاب جب امام حسینؑ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتے تو قبرِ مبارک سے جواب آتا:

> وعلیکم السلام ابراہیم

یہ جواب صرف حضرت ابراہیم ہی نہیں سنتے تھے بلکہ جو بھی حرم میں نماز پڑھ رہا ہوتا، وہ سب اس آواز کو سنتے تھے اسی وجہ سے عربوں نے ان کا لقب ابراہیم مُجاب رکھا یہ وہی ابراہیم ہیں جنھیں امام حسینؑ جواب عطا فرمایا کرتے تھے ایک دن حضرت ابراہیم مُجاب، امام حسینؑ کی قبرِ مبارک پر بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے سلام عرض کیا، مگر سلام کے بعد ادب سے بے اختیار اسی لمحے امام حسینؑ کی آواز آئی:

> اے ابراہیم، واپس لوٹ جاؤ، میں تمھیں ایک بیٹا عطا کروں گا وہ بیٹا فرشتوں کے پروں کے صدقے پروان چڑھے گا، جنت میں پرواز کرے گا اور زمانہ اسے شہباز کہے گا۔

یہی وہ بشارت تھی جس سے آگے چل کر شہباز قلندرؒ کی آمد ہوئی۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اولیاء کی عطا پیدا نہیں ہوتی، نازل ہوتی ہے۔ جس گھر پر عطا نازل ہو، وہاں عام حساب کتاب لاگو نہیں ہوتا۔

بعد ازاں یہ شہباز، سلطان دولت پور کے نواسے کہلائے اور دولت پور سے ہجرت کر کے شاہ جمال مُجر کی درگاہ پر پہنچے وہاں قلندری دیوانے جمع تھے اور دو عظیم فقیر بھی موجود تھے:

- حضرت جلال الدین حیدر سرخ پوشؒ، جو ساداتِ نقوی بخاری کے جدِّ امجد تھے۔

اس درگاہ میں ایک دیگ مسلسل گرم رہتی تھی لوگ منتیں مان کر لکڑیاں ڈال جاتے تھے اور تیل ہمیشہ کھولتا رہتا تھا جب قلندر آئے تو انھوں نے اپنے قدم اس دیگ میں رکھ دیے۔

شاہ جمال مُجر نے فرمایا:

> اپنے پاؤں باہر نکالو، میں تمھارے ہی انتظار میں تھا۔

قلندر نے عرض کیا:

> میرے مرشد نے مجھے آپ کی بارگاہ میں بھیجا ہے میں فقیری لینے آیا ہوں۔

شاہ جمال مُجر نے فرمایا:

> فقیری لینی ہے تو اس دیگ میں اترنا ہوگا شریعت والوں سے میں معذرت چاہتا ہوں، اب عشق کی بات ہے جہاں شریعت رکتی ہے، وہاں عشق کی پرواز شروع ہوتی ہے۔

حضرت جلال الدین حیدر سرپوش آگے بڑھے، مگر شہباز قلندر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور فرمایا:

> آپ پیچھے رہیں، آپ کی پشت پر سوا لاکھ فقیر ہیں۔

قلندر وہ ہوتا ہے جس نے جس نے کبھی شادی نہ کی ہو یہ کہہ کر شہباز قلندر نے گرم تیل کی دیگ میں چھلانگ لگا دی کتابوں میں اس قیام کی مدت مختلف بیان ہوئی ہے کسی نے چند ماہ لکھے، کسی نے برس اور کسی نے طویل مدت آخرکار شاہ جمال مُجر نے فرمایا:

> باہر آ جاؤ، اب تم سرخ ہو چکے ہو اب تم لال ہو گئے ہو

جیسے ہی قلندر باہر آئے، درختوں کے پتوں سے آوازیں آنے لگیں:

> باجا قلندر، باجا قلندر

یوں کائنات کے فقیر جمع ہو گئے اور لال شہباز قلندر کی قلندری پہچان قائم ہوئی۔

حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ

امامِ سہروردیہ فی السند وپنجاب

حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ میں میرِ سرخ، میرِ بزرگ، مخدوم الاعظم، سرخ پوش، حیدرِ ثانی اور جلال گنج جیسے القابات سے بھی معروف ہیں، جو آپ کے روحانی جلال، شجاعتِ باطن اور فقرِ قلندرانہ کی علامت سمجھے جاتے ہیں آپ برصغیر میں نقوی بخاری سادات کے اولین بزرگ شمار ہوتے ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو نقوی بخاری خاندان کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے، جس کی نسل بعد میں سندھ، پنجاب اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلی۔

ولادت

595 ھ / 1199ء، بخارا

شجرۂ نسب

جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری بن سید علی المؤید بن سید جعفر بن سید محمد بن محمود بن احمد بن عبد اللہ بن علی اصغر بن جعفر ثانی بن امام علی نقی الہادی علیہ السلام۔

دعوت و مرکز

اچ شریف، سندھ و پنجاب میں اسلام کی اشاعت۔

وصال

19 جمادی الاول 690ھ / 1291ء، اچ شریف۔

شجرۂ طریقت (سہروردیہ جلالیہ)

محمد ﷺ ← علیؓ ← حسن بصری ← جنید بغدادی ← ابو القاسم قشیری ← ابو علی فارمدی ← ابو نجیب سہروردی ← شہاب الدین عمر سہروردی ← بہاء الدین زکریا ملتانیؒ ← جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ

ہم عصر اولیاء کے ساتھ نسبت

آپ اُن عظیم اولیائے کرام میں شامل تھے جو ایک ہی دور میں:

- حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی
- حضرت سید عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر
- حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمہم اللہ

کے ساتھ ریاضت و مجاہدات میں مشغول رہے۔

طریقت کے اعتبار سے حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ سہروردیہ سے وابستہ تھے اور حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و روحانی حلقۂ ارادت میں تدریس اور مجاہدہ فرماتے رہے۔

حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد و نسل میں کثیر تعداد اُن سادات کی بھی پائی جاتی ہے جو فقہی و اعتقادی طور پر مکتبِ اثنا عشری تشیع سے وابستہ ہیں۔ اس ضمن میں نقوی بخاری سادات کے ہاں آپ کی شخصیت کے بارے میں دو نمایاں نظریات ملتے ہیں۔

پہلے نظریے کے مطابق حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ سہروردیہ کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں اور آپ کو اس سلسلے میں خلافت حاصل تھی۔ اسی نسبت سے آپ کا روحانی حلقۂ حق چار یار کے عنوان سے معروف رہا۔ اس نظریے کے حاملین کے مطابق آپ کی سب سے زیادہ قربت اور روحانی رفاقت حضرت سید عثمان مروندی المعروف لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے رہی، یہاں تک کہ اولیائے کرام کے مابین باہمی محبت اور دوستی کی مثال اکثر حضرت سرخ پوش بخاریؒ اور حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی رفاقت سے دی جاتی ہے۔

دوسرے نظریے کے مطابق حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ بنیادی طور پر ایک عارفِ کامل تھے اور فقہی و مسلکی اعتبار سے وہ نہ سنی تھے اور نہ کسی صوفی سلسلے کی روایتی شناخت کے پابند، بلکہ وہ شیعہ امامیہ اثنا عشری عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ نقطۂ نظر نقوی بخاری سادات کے بعض مستند شجروں اور تاریخی تصانیف میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً کتاب تاریخِ جلالیہ مع اضافۂ نقوی بخاری سادات اولاد حضرت سید محمد شاہ بخاری المعروف موجِ دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ: شجرہ و حالات، تالیف شہید سید بشیر حسین بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مع حواشی و اضافات حافظ سید مہدی مرتضیٰ بخاری، صفحہ 115 پر اس امر کی صراحت ملتی ہے کہ حضرت سید جلال الدین البخاری النقوی رحمۃ اللہ علیہ شیعہ امامیہ اثنا عشری تھے اسی روایت کے مطابق آپ کو شہرِ بخارا میں ناصبی عناصر کی جانب سے شدید اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں آپ نے جلاوطنی اختیار کی اور کابل تشریف لے گئے، تاہم وہاں بھی اسی نوع کی مخالفتوں کے باعث بالآخر اوچ شریف کو اپنی مستقل سکونت کے لیے اختیار کیا مزید برآں اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ بھی اعتقادی طور پر اثنا عشری تھے، نہ کہ سنی اس موقف کی تائید میں مزید تاریخی حوالہ قاضی نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف مجالس المؤمنین سے بھی دی جاتی ہے، جہاں اسی مکتبِ فکر سے وابستگی کا ذکر ملتا ہے۔ نیز کتاب براہینِ انصاف صفحہ 47 کو بھی بطور حوالہ پیش کیا گیا ہے، جبکہ بعض نقوی بخاری شجرے اور خاندانی تواریخ اس روایت کو مزید آگے تک نقل کرتی ہیں۔

اس بات کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ یہاں زیادہ تر اختلافات پائے جاتے ہیں اور یہاں مؤلف کی جانب سے اپنا کوئی نظریہ پیش کرنے کی بجائے دوسروں کے عقائد بیان کیے گئے ہیں۔

سلسلۂ جلالیہ وقت کے ساتھ اس مرحلے تک پہنچ چکا ہے کہ اس میں پیری و مریدی کا ایک باقاعدہ اور منظم تسلسل اس انداز سے قائم ہو چکا ہے کہ جو بظاہر مکمل مکتبِ تشیع کے نظام سے مشابہ دکھائی دیتا ہے۔ اس تناظر میں یہ بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ متعدد ایسے پیر و مریدین موجود ہیں جو فقہی اعتبار سے اثنا عشری تشیع سے وابستہ ہونے کے باوجود تصوف کے مختلف سلاسل میں خلافت اور روحانی تربیت کا منصب بھی رکھتے ہیں۔ کئی علاقوں میں یہ صورتِ حال واضح طور پر نظر آتی ہے کہ تصوف کو اثنا عشری شرعی دائرۂ فکر کے اندر رکھ کر اختیار کیا جا رہا ہے۔ اسی طرز پر دیگر سادات خاندانوں میں بھی یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ سلاسلِ تصوف اور مکتبِ اثنا عشری کو ساتھ لے کر چلنے کی روایت مضبوط ہو چکی ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال ساداتِ جعفری شمسی ہیں، جو ان دونوں روحانی و فکری تسلسلوں کو یکجا رکھتے ہوئے آگے بڑھا رہے ہیں۔

روایات اور خاندانی تواریخ کے مطابق حضرت سید جلال الدین حسین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں متعدد اسفار اور ہجرتیں شامل رہیں۔ بخارا سے روانگی کے بعد آپ نے مختلف ادوار میں حجازِ مقدس (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ)، ایران اور عراق کے علاقوں میں قیام فرمایا، جہاں آپ نے علمی و روحانی استفادہ بھی کیا اور دعوتِ دین کا فریضہ بھی انجام دیا۔ بعد ازاں آپ برصغیر تشریف لائے اور سندھ، پنجاب اور ہند کے متعدد علاقوں میں تبلیغ و ارشاد فرماتے ہوئے بالآخر اوچ شریف کو اپنی مستقل سکونت کے لیے اختیار کیا۔ اوچ شریف میں آپ کی اقامت نے اس خطے کو ایک اہم روحانی مرکز کی حیثیت عطا کی، جہاں سے آپ کی دعوت، نسبت اور نسل نے آگے چل کر وسیع دائرے میں اثرات مرتب کیے۔ ہوئی۔

تبلیغی اثرات

آپ نے سندھ اور پنجاب کے مختلف علاقوں میں طویل تبلیغی اسفار کیے، جن کے نتیجے میں سومرو، چدڑ، مزاری، وارن اور دیگر قبائل کی بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔

خلاصۂ جامع

یہ چاروں عظیم اولیاء چار مختلف سلاسل کے نمائندہ ہیں، مگر ان سب کا سرچشمہ قرآن، سنت اور اہلِ بیتؑ کی محبت ہے۔ یہی تصوفِ اسلامی کی وحدت اور امت کی روحانی طاقت کا اصل راز ہے۔

حوالہ جات

- روضۃ الاقطاب (پیر ڈاکٹر سید فہیم رضا کاظمی چشتی اجمیری حفظہ اللہ)
- المعقبون من آل ابی طالب (سید مہدی رجائی، جلد دوم، صفحات 330–332)
- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ الحسنی)
- المجدی فی انساب الطالبین (ابو الحسن عمری)
- لباب الانساب (ابن فندق بیہقی)
- سیر الاولیاء چشتیہ
- تذکرۃ الغوثیہ
- فتاویٰ چشتیہ
- تاریخِ جلالیہ مع اضافۂ نقوی بخاری سادات اولاد حضرت سید محمد شاہ بخاری المعروف موجِ دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ: شجرہ و حالات
- تالیف: شہید سید بشیر حسین بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حواشی و اضافات: حافظ سید مہدی مرتضیٰ بخاری
- صفحہ نمبر 115
- مجالس المؤمنین مصنف: قاضی نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ (بحوالہ براہینِ انصاف، صفحہ نمبر 47)

آپ کی اولاد میں حضرت سید احمد کبیر اور حضرت سید محمد غوث جیسی شخصیات شامل ہیں، جبکہ آپ ہی کی نسل سے بعد میں حضرت سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر بزرگ پیدا ہوئے۔

سادات خاندانوں کی تاریخ میں اہلِ تصوف اور مکتبِ اثنا عشری دونوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات پائی جاتی ہیں اسی بنا پر اس کتاب میں دونوں مکتبِ فکر کے جلیل القدر بزرگوں کا ذکر احترام کے ساتھ اور ان کے اپنے عقائد و فکری تناظر کے مطابق کیا گیا ہے۔ یہ اسلوب کسی ایک مکتب کی ترویج، دوسرے کی نفی یا برتری کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ خالصتاً تاریخی امانت، خاندانی نسبت اور علمی دیانت کے تقاضے کے تحت اختیار کیا گیا ہے۔

عرفانِ اثنا عشری اصولی

اہلِ بیتؑ سے ماخوذ ایک مستقل باطنی و روحانی نظام

یہ باب شیعہ اثنا عشری اصولی عرفان کو بطور ایک مکمل، خود مختار اور مستقل روحانی نظام پیش کرتا ہے۔ یہاں نہ تقابل مقصود ہے، نہ کسی مکتبِ فکر کی نفی، بلکہ صرف اس عرفانی روایت کی وضاحت ہے جو براہِ راست اہلِ بیتِ رسولؐ سے اخذ ہوئی، ائمۂ معصومینؑ کے ذریعے منتقل ہوئی اور غیبت کے بعد فقہ و اصول کے زیرِ سایہ ایک منظم علمی و عملی شکل میں باقی رہی۔

عرفان کی تعریف

شیعہ اثنا عشری روایت میں عرفان سے مراد: معرفتِ خدا، معرفتِ نفس، تزکیۂ باطن، فنا فی اللہ و بقا باللہ ہے، مگر یہ سب کچھ شریعتِ محمدی ﷺ اور ولایتِ اہلِ بیتؑ کے دائرے کے اندر انجام پاتا ہو۔

عرفان کوئی جداگانہ دین یا آزاد طریقت نہیں بلکہ دینِ اسلام کا باطنی پہلو ہے۔

اساسِ عرفان: نبوت، ولایت اور امامت

شیعہ عرفان کی اساس تین ستونوں پر قائم ہے:

1. نبوت — شریعت کی بنیاد
2. ولایت — باطنِ نبوت
3. امامت — ولایت کا مسلسل ظہور

اسی بنا پر شیعہ عرفان میں مرشدِ حقیقی ہمیشہ امامِ معصومؑ رہا ہے، کیونکہ وہی ظاہر و باطن دونوں کا کامل وارث ہوتا ہے۔

ائمۂ اہلِ بیتؑ اور عملی عرفان

حضرت امام علیؑ: حضرت امام علیؑ شیعہ عرفان میں قطبِ ولایت اور امام العارفین ہیں۔ نہج البلاغہ توحید، معرفتِ الٰہی، زہد، فقر اور سلوکِ باطن کا اعلیٰ ترین متن ہے۔

حضرت امام زین العابدینؑ: صحیفۂ سجادیہ عرفانِ عملی کی کتاب ہے، جہاں دعا کو معرفت، اخلاق اور سلوک کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ: آپ نے شریعت، عقل اور باطن کو یکجا کیا۔ شیعہ عرفان کی علمی زبان، اصطلاحات اور منہج کی بنیاد آپ کے عہد میں مستحکم ہوئی۔

عرفانی شجرہ (سلسلۂ ولایت)

شیعہ عرفان میں رسمی خانقاہی شجرہ کی بجائے سلسلۂ ولایت ہے، جو یوں بیان کیا جاتا ہے:

محمد ﷺ ← حضرت علیؑ ← حضرت امام حسن مجتبیٰؑ ← حضرت امام حسینؑ ← حضرت امام زین العابدینؑ ← حضرت امام محمد باقرؑ ← حضرت امام جعفر صادقؑ ← حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ← حضرت امام علی رضاؑ ← حضرت امام محمد تقیؑ ← حضرت امام علی نقیؑ ← حضرت امام حسن عسکریؑ ← حضرت امام محمد مہدیؑ

یہی شجرۂ عرفان ہے، یہی شجرۂ ہدایت اور یہی شجرۂ سلوک۔

غیبت کے بعد شیعہ عرفان کا تسلسل

غیبتِ کبریٰ کے بعد شیعہ عرفان منقطع نہیں ہوا بلکہ:

- مرجعیتِ فقہ کے تحت محفوظ رہا
- اہلِ معرفت علما کے ذریعے منتقل ہوا

- کشف و حال کو شریعت کا تابع رکھا گیا

یوں عرفان کبھی فقہ سے جدا نہیں ہوا۔

شیعہ عرفان کے بڑے علمی و عملی نمائندے

- شیخ مفیدؒ — کلام، فقہ اور باطن کے درمیان توازن قائم کیا
- سید مرتضیٰؒ اور شیخ طوسیؒ — عرفان کو نصوصِ اہلِ بیتؑ سے مربوط رکھا
- خواجہ نصیر الدین طوسیؒ — اخلاقِ ناصری کے ذریعے اخلاقی و عرفانی سلوک کو منظم کیا
- ملا صدرا شیرازیؒ (وفات 1050ھ) — حکمتِ متعالیہ کے ذریعے عقل، وحی اور عرفان کو ایک وحدت میں جمع کیا

عملی عرفان (سلوکِ باطنی)

شیعہ عرفان میں سلوک کے مراحل میں شامل ہیں:

- مجاہدۂ نفس
- مراقبہ
- محاسبہ
- ذکرِ قلبی
- التزامِ شریعت
- اطاعتِ امامِ وقت

یہ سب کچھ کسی خانقاہی رسم کے بغیر، انجام پاتا ہے۔

عرفان اور معاشرہ

شیعہ عرفان:

- فرارِ دنیا نہیں سکھاتا
- سماجی ذمہ داری سے الگ نہیں کرتا
- عدل، اخلاق اور شعور کو لازم سمجھتا ہے

اسی لیے بہت سے عرفا مجاہد، فقیہ اور مصلح بھی رہے۔

حالانکہ یہ تمام اوصاف ہمیشہ سے اکابرِ اہلِ تصوف میں پائے جاتے رہے ہیں اور وہ ان سب پر نہایت حسن کے ساتھ عمل پیرا بھی رہے ہیں، مگر جہاں اس فکر و نظام کی اصل جگہ بنتی ہے، وہاں آج اس کی ایک واضح کمی محسوس ہوتی ہے۔

عرفان اور تصوف کا بنیادی فرق

شیعہ اثنا عشری روایت میں باطنی تزکیہ اور روحانی سلوک کو عموماً عرفان کہا جاتا ہے، نہ کہ تصوف۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شیعہ مکتب میں:

- مرشدِ مطلق — امامِ معصومؑ
- بیعت — ولایت و امامت کی اطاعت

- طریقت — شریعت کے اندر باطنی سلوک

اس کے برعکس سنی تصوف میں خانقاہی و سلسلہ جاتی نظام تشکیل پایا جس میں مرشد صوفی بزرگ ہوتے ہے۔

کلاسیکی شیعہ عرفانی مکاتب

مدرسۂ قم و نجف

یہاں عرفان کو ہمیشہ فقہ، اصول اور حدیث کے ساتھ رکھا گیا۔ بے قید وجد، رقص یا حلول جیسے تصورات کو مسترد کیا گیا۔

مدرسۂ حکمتِ الٰہیہ (ایران)

ملا صدرا شیرازیؒ (وفات 1050ھ):

ملا صدرا نے:

- قرآن
- اہلِ بیتؑ کی احادیث
- عقل
- کشف

کو جمع کر کے حکمتِ متعالیہ کی بنیاد رکھی، جو شیعہ عرفان کا سب سے منظم فلسفی اظہار ہے۔

شیعہ عرفان کے اصولی امتیازات

- شریعت کے بغیر کوئی سلوک معتبر نہیں
- امامؑ کے مقابل کسی شیخ کو مطلق اختیار حاصل نہیں
- ولایت مرکز ہے، خانقاہ نہیں
- کشف و کرامت دلیل نہیں، تابعِ شریعت ہیں
- عرفان فرد کی اصلاح ہے، عوامی تماشا نہیں

شیعہ صوفی اور شیعہ عرفانی سلسلے

اہلِ بیتؑ کی مرکزیت، اثنا عشری تشیع یا واضح شیعہ عرفانی شناخت کے حامل

نعمتؒ اللہی سلسلہ

ایران کا سب سے بڑا، قدیم اور مسلسل قائم رہنے والا شیعہ عرفانی سلسلہ ہے، جس کی نسبت شاہ نعمتؒ اللہ ولیؒ سے کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ فقہی اور اعتقادی طور پر اثنا عشری تشیع سے وابستہ رہا اور آج بھی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ ایران اور دیگر خطّوں میں موجود ہے۔

ذہبیہ (ذہابیہ) سلسلہ

یہ سلسلہ روحانی طور پر امام جعفر صادقؑ سے منسوب کیا جاتا ہے اور اثنا عشری شیعہ عرفان کی ایک نمایاں مثال ہے۔ ایران اور خراسان کے علاقوں میں اس سلسلے کو خاص اہمیت حاصل رہی، خصوصاً باطنی سلوک اور معرفتِ نفس کے میدان میں۔

نوربخشیہ سلسلہ

سید محمد نوربخشؒ سے منسوب یہ سلسلہ شیعہ مہدوی اور عرفانی افکار کا حامل ہے۔ ایران، کشمیر اور وسطی ایشیا میں اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں تشیع، عرفان اور باطنی تاویل کا گہرا امتزاج ملتا ہے۔

صفویہ سلسلہ

صفویہ ابتدا میں ایک خالص شیعہ صوفی سلسلہ تھا، جو بعد ازاں صفوی سلطنت کی صورت میں ظہور پزیر ہوا۔ اسی سلسلے کے ذریعے ایران میں اثنا عشری تشیع کو پہلی مرتبہ ریاستی مذہب کا درجہ حاصل ہوا۔ صفویہ نے شیعہ عرفان، فقہ اور سیاست کو ایک منظم فکری ڈھانچے میں ڈھالا۔

حروفیہ (شیعہ عرفانی تحریک)

فضل اللہ استرآبادیؒ سے منسوب حروفیہ ایک واضح شیعہ باطنی و عرفانی تحریک تھی۔ اس تحریک میں اہلِ بیتؑ کی مرکزیت، قرآن کے حروف کی باطنی تاویلات اور معرفتِ الٰہی کے رمزی پہلوؤں پر خاص زور دیا گیا۔

نقطویہ سلسلہ

نقطویہ، حروفیہ کا عرفانی و فکری تسلسل تھا۔ یہ سلسلہ بھی واضح طور پر شیعہ عقائد، باطنی فکر اور رمزی عرفان پر قائم تھا اور صفوی دور سے قبل ایران میں اس کے اثرات نمایاں رہے۔

شیعہ مرکز عرفانی و باطنی تحریکات

یہ کلاسیکی سنی صوفی سلسلوں کا حصہ نہیں رہیں

اکبریہ مکتبِ عرفان

شیخ محی الدین ابن عربی کے نظریۂ وحدت الوجود پر قائم یہ عرفانی مکتب اگرچہ ابتدا میں عمومی اسلامی عرفان کے دائرے میں تھا، تاہم ایران میں اسے شیعہ عرفان نے اپنے فکری سانچے میں جذب کیا اور اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے آگے بڑھایا۔

علیانیہ

یہ ایک امام علیؑ مرکز شیعہ عرفانی و تصوفی گروہ تھا، جسے تاریخی و تحقیقی مصادر میں واضح طور پر شیعہ شناخت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

بابا سامت تحریک

اناطولیہ اور ایران کے تناظر میں سامنے آنے والی یہ ایک شیعہ باطنی و عرفانی تحریک تھی، جس میں تشیع اور عرفانی سلوک کا گہرا امتزاج موجود تھا۔

علوی عرفانی روایت

اہلِ بیتؑ کی مرکزیت، عرفان اور باطنی تعبیرات پر قائم ایک شیعہ میلان رکھنے والی عرفانی برادری ہے۔ یہ کسی صوفی طریقے کے تحت نہیں آتی، بلکہ ایک مستقل عرفانی و مذہبی شناخت رکھتی ہے۔

قرامطہ اور دیگر متفرق شیعہ عرفانی رجحانات

قرامطہ اگرچہ اسماعیلی تشیع سے وابستہ تھے، تاہم ان کے افکار میں اہلِ تصوف کے اکابرین اور عقائدِ تشیع کے ساتھ کئی مشترکہ پہلو نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں، خصوصاً باطنی تعبیر، روحانی مساوات اور ظاہری شریعت سے آگے بڑھ کر معنوی مفہوم پر زور۔

اس کے علاوہ مختلف ادوار میں اور مختلف خطوں میں شیعہ عرفان کی متعدد چھوٹی شاخیں اور مقامی تحریکات بھی موجود رہیں، جو کسی باقاعدہ عالمی سلسلے کی صورت اختیار نہ کر سکیں، مگر فکری و عرفانی سطح پر شیعہ روحانیت کے تسلسل کا حصہ رہیں۔

شیخ مفیدؒ اور مکتبِ اہل بیتؑ شیعہ میں فکری و علمی قیادت

شیخ مفیدؒ کا شمار ان عظیم علما میں ہوتا ہے جنھوں نے دورِ غیبت میں مکتبِ اہلِ بیتؑ کی فکری، اعتقادی اور علمی بنیادوں کو منظم اور مستحکم کیا۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے ممتاز فقہا اور متکلمین میں سے تھے جنھوں نے شیعہ فکر کو ایک واضح، مربوط اور استدلالی قالب عطا کیا۔

آپ کے ہاں مکتبِ اہلِ بیتؑ کی نمائندگی قرآن، سنتِ معصومینؑ اور عقلی استدلال کے ہم آہنگ امتزاج کی صورت میں سامنے آتی ہے، نہ کہ جذباتی یا غیر مستند بیانیوں کی شکل میں۔

شیخ مفیدؒ کی علمی کاوشوں کا مرکز امامت، ولایت اور دینی معرفت کا وہ تصور ہے جو مکتبِ اہلِ بیتؑ کی اساس ہے۔ ایسے دور میں جب مختلف فکری و کلامی رجحانات فعال تھے، آپ نے اس مکتب کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اسے علمی وقار اور فکری اعتماد بھی عطا کیا۔

آپ کی تحریروں میں مکتبِ اہلِ بیتؑ ایک زندہ، متحرک اور عقل و نقل سے ہم آہنگ نظامِ فکر کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ شیخ مفیدؒ نے مکتبِ اہلِ بیتؑ کو محض فقہی یا کلامی دائرے تک محدود نہیں کیا، بلکہ اسے ایک ہمہ گیر دینی منہج کے طور پر پیش کیا، جس میں اخلاق، معرفتِ نفس اور خدا شناسی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہی فکری اساس بعد میں شیعہ عرفانی فکر کی تشکیل میں موثر ثابت ہوئی۔

شیخ مفیدؒ کی سب سے نمایاں خدمت یہ ہے کہ انھوں نے دورِ غیبت میں مکتبِ اہلِ بیتؑ کو مضبوط علمی قیادت فراہم کی۔ ان کے شاگردوں میں سید شریف مرتضیؒ اور سید شریف رضیؒ جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں، جن کے ذریعے یہ مکتب آئندہ صدیوں تک منتقل ہوا۔

یوں شیخ مفیدؒ نہ صرف ایک بڑے عالم تھے بلکہ مکتبِ اہلِ بیتؑ کی تسلسل پزیر علمی قیادت کی ایک مضبوط بنیاد بھی تھے۔

شیخ مفیدؒ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے عالم تھے اور ان کی وفات چار سو تیرہ ہجری میں ہوئی۔ بغداد اس دور میں علمی و کلامی مباحث کا مرکز تھا، جہاں آلِ بویہ کے زمانے میں انھیں علمی آزادی اور سماجی تحفظ حاصل رہا، جو مکتبِ اہلِ بیتؑ کی خدمت کے لیے نہایت اہم ثابت ہوا۔

سید شریف مرتضیؒ اور مکتب اہل بیتؑ کی علمی قیادت

سید شریف مرتضیؒ مکتبِ اہلِ بیتؑ کے اُن جلیل القدر سادات میں سے ہیں جنھوں نے دورِ غیبت میں اس مکتب کی علمی، اعتقادی اور فکری قیادت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ آپ کی تمام علمی کاوشوں کا مرکز مکتبِ اہلِ بیتؑ رہا اور آپ نے اسی مکتب کو دین کی صحیح تعبیر اور فہم کا اصل معیار قرار دیا۔

سید شریف مرتضیؒ کے ہاں اہلِ بیتؑ کی تعلیمات نہ صرف فقہی اور کلامی استدلال کی صورت میں ملتی ہیں بلکہ ایک ہمہ گیر فکری نظام کے طور پر نمایاں ہوتی ہیں۔

سید شریف مرتضیؒ نے ایسے ماحول میں مکتبِ اہلِ بیتؑ کی نمائندگی کی جہاں مختلف فکری دباؤ موجود تھے، مگر آپ نے علمی وقار، مضبوط استدلال اور فکری اعتماد کے ساتھ اس مکتب کو پیش کیا۔

آپ کی تحریروں میں امامت، ولایت اور عدلِ الٰہی کے مباحث مکتبِ اہلِ بیتؑ کی اصل روح کے مطابق سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو سادات اور اہلِ علم دونوں کی سطح پر غیر معمولی قبولیت حاصل رہی۔

اہم بات یہ ہے کہ سید شریف مرتضیؒ نے مکتبِ اہلِ بیتؑ کو کسی محدود حلقے تک مقید نہیں کیا بلکہ اسے ایک منظم، واضح اور تسلسل رکھنے والا علمی منہج بنا کر پیش کیا۔ یہی منہج بعد کے ادوار میں شیعہ فقہ، کلام اور فکری روایت کی بنیاد بنا اور مکتبِ اہلِ بیتؑ کی علمی بالادستی قائم رہی۔

سید شریف مرتضیؒ، جنھیں علم الہدیٰ کے لقب سے جانا جاتا ہے، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے عظیم عالم، متکلم اور فقیہ تھے۔ آپ بغداد کے معروف سادات میں سے تھے، شیخ مفیدؒ کے ممتاز شاگرد اور سید شریف رضیؒ کے بڑے بھائی تھے۔ مکتبِ اہلِ بیتؑ کی علمی تاریخ میں آپ کا مقام ایک مستند اور فیصلہ کن رہنما کے طور پر مسلم ہے۔

سید شریف رضیؒ اور نہج البلاغہ

سید شریف رضیؒ مکتبِ اہلِ بیتؑ کے اُن ممتاز علما اور سادات میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے حضرت امام علی علیہ السلام کے خطبات، مکتوبات اور اقوال کو جمع کر کے اسلامی فکر و ادب کی ایک عظیم ترین کتاب نہج البلاغہ مرتب کی۔

یہ خدمت محض ایک ادبی یا تاریخی مجموعہ نہیں تھی بلکہ مکتبِ اہلِ بیتؑ کی علمی، روحانی اور فکری میراث کو محفوظ کرنے کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔

نہج البلاغہ میں توحید، عدل، ولایت، اخلاق، سیاست، زہد، معرفتِ نفس اور انسانی ذمہ داری جیسے موضوعات جس گہرائی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، انھوں نے اسے صرف شیعہ مکتب ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ایک منفرد مقام عطا کیا۔

سید شریف رضیؒ نے نہج البلاغہ کو اس انداز میں مرتب کیا کہ حضرت امام علیؑ کی شخصیت بطور امامِ عدل، امامِ معرفت اور بابِ علمِ نبوی پوری قوت کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

مکتبِ اہلِ بیتؑ میں نہج البلاغہ کو قرآنِ مجید اور احادیثِ معصومینؑ کے بعد فکری و روحانی رہنمائی کے اہم ترین مصادر میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس کتاب نے بعد کے ادوار میں شیعہ عرفان، اخلاق، فقہ، کلام اور سیاسی فکر پر گہرا اثر ڈالا۔

خصوصاً معرفتِ الٰہی، فقر، زہد اور باطنی سلوک کے ابواب نے شیعہ عرفانی روایت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔

سید شریف رضیؒ خود بھی اعلیٰ درجے کے ادیب، شاعر، مفسر اور عالم تھے۔ آپ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں بغداد کے علمی ماحول میں پروان چڑھے اور مکتبِ اہلِ بیتؑ کی علمی روایت کو ایک منظم اور باوقار صورت میں پیش کیا۔

آپ شیخ مفیدؒ کے شاگرد اور سید شریف مرتضیٰؒ کے چھوٹے بھائی تھے اور ان دونوں بھائیوں نے مل کر مکتبِ اہلِ بیتؑ کی علمی تاریخ میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ اور شیعہ علمی و عرفانی فکر

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کا شمار مکتبِ اہلِ بیتؑ کے اُن عظیم مفکرین میں ہوتا ہے جنھوں نے فلسفہ، کلام، فقہ، اخلاق، منطق، ریاضیات اور عرفان کو ایک مربوط علمی نظام میں جمع کیا۔

آپ کی علمی شخصیت صرف شیعہ دنیا تک محدود نہیں رہی بلکہ پورے عالمِ اسلام میں آپ کو ایک ہمہ جہت مفکر اور حکیم کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے مکتبِ اہلِ بیتؑ کی علمی روایت کو عقلی استدلال، فلسفیانہ نظم اور اخلاقی و عرفانی فکر کے ساتھ مضبوط کیا۔ ان کی تحریروں میں دین محض فقہی احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ عقل، معرفت، اخلاق اور روحانی ارتقا کا ایک جامع نظام نظر آتا ہے۔

خصوصاً اخلاقِ ناصری نے اسلامی اخلاقیات اور عرفانی فکر پر گہرا اثر ڈالا، جہاں انسانی نفس، تہذیبِ باطن اور روحانی تکمیل کو نہایت منظم انداز میں بیان کیا گیا۔

آپ نے ایسے دور میں علمی خدمات انجام دیں جب عالمِ اسلام شدید سیاسی و فکری بحرانوں سے گزر رہا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے علم، تحقیق اور تدریس کے ذریعے مکتبِ اہلِ بیتؑ کی فکری روایت کو محفوظ رکھا اور اسے نئی علمی جہات عطا کیں۔

مراغہ کی عظیم رصدگاہ کا قیام بھی آپ ہی کی کوششوں سے ممکن ہوا، جہاں مختلف علوم کے ماہرین کو جمع کیا گیا۔

عرفانی اعتبار سے خواجہ نصیر الدین طوسیؒ نے عقل اور باطن کے درمیان توازن قائم کیا۔ ان کے ہاں معرفتِ الٰہی، تہذیبِ نفس اور اخلاقی ارتقا شریعت اور عقل کے دائرے کے اندر رہتے ہیں اور یہی پہلو بعد کے شیعہ عرفانی مکاتب پر اثر انداز ہوا۔

خواجہ نصیر الدین طوسیؒ ساتویں صدی ہجری کے عظیم عالم تھے۔ آپ کی ولادت 597 ہجری میں طوس میں ہوئی اور وفات 672 ہجری میں بغداد میں ہوئی۔ آپ کی علمی خدمات نے مکتبِ اہلِ بیتؑ کو فلسفیانہ اور عقلی سطح پر غیر معمولی استحکام عطا کیا۔

ملا صدرا شیرازیؒ اور حکمتِ متعالیہ

ملا صدرا شیرازیؒ شیعہ اسلامی فلسفہ، عرفان اور حکمت کے سب سے مؤثر مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے فلسفہ، عرفان، قرآن اور مکتبِ اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کو جمع کر کے ایک ایسا فکری نظام تشکیل دیا جسے حکمتِ متعالیہ کہا جاتا ہے۔

یہ نظام صرف فلسفیانہ بحث نہیں بلکہ عقل، وحی، باطن اور روحانی تجربے کے امتزاج پر قائم ایک مکمل دینی و عرفانی منہج ہے۔

ملا صدرا کے نزدیک حقیقتِ وجود، معرفتِ نفس اور قربِ الٰہی انسان کی روحانی تکمیل کے بنیادی مراحل ہیں۔ ان کی فکر میں انسان صرف ایک جسمانی وجود نہیں بلکہ ایک مسلسل روحانی سفر کا مسافر ہے، جو علم، تزکیہ اور معرفت کے ذریعے کمال کی طرف بڑھتا ہے۔

انھوں نے وجود، حرکتِ جوہری، نفس اور مراتبِ ہستی جیسے موضوعات کو نئے انداز میں پیش کیا، جس نے اسلامی فلسفے اور شیعہ عرفان دونوں پر گہرا اثر ڈالا۔

ملا صدرا کی فکر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے:

- قرآن
- احادیثِ اہلِ بیتؑ
- عقلی استدلال
- عرفانی مشاہدہ

کو ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ہم آہنگ حقیقتوں کے طور پر پیش کیا۔

اسی وجہ سے ان کی حکمت کو شیعہ علمی روایت میں ایک بلند مقام حاصل ہوا۔

اگرچہ ان کی بعض آراء پر علمی مباحث بھی ہوئے، مگر مجموعی طور پر ملا صدرا شیرازیؒ کو شیعہ فلسفیانہ و عرفانی روایت کا سب سے نمایاں نمائندہ تصور کیا جاتا ہے۔

آپ گیارہویں صدی ہجری کے عالم تھے۔ ولادت تقریباً 979 ہجری میں شیراز میں ہوئی جبکہ وفات 1050 ہجری میں بصرہ کے قریب سفرِ حج سے واپسی پر ہوئی۔ آپ کی تصنیف الاسفار الاربعۃ اسلامی فلسفہ اور شیعہ عرفان کی اہم ترین کتب میں شمار ہوتی ہے۔

حضرت سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ علیہ الرحمہ

حضرت سید احمد شاہ علیہ الرحمہ، حضرت سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی کی نسل سے تھے۔ آپ کا شمار ان بزرگ اور محترم سادات میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ صرف اپنی ذاتی علمی و روحانی حیثیت کے ذریعے مقام حاصل کیا، بلکہ آپ کی نسل نے بھی وسیع علاقوں میں دین اسلام، روحانیت اور شریعت کی خدمت انجام دی۔

قدیم معتبر کتبِ انساب جیسے عمدۃ الطالب، المعقبون اور المجدی کے مطابق حضرت سید احمد بن عبد اللہؒ نے انفرادی ہجرت کے ذریعے ماوراءالنہر کا رخ کیا اور بخارا کو اپنا مرکز بنایا۔ ان مصادر میں والد، بھائی یا کسی بڑے خاندانی قافلے کے ہمراہ بخارا آنے کی کوئی صریح روایت موجود نہیں۔

یہ ہجرت بنیادی طور پر علمی و دعوتی مقاصد، نسبی تحفظ (خصوصاً عباسی دور کے بعد کے حالات) اور سیاسی دباؤ سے دوری کے تناظر میں تھی۔ اس عہد میں اس نوعیت کی ہجرتیں عموماً فرداً فرداً وقوع پزیر ہوتی تھیں، نہ کہ پورے قبیلے یا خاندان کی اجتماعی نقل مکانی کی صورت میں۔

نسبی تسلسل

سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی بن ابی طالب علیہم السلام

سیرت و مقام

حضرت سید احمد شاہ علیہ الرحمہ ایک صاحبِ حال، علم دوست اور متقی شخصیت کے طور پر معروف تھے۔ ان کی زندگی زہد و تقویٰ، خدمت خلق اور روحانی رشد و ہدایت سے معمور تھی۔

- آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوں سے حاصل کی اور طریقت و شریعت دونوں میں مہارت پائی۔
- آپ کو صوفیا اور علما دونوں حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

نسل

حضرت سید احمد شاہ کی اولاد نے مختلف علاقوں میں اقامت اختیار کی، خصوصاً:

ترکستان، خراسان، ماوراء النہر، بعد ازاں پنجاب، ملتان، اوچ شریف اور ہند کے مختلف خطے

اسی نسل سے بعد کے بزرگوں میں:

- سید محمود شاہ
- سید محمد شاہ
- سید جعفر شاہ

اور آخرکار حضرت سید ابو المؤید علی بخاری جیسے اکابر پیدا ہوئے، جن سے آگے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی ولادت ہوئی۔

حوالہ جات

- المعقبون من آل ابی طالب (سید مہدی رجائی، جلد دوم)
- عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عنبہ الحسنی)
- المجدی فی انساب الطالبین (ابو الحسن عمری)
- تذکرۂ ساداتِ بخاری و جلالی خانوادہ اوچ شریف
- تحقیقاتی حواشی و خاندانی شجرہ جات و مخطوطاتِ ساداتِ بخاریہ

حضرت سید محمود بن سید احمد شاہ علیہ الرحمہ

حضرت سید محمود بن سید احمد شاہ علیہ الرحمہ، ساداتِ بخاریہ کے ان جلیل القدر بزرگان میں شامل ہیں جنھوں نے نسب، علم، روحانیت اور زہد میں اپنی مثال آپ چھوڑ دی۔ آپ نہ صرف اولادِ جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام سے ہیں بلکہ سادات بخاری کی مرکزی نسبی زنجیر میں ایک کلیدی مقام رکھتے ہیں۔

نسبی تسلسل

حضرت سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام تھے۔

مقام و مرتبہ

حضرت سید محمود علیہ الرحمہ کے بارے میں مخطوطات اور قدیم تذکروں میں درج ہے کہ آپ ایک باکمال، عارف اور متواضع بزرگ تھے۔

- آپ کے مزاج میں صوفیانہ سکون، درویشی اور قربِ الٰہی کا رجحان غالب تھا۔
- آپ کی مجالس میں ذکر، اذکار، حکمت اور اخلاقی تربیت کا ماحول ہوتا تھا۔

آپ کی روحانی تربیت نے آپ کی نسل کو بھی اثر انداز کیا، جس کے اثرات بعد میں آپ کی اولاد میں حضرت سید علی ابو المؤید بخاری جیسے جلیل القدر بزرگ پیدا ہوئے، جن کے فرزند حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ ساداتِ بخاریہ کے عظیم ترین اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔

وصال و مدفن

قدیم تذکروں کے مطابق حضرت سید محمود کا وصال تاریخ 19 ربیع الآخر میں ہوا۔ آپ کا مزار شریف نزدیکی شہر بخارا یا اس کے نواحی علاقے میں واقع ہے، جہاں زیارت و دعا کے لیے اہلِ دل آج بھی حاضر ہوتے ہیں۔

ماخذ

- عمدة الطالب (ابن عنبہ)
- المعقبون (سید مہدی رجائی)
- لباب الانساب (ابن فندق بیہقی)
- تذکرہ ساداتِ بخاریہ
- قدیم خاندانی مشجرات اوچ و بخارا

حضرت سید محمد بخاری علیہ الرحمہ

حضرت سید محمد بخاری، حضرت سید علی ابو المونید کے والد اور حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا تھے۔ آپ کا شجرہ نسب سید محمد بن سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی اصغر بن جعفر الزکی بن امام علی نقی علیہ السلام ہے۔ آپ سادات بخاریہ کے اس شریف اور روحانی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے بخارا، خراسان اور ماوراء النہر کے خطے میں تصوف، برِّ صغیر اور بعد از دنیا کے مختلف علاقوں میں علم اور دعوتِ دین کے عظیم نقوش چھوڑے۔

حضرت سید محمد بخاری کو ایک متقی، پرہیزگار اور صاحبِ ولایت شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے متعلق تذکرہ جات میں آیا ہے کہ آپ کی مجالس ذکر و حکمت سے بھرپور ہوا کرتی تھیں اور آپ اپنے وقت کے اہلِ باطن اور صاحبِ دل بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔

آپ نے اپنی اولاد کی تربیت میں خاص توجہ دی، جس کا اثر سید علی ابو المونید بخاری اور بعد ازاں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ جیسے اولیائے کامل کی شکل میں ظاہر ہوا۔ آپ کی نسل کو نہ صرف روحانی بلکہ نسبی برتری بھی حاصل تھی اور انھی کے ذریعے سلسلہ جلالیہ و بخاریہ کو تاریخ میں دوام حاصل ہوا۔

اہلِ انساب کے مطابق حضرت سید محمد بخاری کا قیام بخارا اور ماوراءالنہر کے علمی و روحانی ماحول میں رہا، جہاں ساداتِ کی نسبی و دینی روایت محفوظ رہی۔

قدیم مصادر میں حضرت سید محمد بخاری کے حالاتِ زندگی تفصیل سے محفوظ نہیں، تاہم ان کا ذکر معتبر کتبِ انساب میں عقب، تسلسل اور نسبی اعتماد کے ساتھ موجود ہے، جو ان کی تاریخی حیثیت کے لیے کافی ہے۔

حضرت سید جعفر حسینی بخاری علیہ الرحمہ

حضرت سید جعفر حسینی بخاری علیہ الرحمہ، حضرت سید علی ابو المونید بخاری کے والد تھے۔ آپ کا نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ ساداتِ بخاریہ کے اس معزز علوی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے نسل در نسل علمی، روحانی اور نسبی وقار کو محفوظ رکھا۔

آپ ایک نجیب، متقی اور باوقار بزرگ تھے، جنھوں نے نہ صرف اپنے فرزند سید علی ابو المونید بخاری کی علمی و روحانی تربیت فرمائی بلکہ ساداتِ بخاریہ کی خاندانی سیرت اور روایت کو بھی آگے منتقل کیا۔

قدیم خاندانی شجرہ جات، مقامی مخطوطات اور معتبر کتبِ انساب میں آپ کا ذکر ایک اہم نسبی واسطہ کے طور پر محفوظ ہے، جہاں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری علیہ الرحمہ کا شجرہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

اگرچہ آپ کے حالاتِ زندگی، مزار یا تصوف سے متعلق جزئی تفصیلات کتب میں کم ملتی ہیں، تاہم اہلِ نسب کے نزدیک حضرت سید جعفر حسینی بخاری، ساداتِ بخاریہ کے نسبی تسلسل میں ایک مرکزی، قطعی اور مسلم واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت سید علی المعید بخاری علیہ الرحمہ

حضرت سید علی المعید بخاری علیہ الرحمہ ساداتِ حسینیہ کے عظیم روحانی بزرگ تھے جن کا تعلق براہِ راست خانوادۂ نبوت سے تھا۔ آپ امام علی نقی علیہ السلام کے سلسلۂ نسب سے تھے اور امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا نام علی، لقب المعید اور نسبت بخارا سے تھی، جہاں آپ کی ولادت ہوئی اور ابتدائی زندگی گزری۔

آپ کو سب سے زیادہ شہرت حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے والد کے طور پر حاصل ہے، جنھوں نے برصغیر پاک و ہند میں دینِ اسلام اور سلسلۂ سہروردیہ کی تبلیغ میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

حضرت سید علی المعید نے اپنے فرزند کو بچپن ہی سے تعلیم و تربیت دی اور انھی کی سرپرستی میں سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روحانی منازل طے کیں۔ یہ خاندانی شجرہ مختلف تذکروں میں ملتا ہے، مثلاً مرآۃ جلالی، تاریخ گلزار شمس اور ملفوظاتِ مخدوم وغیرہ میں۔

حضرت سید علی المعید بخاری کی زندگی کا بڑا حصہ بخارا میں گزرا جہاں آپ نے تعلیم و تبلیغ کے ساتھ ساتھ علمی مجالس کا انعقاد کیا۔ آپ ایک عالم، صوفی اور شفیق باپ کے طور پر مشہور تھے۔ آج بھی محبانِ اہلِ بیت اور سلسلۂ تصوف کے پیروکاروں کے لیے مرکزِ عقیدت ہیں۔

قدیم اور معتبر کتبِ انساب کے مطابق حضرت سید علی ابو المؤید بخاریؒ کے آباء میں حضرت سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن علی الاصغر وہ بزرگ ہیں جنھوں نے فرداً فرداً علمی و دعوتی ہجرت کے ذریعے عراق و حجاز سے ماوراءالنہر کا رخ کیا اور بخارا کو اپنا مستقل مرکز بنایا۔ یہی وہ قیام ہے جس کی نسبت سے اس خاندان کو بعد ازاں ''بخاری'' کہا گیا۔

اس ہجرت کا مقصد نسبی تحفظ، علمی اشاعت اور سیاسی دباؤ سے دوری تھا، جیسا کہ عباسی عہد کے بعد علوی سادات کے ہاں معمول رہا۔ اسی بخارائی قیام کے نتیجے میں حضرت سید محمود، حضرت سید محمد اور پھر حضرت سید جعفر حسینی بخاریؒ جیسے اکابر پیدا ہوئے اور انھی کے بطن سے حضرت سید علی ابو المؤید بخاریؒ کی ولادت ہوئی۔

اس طرح بخارا ساداتِ بخاریہ کا اولین علمی و روحانی مرکز قرار پایا، جہاں سے آگے چل کر یہی خانوادہ برصغیر میں حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاریؒ کی صورت میں اپنے کمال کو پہنچا۔

آپ کا ذکر براہِ راست کسی علاحدہ کتاب میں نہیں ملتا، مگر آپ کی شخصیت کا تذکرہ اُن تمام کتابوں اور مخطوطات میں آتا ہے جو حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری کی سوانح حیات، خاندانی شجرہ اور تصوف کی تاریخ پر مبنی ہیں۔

یہ گزارشات ان تمام دستیاب روایتی ذرائع، خاندانی سلاسل اور آن لائن اسلامی ویب سائٹس کے محتاط جائزے کی بنیاد پر ترتیب دی گئی ہیں۔

قطب کمال حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام: سید جلال الدین

کنیت: ابو احمد

القاب: سرخ پوش، مخدوم اعظم، جلال گنج، میر سرخ، شیر شاہ، قطب الاقطاب، سید الاولیا، پیر جلال، جلال اکبر، شرف اللہ، معجزہ گاہِ ازلی

نسب: امام علی النقی علیہ السلام کی نسلِ پاک سے، نسب نامہ امام حسین علیہ السلام سے ملتا ہے۔

نسبی سلسلہ

سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید علی المعید بن سید جعفر محمد حسین بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام علی علیہ السلام

اہلِ بیتِ اطہار سے روحانی نسبت

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نسباً امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے بلکہ فکری، روحانی اور عملی طور پر بھی اہلِ بیتِ اطہار سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی تعلیمات میں محبتِ اہلِ بیت، احترامِ شہدائے کربلا اور اخلاقِ حسینی نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خانقاہی تربیت میں صبر، ایثار، حق گوئی اور مظلوم کی حمایت کو بنیادی مقام حاصل تھا۔

ولادت و ابتدائی زندگی

تاریخِ ولادت: 5 ذو الحجہ 595ھ (1199ء)

مقامِ ولادت: بخارا (موجودہ ازبکستان)

والد: سید علی المعید

دادا: سید جعفر محمد حسین

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور سات سال کی عمر میں علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ آپ کے روحانی کمالات بچپن ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔

عہدِ خلافت اور سیاسی پس منظر

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ عباسی خلافت کے آخری عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کی ولادت کے وقت خلافتِ عباسیہ علمی و روحانی اعتبار سے قائم تھی، تاہم سیاسی اقتدار بتدریج کمزور ہو چکا تھا۔ آپ کی حیات کے دوران خلیفہ الناصر لدین اللہ، خلیفہ الظاہر، خلیفہ المستنصر اور خلیفہ المستعصم باللہ جیسے خلفاء کا دور آیا۔ اسی زمانے میں تاتاری یلغار، وسط ایشیا میں بے امنی اور برصغیر میں دہلی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔

اس غیر یقینی سیاسی ماحول میں صوفیا کرام نے دینِ اسلام کی روحانی بنیادوں کو محفوظ رکھا اور عوام الناس کو ایمان، اخلاق اور معرفت سے جوڑے رکھا، جن میں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

ہجرتیں اور روحانی سفر

پہلی ہجرت: 635ھ میں، پہلی زوجہ سیدہ فاطمہ بنت سید قاسم کی وفات کے بعد، اپنے دو بیٹوں علی اور جعفر کے ساتھ بخارا سے بھکر (پنجاب) ہجرت کی۔

دوسری ہجرت: بھکر سے کوچ کر کے اُوچ شریف میں سکونت اختیار کی اور دین اسلام کی اشاعت شروع کی۔

دیگر سفر: آپ نے سندھ، ملتان، لاہور، ٹھٹھہ، بنگال، دہلی، گجرات، اتر پردیش کے دیگر مشہور علاقوں میں کشمیر، حتیٰ کہ مکّہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ترکستان تک متعدد روحانی و تبلیغی سفر کیے۔

حیاتِ مبارکہ کا زمانی خاکہ (مختصر)

- 595ھ — ولادت، بخارا
- 602ھ6بیسھ — تعلیم، تربیت اور روحانی کمالات
- 635ھ — پہلی ہجرت، بخارا سے بھکر
- 640ھ کے بعد — اُوچ شریف میں قیام، خانقاہ کا قیام
- 650ھ 680ھ — برصغیر میں وسیع تبلیغی سفر
- 690ھ — وصال، اُوچ شریف

ازدواجی زندگی اور اولاد

کل ازواج: 3

کل اولاد: 22 بیٹے، متعدد بیٹیاں

1. سیدہ فاطمہ بنت سید قاسم (بخارا)
   بیٹے: سید علی، سید جعفر
2. بی بی طاہرہ (زہرا) بنت سید بدرالدین بھاکری (بھکر)
   بیٹے: سید صدرالدین محمد غوث، سید بہاؤ الدین محمد معصوم
3. سیدہ فاطمہ حبیبہ سعیدہ (دوسری بیٹی بدرالدین بھاکری)
   بیٹے: سید احمد کبیر (والدِ مخدوم جہانیاں جہاں گشت)

اہم خلفاء اور اولیاء سلسلہ

- مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ
- ابو محمد عبد اللہ (برہان الدین قطبِ عالم)ؒ
- شاہِ عالم گجراتیؒ
- بہاؤ الدین محمد معصومؒ
- صدرالدین محمد غوثؒ
- بابا شاہ جمال (لاہور)ؒ
- سید پَلوان شاہ (کرم ایجنسی)ؒ
- غازی بابا (وڈپگہ شریف، پشاور)

سلسلہ روحانیت

آپ سلسلہ سہروردیہ کے عظیم ترین قطب تھے اور جلالیہ شاخ کے بانی تھے۔ آپ چار یار (سہروردیہ اور چشتیہ کے چار بانی بزرگوں) میں سے ایک تھے:

- حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ
- حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ
- حضرت لال شہباز قلندرؒ
- حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ

یہاں چار یار سے مراد برصغیر میں سہروردیہ و چشتیہ سلاسل کے وہ چار عظیم روحانی ستون ہیں جنھوں نے تیرھویں صدی میں اسلام کی اخلاقی، روحانی اور سماجی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ اس اصطلاح کا استعمال صوفیانہ روایت میں بطورِ علامت کیا جاتا ہے۔

منصبِ قطبیت کی توضیح

تصوف کی اصطلاح میں قطب اُس کامل ولی کو کہا جاتا ہے جسے اپنے زمانے میں روحانی نظامِ عالم کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ قطبیت کوئی رسمی عہدہ نہیں بلکہ باطنی ذمہ داری ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اہلِ تصوف نے اپنے عہد کا قطبِ کمال تسلیم کیا، جس کی دلیل آپ کا ہمہ گیر روحانی اثر، وسیع تبلیغی دائرہ اور بے شمار اولیاء و خلفاء کی تربیت ہے۔

جلالیہ شاخ کی خصوصیات

جلالیہ شاخ، سلسلہ سہروردیہ کی وہ روحانی جہت ہے جس میں جلال، غیرتِ ایمانی، حق گوئی اور دعوتِ دین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس شاخ میں سالک کو باطنی مجاہدہ کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاح اور دعوتِ حق کی ذمہ داری بھی سونپی جاتی ہے۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی توازن کے ساتھ تصوف کو عوام الناس تک پہنچایا۔

معجزات و ملاقاتیں

- چنگیز خان کو اسلام کی دعوت دی۔
- شاہ دولہ شہید (بنگال) کو فتح کی دعا دی، جنھوں نے بنگال میں شہادت پائی۔
- نصیر الدین محمود (سلطان دہلی) نے اُوچ میں آپ کی زیارت کی۔
- لالہ/لالیشوری (کشمیر) کو آپ کے پوتے مخدوم جہانیاں کے ہاتھوں اسلام ملا۔
- مائی ہیر (ہیراں رانجھا) کے والد سید احمد کبیر کے مرید چُوچک سیال کی بیٹی تھیں۔

معجزات، واقعات اور ائمۂ اہلِ بیتؑ سے منسوب ولائی آثار

اہلِ بیتؑ کی پیروی اور حسینی نسبت کے تناظر میں ذیل میں بیان کیے گئے واقعات اور کرامات حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نسلی، فکری اور اعتقادی وابستگی کو واضح کرتے ہیں۔ یہ واقعات اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی ولایت، ائمہِ بارہ گانہ کی پیروی اور اولادِ علیؑ کو عطا ہونے والی نصرتِ الٰہی کے تناظر میں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد کسی صوفیانہ رنگ کو اجاگر کرنا نہیں بلکہ حسینی سادات کی ولائی شان، شجاعتِ ایمانی اور استقامتِ علوی کو نمایاں کرنا ہے۔

ہلاکوخان /تاتاری حکم رانوں کو دعوتِ اسلام

تاریخی و روایتی بیانات کے مطابق حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاتاری یلغار کے دور میں تاتاری حکم رانوں، بالخصوص ہلاکو خان کے عہد میں، اہلِ اقتدار کے سامنے دعوتِ اسلام اور حقِ اہلِ بیتؑ کا پیغام پیش کیا۔ آپ نے ظلم، قتلِ عام اور بے گناہوں کے خون ریزی کو واقعۂ کربلا اور شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے تناظر میں واضح کرتے ہوئے عدلِ علوی اور معیارِ حق و باطل کو اہلِ بیتِ اطہارؑ کی تعلیمات کی روشنی میں بیان فرمایا۔ اگرچہ تاتاری حکم ران اسلام قبول نہ کر سکے، تاہم آپ کی حسینی جرأت، علوی استقامت اور اولادِ رسول ﷺ سے منسوب روحانی وقار کے سبب آپ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا گیا۔ اہلِ تشیع اور سادات کی روایات میں اس واقعے کو اہلِ بیتؑ سے وابستہ نفوسِ قدسیہ کو حاصل خدائی تحفظ، حق گوئی اور بے خوف دعوتِ دین کی روشن مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

ہلاکو خان، منگول حکم ران اور چنگیز خان کا پوتا تھا، جس کا زمانہ تیرھویں صدی عیسوی اور ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی کے عہد میں 656ھ (1258ء) میں بغداد پر تباہ کن حملہ ہوا، جس کے نتیجے میں خلیفہ المستعصم باللہ کی موت اور عباسی خلافت کا عملی خاتمہ واقع ہوا، امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد سے جو عباسی حکمران ساداتِ اہلِ بیتؑ، ان کی تعلیمات اور سنتِ اہلِ بیتؑ کے دشمن بنے رہے تھے، اس عہدِ تاتار میں بالآخر ان کے ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی مقام سے اہلِ بیتِ اطہارؑ اور ساداتِ کرام پر ایک نئے ظالمانہ دور کا آغاز ہوا۔ اگرچہ عباسی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا، مگر عباسیوں کے زیرِ تربیت ترک غلاموں اور عسکری طبقات نے عالمِ اسلام پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ وہ عناصر تھے جن کی فکری و سیاسی تربیت اہلِ بیتؑ کے احکام، تعلیمات اور سنت سے مخالفت کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ اس دور میں بظاہر اہلِ بیتؑ سے محبت کے دعوے عام نظر آتے ہیں، مگر عملی طور پر اہلِ بیتؑ کے احکام و سنت کا مکمل انکار، انھیں جھٹلانا اور ان پر عمل کرنے والوں کو معاشرے میں موردِ الزام ٹھہرانا ایک منظم روش بن گئی۔ سنتِ اہلِ بیتؑ پر کاربند افراد کے خلاف علمی دائرہ تنگ کیا گیا، ان سے دشمنی کو فروغ دیا گیا، حتیٰ کہ بعض ادوار میں تکفیر کے نعروں تک کا آغاز اسی ماحول میں شدت اختیار کرتا گیا یوں اگرچہ عباسی سلطنت ختم ہو گئی، مگر اہلِ بیتؑ سے عداوت اور ظلم کی وہی روش ایک فکری و سیاسی وراثت کی صورت میں باقی رہی، جس کے اثرات آج بھی تکفیری سوچ اور سنتِ اہلِ بیتؑ سے انحراف کرنے والے گروہوں کے طرزِ عمل میں واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس پورے دور میں بقیدِ حیات تھے اور شیعہ و سادات کی روایات میں یہ ذکر ملتا ہے کہ آپ نے تاتاری دور کے اہلِ اقتدار، بالخصوص ہلاکو خان کے عہد میں، حقِ اہلِ بیتؑ اور عدلِ علوی کا پیغام پیش کیا۔ انھی روایات کے مطابق ہلاکو خان اگرچہ اسلام میں داخل نہ ہوا، تاہم اس کے طرزِ عمل میں اہلِ بیتِ اطہارؑ سے منسوب شخصیات کے لیے بعض مواقع پر نرمی اور احترام کا عنصر پایا جاتا تھا، جس پر خواجہ نصیرالدین طوسیؒ جیسے شیعہ علما و مفکرین کے فکری و اخلاقی اثرات کو بھی سبب قرار دیا جاتا ہے اہلِ تشیع کے نزدیک یہ نرمی اعتقادی ہم آہنگی نہیں بلکہ اہلِ بیتؑ کے علمی وزن اور طوسیؒ کے فکری اثر کا نتیجہ تھی۔ یہ تمام بیانات شیعہ تذکروں اور سادات کی منقول روایات میں محفوظ ہیں، جن کا مقصد اس عہدِ فتن میں اولادِ رسول ﷺ کی جرأتِ ایمانی، حق گوئی اور اہلِ بیتؑ سے وابستگی کو نمایاں کرنا ہے۔

آگ کا امتحان اور سیادت کا اثبات حضرت لال شہباز قلندرؒ کے ساتھ واقعہ

روایات میں مذکور ہے کہ بعض اوقات حکمرانوں یا مخالفین کی جانب سے آپ کی سیادت اور فاطمی نسبت کو آزمانے کے لیے آگ میں داخل ہونے کی شرط رکھی گئی۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ امتحان اللہ، رسول ﷺ اور اہلِ بیتؑ پر کامل یقین کے ساتھ قبول کیا۔ روایت کے مطابق آگ نے آپ کو نقصان نہ پہنچایا، جو اولادِ فاطمہؑ کے لیے عطا کی گئی حفاظتِ ربانی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد تین ماہ تک حرمِ مکہ میں قیام پزیر رہے۔ اس کے بعد دونوں بزرگ دینِ اسلام کی تبلیغ، حصولِ علم اور اولیائے کرام کی زیارت کی نیت سے دنیا کے مختلف علاقوں کی طرف سفر پر روانہ ہوئے اسی سفر کے دوران وہ عراق پہنچے وہاں سے آگے روانہ ہوتے وقت دونوں بزرگ سرخ رنگ کا لباس زیبِ تن کیے ہوئے تھے، سرخ ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں سرخ چمکدار پتھروں سے بنی ہوئی طویل تسبیحیں تھیں، جن پر وہ مسلسل ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے جب وہ بخارا کی سرحد پر پہنچے تو سرحدی محافظوں نے انھیں دیکھا سرخ لباس اور غیر معمولی شان و وقار کی وجہ سے وہ انھیں مشکوک سمجھ بیٹھے چنانچہ انھیں روک لیا گیا اور پوچھا گیا: تم کون ہو اور یہاں کس مقصد سے آئے ہو؟

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ”ہم سادات ہیں، اولادِ رسول ﷺ میں سے ہیں اور تبلیغِ دین و زیارتِ اولیاء کے سفر پر ہیں۔“

محافظوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا: ”اگر تم واقعی سادات ہو تو آگ تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گی، کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ اولادِ رسول ﷺ پر آگ اثر نہیں کرتی۔“

روایت کے مطابق ایک بہت بڑی آگ جلائی گئی۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ دونوں اس آگ میں داخل ہو گئے۔ حاضرین حیرت زدہ رہ گئے کہ آگ ان دونوں بزرگوں پر ٹھنڈی ہو گئی اور وہ بحفاظت باہر نکل آئے۔ اس واقعے کے بعد لوگوں نے ان کی سیادت، ولایت اور روحانی مقام کو تسلیم کیا۔

اسی روایت کی بنا پر حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ”سرخ پوش“ کہا جانے لگا، کیونکہ آپ ہمیشہ سرخ لباس زیبِ تن فرماتے تھے، جبکہ حضرت عثمان مروندی کو ”لال شہباز“ کے لقب سے شہرت حاصل ہوئی۔

اہلِ روایت کے نزدیک یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعۂ نار کی یاد تازہ کرتا ہے اور اسے اولادِ فاطمہؓ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت اور حفاظت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے ملاقات

روایات کے مطابق حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہوئی۔ یہ ملاقات برصغیر کے اُن عظیم روحانی ادوار میں شمار کی جاتی ہے جب مختلف سلاسل اور اولیائے کرام کے درمیان باہمی احترام، علم و معرفت کا تبادلہ اور دعوتِ دین میں تعاون پایا جاتا تھا۔

تذکروں میں مذکور ہے کہ دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کے روحانی مقام کا اعتراف کیا اور عوام الناس کی اصلاح، اخلاقی تربیت اور دینِ اسلام کی تبلیغ کے موضوعات پر گفتگو فرمائی۔ ان روایات میں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو ایک صاحبِ جلال حسینی بزرگ اور حضرت بابا فریدؒ کو صاحبِ جمال و فقر ولی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ سے تعلق

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی گہرا روحانی اور علمی تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ دونوں بزرگ برصغیر میں تصوف، تبلیغِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ کے اہم ترین ستونوں میں شمار ہوتے ہیں۔

روایات میں مذکور ہے کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ نے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علم، تقویٰ، سیادت اور روحانی مقام کا اعتراف کیا، جبکہ حضرت سرخ پوش بخاریؒ بھی ان کی دینی خدمات اور اصلاحی کردار کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اہلِ روایت کے مطابق ان بزرگوں کے درمیان تعلق محض خانقاہی نسبت تک محدود نہیں تھا بلکہ دونوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اہلِ بیتؑ کی محبت، اخلاقِ اسلامی اور روحانی تربیت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

اُوچ شریف کو روحانی مرکز بنانا

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بالآخر اُوچ شریف کو اپنا مستقل مرکز بنایا۔ اس دور میں اُوچ شریف علم، تصوف اور دعوتِ اسلام کا اہم مرکز بنتا جا رہا تھا، مگر آپ کی آمد کے بعد اس شہر کو غیر معمولی روحانی شہرت حاصل ہوئی۔

آپ نے یہاں خانقاہ، درس و تدریس، تبلیغِ دین اور تربیتِ مریدین کا سلسلہ قائم کیا۔ آپ کی مجلس میں علما، صوفیا، سادات، فقرا اور عوام الناس یکساں طور پر شریک ہوتے تھے۔

روایات کے مطابق آپ کی شخصیت نے اُوچ شریف کو ایسا روحانی مرکز بنا دیا جہاں سے بعد میں ساداتِ بخاریہ، جلالیہ سلسلہ اور متعدد روحانی خانوادوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں میں اثرات مرتب کیے۔

تبلیغی اثرات اور قبولِ اسلام

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ، پنجاب، ملتان، اُوچ شریف اور اطراف کے علاقوں میں وسیع تبلیغی خدمات انجام دیں۔ روایات اور مقامی تواریخ کے مطابق آپ کی دعوت، حسنِ اخلاق، روحانی تاثیر اور عدل و مساوات کے پیغام سے متاثر ہو کر مختلف قبائل اور خاندان اسلام میں داخل ہوئے۔

ان قبائل میں سومرو، چڈڑ، مزاری، وارن اور دیگر قبائل کے نام بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔ اہلِ روایت کے مطابق آپ کی تبلیغ کا انداز جبر یا سیاسی طاقت پر مبنی نہیں تھا بلکہ اخلاق، روحانی اثر اور خدمتِ خلق پر قائم تھا۔

وصال

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 19 جمادی الاول 690ھ / 1291ء میں اُوچ شریف میں ہوا۔

آپ کا مزار شریف آج بھی اُوچ شریف، ضلع بہاولپور میں مرجعِ خلائق ہے، جہاں مختلف علاقوں سے زائرین حاضر ہوتے ہیں۔

مزار اور روحانی مرکز

اُوچ شریف میں واقع آپ کا روضہ جنوبی ایشیا کے اہم ترین روحانی و تاریخی مزارات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ مقام نہ صرف ساداتِ بخاریہ بلکہ اہلِ تصوف، اہلِ محبتِ اہلِ بیتؑ اور تاریخِ اسلام سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

مزار کے گرد بعد میں ایک وسیع روحانی و علمی مرکز قائم ہوا، جس نے برصغیر میں تصوف، تعلیم، خطاطی، فنِ تعمیر اور روحانی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

حوالہ جات

- مراۃ الجلالی
- تاریخِ جلالیہ
- تذکرہ اولیائے اُوچ شریف
- سیر الاولیاء
- اخبار الاخیار
- المعقبون من آل ابی طالب
- عمدۃ الطالب
- لباب الانساب
- مقامی روایات و مخطوطاتِ ساداتِ بخاریہ

حضرت سید سلطان احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ

(فرزندِ قطب الاقطاب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

تعارف

حضرت سید سلطان احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر کے عظیم روحانی بزرگوں اور ساداتِ عظام میں ہوتا ہے۔ آپ نہ صرف حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے بلکہ ان کے روحانی جانشین، باعمل ولی اور مجاہد صوفی بھی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ عبادت، تبلیغِ دین، اصلاحِ معاشرہ اور روحانی تعلیمات کے فروغ میں صرف کیا۔

نسبی عظمت

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب براہ راست نواسۂ رسول ﷺ، حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوتا ہوا حضرت امام علی نقی علیہ السلام، امام محمد تقی، امام رضا اور امام جعفر صادق تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد امجد حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنھیں برصغیر پاک و ہند میں ساداتِ بخاریہ کے بانی کے طور پر جانا جاتا ہے۔

- والد گرامی: حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ (قطب الاقطاب، بانی سلسلہ جلالیہ)
- والدہ ماجدہ: سیدہ حبیبہ سعیدہ بنت بدرالدین بھاکری

نسبی سلسلہ

سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بن سید علی المؤید بن سید جلال الدین قتال بن سید شاہاب الدین بن علی اصغر بن امام جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام

پیدائش و ابتدائی زندگی

آپ کی ولادت بخارا (موجودہ ازبکستان) میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت والد گرامی کے زیر سایہ ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت میں زہد، معرفت، عبادت اور خدمتِ خلق کے آثار نمایاں تھے۔ آپ کی والدہ حضرت بدرالدین بھاکری کی صاحبزادی تھیں، جن کا نام بی بی فاطمہ حبیبہ سعیدہ تھا۔

روحانی تربیت و بیعت

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد محترم کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ جلالیہ کی روحانی خدمات کو وسعت دی۔ بعد ازاں آپ کو حضرت شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی) سے بھی خلافت و اجازت حاصل ہوئی جو خود جلیل القدر شیخِ طریقت، عالِم باعمل اور صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے۔

اقامت: دیویاں شریف

حضرت احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ دیویاں شریف (موجودہ پنجاب، پاکستان) میں گزارا۔ یہ مقام بعد ازاں روحانیت، فیضان اور تبلیغِ دین کا عظیم مرکز بن گیا۔ آپ کی خانقاہ نے عوام و خواص کو معرفت و محبتِ الٰہی کی روشنی بخشی۔

اخلاق و سیرت

- نہایت پرہیزگار، متواضع، صاحبِ حال اور ذاکرِ حق ولی کامل تھے
- تصوف کی اصل روح: محبت، عدل، تواضع، ذکر اور اخلاص آپ کی زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے
- دین کی ترویج، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور روحانی اصلاح آپ کا مشن تھا
- آپ کی مجالس میں علم، فہم، زہد اور تقویٰ کا عملی مظاہرہ ہوتا
- عوام، علما، فقرا اور سلاطین یکساں طور پر آپ کے فیض یافتہ تھے

قدیم معتبر کتبِ انساب مثلاً عمدۃ الطالب، المعقبون اور المجدی کے مطابق حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ ساداتِ حسینیہ کے اُن اکابر میں سے تھے جنھوں نے خانقاہی کی بجائے اہلِ بیتِ اطہارؑ کی اعتقادی، علمی، اخلاقی اور نسبی روایت کو آگے بڑھایا اعتقادی، فکری اور عملی طور پر آپ اہلِ بیتِ اطہارؑ سے وابستہ تھے اور آپ کی دینی تربیت کی بنیاد امامتِ ائمہؑ، ولایتِ امیر المومنین علیؑ اور حسینی فکرِ کربلا پر قائم تھی واقعۂ کربلا آپ کے نزدیک محض ایک تاریخی سانحہ نہیں بلکہ ایک زندہ اصول اور دائمی معیار تھا، جس کی روشنی میں آپ نے ظلم، جبر اور باطل سیاسی و مذہبی نظاموں سے فکری و عملی کنارہ کشی اختیار کی آپ کا زمانہ عباسی دور کے فکری و مذہبی اضطراب سے عبارت تھا، جب اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کو محدود کرنے کی کوششیں جاری تھیں، ایسے حالات میں حضرت سید احمد کبیرؒ نے اہلِ بیتؑ کی اصل سنت، علمی وراثت اور شریعت پر مبنی طرزِ حیات کو خاندانی، تعلیمی اور معاشرتی سطح پر محفوظ رکھا آپ کی شخصیت اگرچہ باطنی وقار اور تقویٰ کی حامل تھی، مگر اس میں اہلِ بیتِ اطہارؑ کی سنجیدہ، علمی روح نمایاں تھی، جس کا تسلسل اور عملی اظہار بعد ازاں آپ کے فرزند مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے علمی و فکری سفر میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

اولاد و نسل

آپ کے صاحبزادگان میں سب سے نمایاں ہستی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنھوں نے سلسلہ جلالیہ کو برصغیر، مکہ، مدینہ، بغداد، بخارا، یمن اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیلایا۔

دوسرے صاحبزادے حضرت مخدوم صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے وقت کے زاہد، فقیہ اور صاحبِ فیض بزرگ تھے۔

- حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ نے 36 مرتبہ حج کیا، دنیا بھر کے روحانی مراکز کے دورے کیے اور لاکھوں لوگوں کو فیض پہنچایا۔
- آپ کی نسلِ مبارک آج بھی ساداتِ جلالیہ، ساداتِ ناگویہ، ساداتِ بخاریہ اور ساداتِ کوہِ کھراج، پارسکی، ہڑپہ، سلیم گڑھ، حیدرآباد سندھ، فیروز آباد آگرہ اور اتر پردیش کے بیشتر علاقوں وغیرہ میں موجود ہے۔

بہن بھائی

- سیدہ جعفرہ رحمۃ اللہ علیہا
- سیدہ فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا
- سید بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

وصال و مزار

حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال دیوپاں شریف میں ہوا۔

آپ کا روضہ مبارک آج بھی مرجع خلائق ہے، جہاں سالانہ عرس شریف تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ زائرین روحانی سکون، قبولیتِ دعا اور تجدیدِ ایمان کی حالت میں اس مزارِ مبارک سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت از: محمد ایوب قادری، مناقبِ قطبی، مراۃ الجلالی، سیر الاخیار، جلالی خاندان کی ویب گاہ، ساداتِ دیوپاں شریف کی نسلی دستاویزات

حضرت سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ

(شیخ الاسلام، سیاح عالم، فرزندِ حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی فکری و اعتقادی بنیاد اہلِ بیتِ اطہارؑ کی ولایت، امامت اور حسینی فکر پر قائم تھی آپ اصلاً سلسلۂ سہروردیہ سے وابستہ تھے اور قادریہ، چشتیہ اور کبرویہ سے بھی اجازت رکھتے تھے۔ ، قدیم نسبی و تاریخی مصادر کے مطابق آپ کی اصل وابستگی اہلِ بیتؑ سے تھی واقعۂ کربلا، مظلومیتِ آلِ محمدؐ اور امامتِ ائمہؑ آپ کی دینی فکر کے مرکزی اصول تھے آپ کے نزدیک تصوف شریعت و ولایتِ اہلِ بیتؑ کے تابع تھا۔

نام و نسب

حضرت کا اسمِ گرامی سید جلال الدین حسین بخاری تھا، کنیت ابو عبد اللہ اور عرف عام میں آپ کو مخدوم جہانیاں جہاں گشت، شیخ الاسلام اور سیاحِ عالم کہا جاتا ہے آپ کا نام آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رکھا گیا۔

آپ کا سلسلۂ نسب سترہ پشتوں کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ آپ خاندانِ ساداتِ نقوی بخاری سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے نسب کی تفصیل یوں ہے:

سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بن سید علی بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود ... تا امام حسین علیہ السلام۔

ولادت و ابتدائی زندگی

آپ کی ولادت باسعادت 14 شعبان المعظم 707ھ مطابق 9 فروری 1308ء کو اوچ شریف (مدینۃ السادات، ضلع بہاولپور، پنجاب) میں ہوئی۔

آپ کی پیشانی مبارک سے طفولیت ہی میں رشد و ہدایت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ روایت ہے کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کو پیدائش کے بعد حضرت شیخ جمال خنداں رو رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں ڈال دیا، جنھوں نے فرمایا:

"یہ فرزند دنیا میں اسی طرح چمکے گا جیسے آج کی شبِ برات روشن ہے۔"

ازدواجی زندگی اور اولاد

ازواج

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سے زائد ازواج تھیں، جن میں کم از کم تین کے بارے میں معتبر ذرائع میں ذکر موجود ہے۔ ان ازواج کا تعلق معروف سادات، علما یا روحانی خانوادوں سے تھا، تاکہ دین، علم اور روحانیت کا تسلسل قائم رہے۔

- بی بی امۃ اللہ سادات خاندان کی خاتون، جن سے کئی صاحبزادے پیدا ہوئے۔
- بی بی نجم النساء جن کا تعلق روحانی خانوادے سے تھا۔
- ایک زوجہ کا تعلق دہلی کے ممتاز دینی خانوادے سے تھا (نام صراحت سے مذکور نہیں مگر تذکروں میں موجود ہے کہ دہلی قیام کے دوران نکاح ہوا)۔

صاحبزادگان

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل صاحبزادگان تھے، جن میں سے اکثر نے علمی، روحانی اور انتظامی خدمات سر انجام دیں:

حضرت مخدوم شیخ علاؤ الدین علی بن سعد الحسینی

بڑے عالمِ دین، فقہ، تفسیر، حدیث اور تصوف کے ماہر۔ آپ ہی کے توسط سے کئی کتب کی تعلیم و اشاعت ہوئی۔

سید جلال الدین ثانی

جنھوں نے سلسلہ جلالیہ کے تبلیغی و نسبی نظام کو آگے بڑھایا۔

سید یحییٰ الدین

جن کے متعلق بعض تذکروں میں کشمیر، دہلی یا جھنگ سے منسلک روحانی خدمات کا ذکر آتا ہے۔

سید احمد الدین

آپ کی نسل مختلف علاقوں میں پھیلی: خصوصاً بھکر، شورکوٹ اور ملتان کے اطراف۔

صاحبزادیاں

حضرت کی بیٹیوں کے بارے میں کم تفصیلات دستیاب ہیں، تاہم مستند تذکروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

- کم از کم دو بیٹیاں تھیں جن کی شادیاں معروف سادات یا مشائخ خاندانوں میں ہوئیں۔
- ایک بیٹی کی شادی حضرت شاہ میراں سیالوی خاندان میں ہوئی (شاہ جالندھری کی نسل میں)

- دوسری بیٹی کا نکاح دہلی کے قاضی خاندان میں ہوا، جو بعد ازاں سادات کوہِ کھراج میں شمار ہوتے ہیں۔

نسلی تسلسل

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی نسلِ پاک آج بھی برصغیر، خراسان، عراق اور حجاز تک پھیلی ہوئی ہے:

- ساداتِ جلالیہ
- ساداتِ ناگویہ
- ساداتِ ڈُکوہا (جالندھر)
- ساداتِ شورکوٹ، جھنگ، ٹوبہ اور بھکر
- ساداتِ دہلی، یو پی، فیروزآباد، آگرہ، جونپور، گجرات، سندھ

حضرت جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا دینی و روحانی کردار ان کے بعد کئی صدیوں تک قائم رہا۔ ان کی اولاد نے علم، تبلیغ، تصوف، عرفان اور فقہ کی شاخوں میں نمایاں خدمات انجام دیں اور ان کی اولاد کی کئی شاخیں آج بھی مشائخ ساداتِ کرام کے طور پر جانی جاتی ہیں۔

تحصیلِ علم

ابتدائی تعلیم و تربیت اوچ شریف میں ہوئی علامہ قاضی بہاؤ الدین آپ کے پہلے استاد تھے بعد ازاں آپ ملتان منتقل ہوئے جہاں شیخ موسیٰ اور مولانا مجد الدین سے مزید علوم حاصل کیے فقہ کی مشہور کتابیں ہدایہ اور قدوری آپ نے نہایت قلیل وقت میں مکمل کر لیں۔

تعلیم کے اعلیٰ مدارج کے لیے آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے ساتوں قراءتیں حاصل کیں۔ پھر مدینہ

ستہ، عوارف المعارف اور دیگر کتب کا درس تہجد کے وقت لیا کرتے تھے۔

شیخ مطری نے آپ سے محبت کے جذبے کے تحت وہ نادر نسخہ بھی عنایت فرمایا جس پر حضرت شہاب الدین سہروردی کا مطالعہ ثبت تھا۔

بیعت و خلافت

ابتدائی بیعت آپ نے اپنے والد محترم حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر کی۔ خرقۂ خلافت چچا حضرت محمد غوث سے حاصل کیا۔

والد کے وصال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست پر بیعت کی اور سلسلہ سہروردیہ میں خلافت و اجازت حاصل کی۔

آپ فرماتے تھے:

"میں نے چودہ جلیل القدر بزرگوں سے خلافت و اجازت حاصل کی ہے۔"

ان میں شامل تھے:

حضرت نظام الدین اولیاء (عالمِ خواب میں)، شیخ قوام الدین، شیخ امام یافعی، شیخ عبد اللہ مطری، شیخ نجم الدین کبریٰ، حضرت خضر، سید احمد رفاعی، قطب عدن حضرت فقیمہ بصال، وغیرہ۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مشائخ سے بیعت و اجازت کے تذکرے کو قدیم علما نے روحانی استفادہ اور علمی اجازت کے معنی میں لیا ہے، نہ کہ فقہی یا اعتقادی تقلید کے طور پر۔ آپ کی اصل شناخت ایک علوی، حسینی اور امامی سید کی تھی، جنھوں نے اہلِ بیتؑ کی علمی و اخلاقی وراثت کو مختلف خطوں تک منتقل کیا۔

اس طرح حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک ایسے بزرگ کی صورت میں سامنے آتی ہے جس میں نسبِ اہلِ بیتؑ، علمِ شریعت اور باوقار روحانیت ایک ہی فکری دائرے میں جمع ہو گئے تھے۔

سیرت و خصائص

- آپ اپنے وقت کے عالمِ باعمل، مجتہد تھے
- دینِ مصطفیٰ ﷺ کی تبلیغ آپ کی زندگی کا نصب العین تھا
- خدمتِ خلق، اشاعتِ شریعت اور سُنّتِ اہلِ بیتؑ کی حقیقی روح آپ کی زندگی میں نمایاں تھی
- آپ نے جنوب پنجاب، سندھ، گجرات اور کاٹھیاواڑ میں ہزاروں غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا

علمی مقام

- آپ کو 188 علوم پر عبور حاصل تھا
- آپ کے مشہور دروس میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، مشکوٰۃ، مدارک، ہدایہ، قدوری، عوارف المعارف، قصیدہ لامیہ، رسالہ مکیہ وغیرہ شامل تھے
- آپ کا حلقۂ درس ہمہ وقت طلبہ و طالبانِ حق سے بھرا رہتا تھا
- سادگی، تواضع، حلم اور علم کا جامع نمونہ تھے

عبادات و وظائف

- پنج وقتہ نماز کے ساتھ ساتھ تہجد، اشراق، چاشت، صلاۃ التسبیح، صلاۃ الاوابین کا اہتمام کرتے
- ذاتی کھانے سے گریز کرتے، اکثر احباب کے ساتھ کھاتے
- شریعت کے سخت پابند، فرماتے:

"جب تک شریعت پر مضبوطی سے عمل نہ کیا جائے، حقیقت تک رسائی ممکن نہیں"

سفرنامہ و لقب

آپ نے مکہ، مدینہ، یمن، دمشق، لبنان، تبریز، فارس، خراساں، نیشاپور، سمرقند، غزنین، دہلی، آگرہ، جونپور، ملتان، بھکر، الور اور روہڑی سمیت درجنوں شہروں کا سفر کیا۔

ان اسفار کا مقصد صرف دینِ اسلام کا پیغام پہنچانا تھا۔ ان عظیم خدمات کے سبب آپ کو جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے دنیا جانتی ہے۔ آپ کے اسفار کی تفصیل سفرنامۂ جہانیاں جہاں گشت میں محفوظ ہے۔

بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں قبولیت

جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو عرض کی:

السلام علیک یا جدّی

جواب آیا:

وعلیک السلام یا ولدی

یہ بشارت آپ کی مقبولیتِ خاصہ کی دلیل ہے۔

ارشادات و اقوالِ زرین

- جاہل صوفیوں سے بچو، وہ دین کے راہزن ہیں

- علمِ لدنی کے لیے تقویٰ شرطِ اول ہے
- ہر مسلمان پر علم، عمل سے پہلے لازم ہے
- ولی اللہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا بنیادی منہج یہ تھا کہ تصوف بغیر علم کے گمراہی کا سبب بن جاتا ہے اور حقیقی باطنی علم تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ آپ جاہل صوفیانہ رویّوں پر تنقید فرماتے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ دین میں عمل سے پہلے علم لازم ہے۔

ماخوذ از: ملفوظاتِ جہانیاں، تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سیر الاخیار، عوارف المعارف کے دروس

وصال و مزار

آپ کا وصال 10 ذو الحجہ 785ھ مطابق 2 فروری 1384ء بروز پیر عیدالاضحی کے دن ہوا۔

آپ کا مزار مبارک اوچ شریف، تحصیل احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور میں واقع ہے اور مرجعِ خلائق ہے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک روحانی عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

ماخذ و مراجع

تذکرہ اولیائے پاک و ہند، انسائیکلوپیڈیا اولیاء کرام (جلد 5)، یادگارِ سہروردیہ، تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، تذکرہ اولیائے پاکستان (جلد دوم)، سفرنامہ جہانیاں جہاں گشت۔

حضرت سید محمود نر ناصرالدین نقوی البخاری رحمۃ اللہ علیہ

(فرزند حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ)

تعارف و روحانی مقام

حضرت سید محمود نر ناصرالدین بخاری نقوی رحمۃ اللہ علیہ، سلسلہ جلالیہ کے عظیم خانوادے کے چشم و چراغ اور حضرت شیخ الاسلام مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ اپنے والد کی طرح جامعِ شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت اور محبت کی بلند پایہ مثال تھے۔

ہندوستان، گجرات، یو پی، سندھ، پنجاب اور بخارا و خراسان کے ہزاروں سادات و مشائخ کی اصل شاخیں آپ ہی سے شروع ہوتی ہیں۔

نر کا لقب ہندی نسابین نے آپ کو کثیر الاولاد ہونے کے سبب دیا اور یہ وصف آپ کی نسل میں نمایاں رہا۔

نسب نامہ

سید محمود نر ناصرالدین بن مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید علی المؤید بخاری بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی علیہ السلام

ولادت

آپ کی ولادت اوچ شریف میں ہوئی، جہاں آپ نے اپنے والد مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں پرورش پائی۔

تعلیم و تربیت

آپ نے:

- قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور تصوف کی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی

- سلسلہ سہروردیہ، جلالیہ اور دیگر روحانی سلاسل کی اجازت حاصل کی
- علومِ ظاہر و باطن دونوں میں کمال حاصل کیا

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرزند سید محمود نر ناصرالدین کو خاص محبت اور توجہ سے نوازتے تھے اور آپ کو روحانی اسرار و معارف میں اپنا وارث سمجھتے تھے۔

سیرت و خصائص

- نہایت متواضع، صاحبِ تقویٰ، عابد، شب زندہ دار اور صاحبِ حال بزرگ تھے
- آپ کی مجالس ذکر، درود، تفسیر اور روحانی اصلاح سے معمور رہتی تھیں
- عوام الناس، سادات، فقرا اور علما آپ سے فیض حاصل کرتے تھے
- آپ نے اپنی زندگی دعوتِ دین، اصلاحِ اخلاق اور خدمتِ خلق میں گزاری

اولاد و نسل

حضرت سید محمود نر ناصرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی نسل بہت وسیع ہوئی اور انھی کی اولاد مختلف علاقوں میں آباد ہوئی:

- اوچ شریف
- ملتان
- سندھ
- جھنگ
- شورکوٹ
- گجرات
- آگرہ
- جونپور
- حیدرآباد دکن
- فیروزآباد
- اتر پردیش
- کشمیر
- کابل و بخارا

ساداتِ نقوی بخاری، ساداتِ جلالیہ، ساداتِ ناگویہ اور کئی روحانی خانوادے آپ ہی کی نسل سے منسلک ہیں۔

روحانی خدمات

حضرت سید محمود نر ناصرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے:

- سلسلہ جلالیہ کے روحانی نظام کو مضبوط کیا
- خانقاہی تربیت، ذکر و اذکار اور اصلاحی مجالس کو فروغ دیا
- اپنے والد کے علمی و روحانی مشن کو جاری رکھا
- ساداتِ بخاریہ کے نسبی و روحانی تسلسل کو محفوظ رکھا

مزاج و عبادات

- شب بیداری، تلاوتِ قرآن اور درود شریف کی کثرت فرماتے
- سادگی، توکل، خاموشی اور عاجزی آپ کی نمایاں صفات تھیں
- اہلِ بیتِ اطہارؑ سے محبت آپ کی زندگی کا بنیادی وصف تھا

وصال

آپ کا وصال اوچ شریف میں ہوا اور آپ کا مزار مبارک بھی اسی روحانی خطے میں مرجعِ خلائق سمجھا جاتا ہے۔

حوالہ جات

- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- مراۃ الجلالی
- سیر الاخیار
- تاریخِ ساداتِ بخاریہ
- خاندانی شجرہ جاتِ ساداتِ نقوی بخاری
- المعقبون من آل ابی طالب
- عمدۃ الطالب

حضرت سید صدرالدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

حضرت سید صدرالدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند اور سلسلہ جلالیہ و ساداتِ بخاریہ کے ممتاز بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ علم، زہد، عبادت، روحانی تربیت اور تبلیغِ دین میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

نسب

سید صدرالدین محمد غوث بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری بن سید علی المؤید بخاری بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد شاہ بن سید عبد اللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی علیہ السلام

ولادت و تربیت

آپ کی تربیت حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ نے کم عمری ہی میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور روحانی علوم میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

روحانی مقام

- صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے
- سلسلہ جلالیہ میں بلند روحانی مقام رکھتے تھے
- اہلِ علم، فقرا اور عوام الناس آپ سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے

- آپ کی شخصیت علم و عمل کا حسین امتزاج تھی

تبلیغی خدمات

حضرت سید صدرالدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ نے:

- سندھ، ملتان، اوچ شریف اور اطراف کے علاقوں میں تبلیغِ اسلام کی
- روحانی تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے خانقاہی نظام کو مضبوط کیا
- اہلِ بیتؑ کی محبت اور اخلاقِ اسلامی کو فروغ دیا

اولاد و نسل

آپ کی نسل بعد میں مختلف علاقوں میں پھیلی اور ساداتِ بخاریہ کی متعدد شاخیں آپ ہی سے منسلک ہوئیں۔

وصال

آپ کا وصال اوچ شریف میں ہوا، جہاں آپ کی نسبت آج بھی عقیدت سے یاد کی جاتی ہے۔

حوالہ جات

- مراۃ الجلالی
- تاریخِ جلالیہ
- تذکرہ ساداتِ بخاریہ
- خاندانی مشجرات
- سیر الاولیاء

حضرت سید علم الدین بن ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ بخاریہ نقوی - ساداتِ اوچ شریف)

نسب و تعارف

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ جلالیہ کے ممتاز و موقر بزرگ تھے آپ، حضرت سید ناصرالدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ (المعروف محمود نر ناصرالدین) کے فرزند اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ اس خانوادے کا شمار سلسلہ بخاریہ کے ان روشن چراغوں میں ہوتا ہے جنھوں نے علم و عرفان اور طریقت و حقیقت کو نسل در نسل آگے بڑھایا۔

آپ ایک متقی، فاضل، وارثِ مسند طریقت، سالکِ راہِ سلوک اور صاحبِ فیض بزرگ تھے۔ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی تربیت طریقت و شریعت کی بنیادوں پر کی۔

سیرت و کردار

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ نہایت سادہ مزاج، منکسر المزاج اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ آپ نے اپنے والد محترم اور جد امجد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے فیوض و برکات کو نہ صرف خود حاصل کیا بلکہ اپنے بیٹے اور مریدین کو بھی اس سے سیراب کیا۔

آپ کا تربیتی و روحانی نظام مکمل طور پر اہلِ بیتؑ کے مطابق تھا باوجود اس کے کہ آپ کے حالاتِ زندگی پر زیادہ تفصیلی تحریری شواہد موجود نہیں، تاہم آپ کے فرزند اور بعد کی نسلوں کے ذریعہ آپ کے روحانی فیضان و عرفان کی موجودگی ثابت ہے۔

اولاد

آپ کے صاحبزادے کا تاریخی طور پر ذکر محفوظ ہے:

سید چلبی حسن رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے فرزند اور خلیفہ، جنھوں نے حضرت سید جلال الدین (ابنِ مخدوم جہانیاں) سے تعلیم حاصل کی۔

علم و تربیت کے میدان میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

ان کی نسل کے مشہور افراد میں:

1. سید بدرالدین حسن
2. سید خضرالدین
3. سید سلطان احمد دیوروی (قلعہ دیورہ کے مشہور بزرگ)

اس تسلسل سے معلوم ہوتا ہے کہ سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی نسل میں کئی علمی و روحانی شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے ہندوستان میں اسلام، سلوک اور روحانیت کو فروغ دیا۔

ماخذ و مراجع

- تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت
- بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب از سید کرم حسین بخاری اوچوی
- تصویر شائع شدہ نساب صفحہ (آپ کی اولاد کے 27 افراد میں شامل)
- Jalalians ویب گاہ کے ساداتِ جلالیہ سے متعلقہ حوالہ جات

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد آج بھی برصغیر کے مختلف علاقوں خصوصاً قلعہ دیورہ، اوچ شریف، گجرات، جھنگ اور بہاولپور میں موجود ہے اور سلسلہ جلالیہ کے روحانی اور نسبی ورثہ کی امین ہے۔ ان کے روحانی فیضان کا تسلسل ان کے صاحبزادے سید چلبی حسن اور ان کی نسل کے ذریعے جاری رہا۔

حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ بخاریہ نقوی، ساداتِ جلالیہ)

نسب و تعلق

حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق مشہور و معروف خانوادۂ جلالیہ ساداتِ بخاریہ سے ہے۔

سیرت و احوال

حضرت سید جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ دینی و روحانی خدمات، تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کے لیے وقف رہا۔ آپ کے والد سید علم الدین اور جدِ امجد مخدوم جہانیاں کی سلوکی تربیت اور روحانی فیضان نے آپ کو متبحر عالم، صاحبِ عرفان بزرگ اور عامل باعمل شخصیت بنایا۔

آپ اوچ شریف کے علمی ماحول میں تربیت پاتے ہوئے اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کے وارث بنے اور اپنے والد محترم اورچچا زاد مشائخ کے ساتھ اصلاحی و تبلیغی سفر اختیار کیے۔

فرزندان و نسل

حضرت کے صاحبزادگان اور ان کی نسل کے بارے میں مستند خاندانی و تذکرہ جاتی روایات کی روشنی میں درج ذیل نام واضح طور پر محفوظ ہیں:

حضرت کے چار صاحبزادے تھے:

1. سید علیم الدی
2. حاجی سید عبد العزیز
3. سید منور
4. سید موسیٰ

یہ تمام حضرات اپنے وقت میں علم، دیانت اور خاندانی وجاہت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

سید علیم الدین کے صاحبزادگان درج ذیل ہیں:

1. سید نظام الدین
2. سید فرید الدین ابو الفتح
3. سید میراں محمد شاہ

یہ شاخ علمی و روحانی خدمات کے باعث مختلف علاقوں میں معروف ہوئی۔

اولادِ سید منور

1. سید احمد

اولادِ سید موسیٰ

1. سید یحییٰ

نسلی پھیلاؤ

ان حضرات کی نسل مختلف ادوار میں برصغیر کے متعدد علاقوں میں پھیلی، جن میں خصوصاً:

گجرات، یو پی، جھنگ، ملتان، اوچ شریف، قلعہ دیورہ

شامل ہیں، جہاں یہ خاندان آج بھی ساداتِ جلالیہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور بزرگ خاندان کی حیثیت رکھتا ہے۔

ماخذ و مراجع

شجرہ نسب بخاریہ نقوی (اوچ شریف), تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت, تذکرہ اولیائے جہانیاں, تصویرِ نساباتی دستاویزات (آپ کا نام بیٹوں میں شامل), موجود مشجرات, بحر المطالب فی انساب آل ابی طالب از سید کرم حسین بخاری اوچوی۔

حضرت سید علم الدین بن سید جمالُ الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید علم الدین بن سید جمالُ الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ساداتِ نقوی بخاری کے اُن باوقار بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی شہرت اور ظاہری پیشوائی کی بجائے نسبِ اہلِ بیتؑ کے تحفظ، خاندانی ذمہ داریوں کی ادائیگی اور دینی روایت کے تسلسل میں بسر کی آپ کا شمار اُن خاموش مگر مضبوط ستونوں میں ہوتا ہے جن پر بعد کی نسلوں کی دینی و نسبی عمارت قائم رہی۔

نسب

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ساداتِ حسینیہ، نقوی بخاری سے تھا آپ کا سلسلۂ نسب امام علی نقی علیہ السلام کے واسطے سے حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

عہد اور خاندانی کردار

حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ وہ دور تھا جب ساداتِ بخاری علمی و سماجی اعتبار سے مستحکم ہو چکے تھے اس مرحلے پر بنیادی ذمہ داریاں یہ تھیں نسبِ اہلِ بیتؑ کا تحفظ خاندانی شریعت و روایت کی پاسداری سماجی و دینی امانت کی حفاظت سیاسی کشمکش اور ظاہری اختلافات سے اجتناب آپ نے یہ تمام ذمہ داریاں وقار، صبر اور خاموش استقامت کے ساتھ نبھائیں اور اپنے بعد آنے والی نسل کے لیے ایک مضبوط بنیاد قائم کی۔

فکری و اعتقادی پس منظر

یہ وہ زمانہ تھا جب ساداتِ بخاری کے علاقوں میں اہلِ بیتِ اطہارؑ سے اعتقادی وابستگی اور تشیّع کا رنگ بتدریج نمایاں ہو تھا۔ تاہم یہ رنگ کھلی سیاسی یا فقہی صورت میں نہیں بلکہ نسبی وفاداری ولایتِ اہلِ بیتؑ اور واقعۂ کربلا کی اخلاقی و فکری وراثت کی صورت میں موجود تھا حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ اسی خاموش، باوقار اور غیر تصادم کے نمائندہ تھے، جہاں شریعت اور اہلِ بیتؑ کی محبت کو بنیاد بنایا گیا۔

اولاد

قدیم خاندانی شجروں اور روایتی نسبی مصادر کے مطابق حضرت سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادے تھے، جن کے ذریعے آگے چل کر ساداتِ بخاری کا نسلی اور دینی تسلسل قائم رہا:

1. حضرت سید جمالؒ الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کے ذریعے خاندانی ذمہ داریاں اگلے مرحلے میں منتقل ہوئیں۔
2. حضرت سید جلالؒ الدین بخاریؒ جن کا ذکر بعض شجروں میں دینی و سماجی خدمات کے حوالے سے ملتا ہے۔
3. حضرت سید نظامؒ الدین بخاریؒ جن کے عہد میں خاندانی ذمہ داریوں کا عملی بوجھ زیادہ واضح طور پر سامنے آیا۔

تاریخی حیثیت

اگرچہ حضرت سید علم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی تفصیلی تذکروں میں کم ملتے ہیں، تاہم خاندانی شجروں نسبی دستاویزات اور ساداتِ بخاری کی روایت میں آپ کا نام ایک اہم اور ناقابلِ انکار کڑی کے طور پر محفوظ ہے۔

حضرت سید نظام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

فرزندِ حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید نظام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ساداتِ نقوی بخاری کے اُن جلیل القدر بزرگان میں شمار ہوتے ہیں جن کے حالاتِ زندگی پر تفصیلی تذکرہ کم دستیاب ہے، تاہم خاندانی شجرہ جات اور قدیم نسبی روایات میں آپ کا ذکر ایک ذمہ دار، باوقار اور خاندانی امانت کا امین بزرگ کے طور پر محفوظ ہے آپ نے اپنی زندگی زیادہ تر اسی خاموش خدمت اور نسبی و دینی ذمہ داری کے ساتھ بسر کی جو آپ کے والد، دادا اور اسلاف کی روایت چلی آ رہی تھی۔

نسب

آپ کا تعلق ساداتِ حسینیہ، نقوی بخاریہ سے تھا اور آپ کا نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے آپ کا نسبی تعارف درج ذیل ہے:

حضرت سید نظام الدین بن حضرت سید جلال الدین بن سید علم الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہم سلسلۂ نسب تا امام علی نقیؑ و امام حسینؑ

عہد اور خاندانی ذمہ داریاں

حضرت سید نظام الدینؒ کے زمانے میں ساداتِ بخاریہ مختلف علاقوں میں آباد ہو چکے تھے اور ان پر دینی، سماجی اور نسبی ذمہ داریاں عائد تھیں، جن میں شامل تھیں ساداتِ خاندان کے معاملات کی نگرانی نسبِ اہلِ بیتؑ کی حفاظت خاندانی روایتِ دیانت، وقار اور مذہبی شناخت کا تسلسل عوام میں باوقار اور غیر نمائشی دینی کردار

حضرت سید نظام الدینؒ نے یہ تمام ذمہ داریاں کسی ظاہری شہرت کے بغیر نہایت سنجیدگی اور امانت کے ساتھ نبھائیں۔

اعتقادی پس منظر تشیّع کا تدریجی ظہور

یہ وہی دور تھا جب بخاری سادات کے علاقوں میں اہلِ بیتؑ سے وابستگی اور اثنا عشری تشیّع کا رنگ بتدریج نمایاں ہو رہا تھا۔ اگرچہ اس زمانے میں یہ وابستگی زیادہ تر خاموش، علمی اور نسبی وفاداری کی صورت میں تھی، تاہم واقعۂ کربلا اور مظلومیتِ اہلِ بیتؑ کو خاندانی روایت میں مرکزی مقام حاصل تھا امامتِ ائمہؑ کا احترام اور ولائی شعور نسل در نسل منتقل ہو رہا تھا اہلِ بیتؑ کی اخلاقی و نسبی سنت کو مقدم رکھا جاتا تھا۔

اولاد اور ذمہ داریوں کی منتقلی

حضرت سید نظام الدین بخاریؒ کے دو صاحبزادے تھے:

- حضرت سید صفی الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت سید عمر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قدیم خاندانی شجروں اور روایتی نسبی مصادر کے مطابق حضرت سید عمر رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے تھے، جن کے ذریعے آپ کی نسل آگے بڑھی:

1. حضرت سید قطب شاہ رحمۃ اللہ علیہ
   جن کا شمار ساداتِ بخاری کے اُن افراد میں ہوتا ہے جنھوں نے دینی و سماجی خدمات کے ذریعے خاندانی وقار کو برقرار رکھا۔
2. حضرت سید عبد الجلیل شاہ رحمۃ اللہ علیہ
   جن کی نسل اور خدمات بعض علاقوں میں علاحدہ شناخت کے ساتھ آگے چلیں اور ساداتِ بخاری کے تسلسل میں اہم کردار ادا کیا۔

آپ کے بعد خاندانی و دینی ذمہ داریاں حضرت سید صفی الدینؒ کو منتقل ہوا، جنھوں نے بعد ازاں انہی ذمہ داریوں کو روحانی رنگ کے ساتھ آگے بڑھایا یہ منتقلی اس بات کی علامت ہے کہ ساداتِ بخاریہ میں قیادت اہلیت، تقویٰ اور خاندانی اعتماد سے منتقل ہوتی تھی۔

سید صفی الدینؒ بن سید نظام الدینؒ ساداتِ نقوی بخاری

سجادہ نشین حضرت سید صفی الدینؒ بن سید نظام الدینؒ ساداتِ نقوی بخاری کے اُن جلیل القدر اکابر میں شمار ہوتے ہیں جنھیں اوچ شریف میں غیر معمولی روحانی، سماجی اور خاندانی وقار حاصل تھا اوچ شریف اس دور میں برصغیر میں ساداتِ نقوی بخاری کی اجتماعی قوت، روحانی مرجعیت اور سماجی نظم کا ایک مضبوط مرکز تھا اور اسی پس منظر میں حضرت سید صفی الدین نہ صرف ایک صاحبِ اثر روحانی بزرگ بلکہ اوچ شریف کے سجادہ نشین اور سادات کی نمائندہ قیادت کے طور پر ابھرے آپ کی رائے، تائید اور فیصلہ سازی کو سادات کے باہمی معاملات، اختلافات کے حل اور اجتماعی امور میں مرکزی حیثیت حاصل تھی اور یہی اخلاقی وزن، روحانی وقار اور خاندانی اعتماد وہ بنیاد تھی جس پر آپ کی قیادت قائم تھی، نہ کہ کسی عسکری یا ریاستی اقتدار پر نسبی اعتبار سے حضرت سید صفی الدین وہ مرکزی نسلی کڑی تھے جن کے ذریعے ساداتِ نقوی بخاری کا وہ تسلسل آگے بڑھا جس سے بعد میں حضرت سید محمد موجِ دریا بخاری اور حضرت سید جلال الدین حیدر بخاری لاہوری جیسی عظیم شخصیات سامنے آئیں اور اسی نسبت سے ان دونوں بزرگوں کا تعلق ایک ہی روحانی و خاندانی روایت سے جڑتا ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق حضرت سید صفی الدین کی تربیت کا نمایاں اثر ان کے صاحبزادگان کی عملی زندگی میں بھی ظاہر ہوا، حضرت سید صفی الدین کی زہد، بے نیازی اور تربیتی اثر پذیری کا واضح مظہر سمجھا جاتا ہے حضرت سید صفی الدین ہی کے دور میں اوچ شریف سے ساداتِ نقوی بخاری کی پہلی منظم ہجرتی لہر کا آغاز ہوا، جو سب سے پہلے اوچ شریف سے لاہور پہنچی، پھر مزید پھیلتے ہوئے پنجاب کے دیگر علاقوں، اس کے بعد سندھ اور بالآخر اتر پردیش تک نسلی پھیلاؤ کا سبب بنی یہی وہ ابتدائی ہجرتی مرحلہ تھا جس کے بعد برصغیر نے ساداتِ نقوی بخاری کو ایک وسیع جغرافیائی دائرے میں پہچاننا شروع کیا اور آنے والی نسلوں میں ہند کے مختلف علاقوں میں مستقل خاندانوں اور خاندانی شاخوں کے قیام کی بنیاد پڑی خاندانی اور زمانی قرائن سے یہ بات واضح ہے کہ آپ کا عہد مغل سلطنت کے ابتدائی استحکام، خصوصاً دورِ اکبری سے ہم عصر تھا اور اسی دور میں آپ نے اوچ شریف میں ساداتِ نقوی بخاری کی وحدت، قیادت اور نسلی تسلسل کو وہ مضبوط بنیاد فراہم کی جس کے اثرات بعد کی کئی صدیوں تک نمایاں رہے۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}

نسب و خاندانی پس منظر

حضرت سید صفی الدین کا تعلق ساداتِ نقوی بخاری کے اُس معزز خانوادے سے تھا جس کا سلسلۂ نسب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک جا ملتا ہے یہی وہ خاندان ہے جس نے صدیوں تک اوچ شریف کو علم اور سادات کی قیادت کا مرکز بنائے رکھا خاندانی شجروں اور علاقائی تذکروں میں سید صفی الدین کو صاحبِ تقویٰ، صاحبِ اثر اور معاملہ فہم بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

اوچ شریف میں قیادت اور مقام

حضرت سید صفی الدین کی قیادت کی نوعیت محض روحانی نہ تھی بلکہ سماجی اور اجتماعی سطح پر بھی آپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی سادات کے باہمی معاملات، اختلافات کے حل اور اجتماعی فیصلوں میں آپ کی رائے فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی اوچ شریف میں سادات کی نمائندگی ایک منظم اور متحد صورت میں زیادہ تر آپ ہی کے ذریعے سامنے آتی تھی یہ قیادت عسکری یا ریاستی اقتدار پر نہیں بلکہ اخلاقی وزن، روحانی وقار اور خاندانی اعتماد پر قائم تھی۔

مغل سلطنت اور شہنشاہ اکبر سے تعلق خاندانی و علاقائی روایت کے مطابق

خاندانی اور علاقائی روایات کے مطابق مغلیہ سلطنت کے استحکام کے دور میں شہنشاہ اکبر اور حضرت سید صفی الدین کے درمیان رابطہ اور باہمی تعلق قائم ہوا۔ اس تعلق کا مقصد مغل اقتدار کے لیے سادات کی روحانی تائید، اخلاقی پشت پناہی اور سماجی حمایت حاصل کرنا تھا۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مغل دربار پہلے ہی بعض زیدی سادات کے ساتھ اتحاد قائم کر چکا تھا اور اس مرحلے پر نقوی بخاری سادات کی حمایت ناگزیر سمجھی جا رہی تھی، جس کا مرکزی محور اُچ شریف اور حضرت سید صفی الدین کی ذات تھی۔

حمایت، اتحاد اور عملی اقدام

روایت کے مطابق حضرت سید صفی الدین نے مغل سلطنت کی حمایت پر آمادگی ظاہر کی اور ساداتِ نقوی بخاری کی جانب سے اتحاد کی تائید کی تاہم آپ نے خود براہ راست کسی عسکری مہم میں شریک ہونے کی بجائے اس ذمہ داری کو اپنے صاحبزادے حضرت سید محمد موجِ دریاؒ کے سپرد کیا، جنھیں آپ نے اپنا نائب مقرر فرمایا یہ نیابت محض فوجی نوعیت کی نہ تھی بلکہ اس میں سادات کی نمائندگی، نظم و ضبط اور روحانی قیادت بھی شامل تھی۔

حضرت سید محمد موج دریاؒ بطور نائب

حضرت سید محمد موجِ دریاؒ اپنے والد کے صاحبزادوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ روایت کے مطابق انھیں سادات کی فراہم کردہ قوت اور تنظیم کی قیادت سونپی گئی ان کی شخصیت روحانی وجاہت، فیضان اور اثر کے باعث موجِ دریا کے لقب سے معروف ہوئی اور وہ اپنے والد کے اعتماد کے حقیقی مظہر سمجھے جاتے تھے۔

چتوڑ کے قلعہ کا واقعہ روحانی و تذکرہ جاتی روایت

وہ واقعہ جنگِ چتوڑ، المعروف فتح قلعۂ چتوڑ، سے متعلق ہے جو سنہ 1567ء تا 1568ء میں شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں میواڑ کے راجپوت حکمران رانا اُدے سنگھ کے خلاف پیش آیا سادات کی روایات میں بیان کیا جاتا ہے کہ راجپوتوں کے زیرِ قبضہ چتوڑ کے قلعہ کے معاملے میں حضرت سید محمد موجِ دریاؒ کی قیادت، دعا اور روحانی توجہ کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوئی اسی نسبت سے بعد کے زمانوں میں اس واقعے کو فتحِ چتوڑ سے تعبیر کیا گیا علمی دیانت کے تقاضے کے تحت یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ بیان روحانی اور تذکرہ جاتی روایت کے زمرے میں آتا ہے، جبکہ مغل سرکاری تواریخ میں اسے عسکری کمان کے طور پر صراحت کے ساتھ درج نہیں کیا گیا چتوڑ کے واقعے کے بعد حضرت سید محمد موجِ دریاؒ نے عملی سیاست اور دنیاوی معاملات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنی زندگی عبادت، ریاضت، اصلاحِ خلق اور روحانی فیضان کے لیے وقف کر دی آپ ایک صاحبِ کرامت اور صاحبِ فیض بزرگ کے طور پر معروف ہوئے اور دور دراز علاقوں سے طالبانِ حق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

اولادِ سید صفی الدینؒ

حضرت سید صفی الدینؒ کے صاحبزادگان میں سید جلال الدین حیدرؒ، حضرت سید محمد موجِ دریاؒ اور سید راجوؒ شامل تھے۔

حضرت سید جلال الدین حیدرؒ بن سید صفی الدینؒ

```
المعروف سید سلطان جلال الدین حیدرؒ سہروردی لاہوری
```

حضرت سید جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین، جنھیں معتبر تاریخی مصادر اور تذکروں میں سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اپنے عہد کی ایک جلیل القدر، صاحبِ تقویٰ، زاہد، متقی اور باکمال روحانی شخصیت تھے آپ کی پوری زندگی اطاعتِ الٰہی، تزکیۂ نفس، اصلاحِ نفس اور رضائے الٰہی کے حصول کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتِ اطہارؑ کی اطاعت، محبت اور خدمت کے لیے وقف رہی عبادت، زہد، سادگی، خاموش طبعی، دنیاوی نمود و نمائش سے کنارہ کشی اور دنیاوی جاہ و منصب سے بے نیازی آپ کی حیاتِ طیبہ کے نمایاں اوصاف تھے۔

خاندانی روایات اور بزرگوں کے بیانات میں آپ کو ایک ایسے صاحبِ دل بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے جنھوں نے اہلِ بیتِ اطہارؑ کی محبت کو محض عقیدت تک محدود نہ رکھا بلکہ اسے اپنے کردار، طرزِ حیات اور عملی سیرت میں نمایاں کیا اور اہلِ بیتِ اطہارؑ کی سیرتِ طیبہ کو عملاً اپنایا یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ کو اہلِ بیتؑ کی سیرت پر عمل کی ایک روشن مثال قرار دیا جاتا ہے۔

اسی نسبت سے آپ کا مزارِ مبارک لاہور میں حضرت بی بی پاک دامنؒ کے قرب، محمد نگر کے علاقے میں واقع ہے یہ قربت محض جغرافیائی نہیں بلکہ اس گہرے قلبی، فکری اور عملی تعلق کی علامت سمجھی جاتی ہے جو آپ کو اہلِ بیتِ اطہارؑ سے حاصل تھا آپ کی قبرِ مبارک آج بھی لاہور میں موجود ہے اور اہلِ عقیدت کے لیے مرجعِ احترام سمجھی جاتی ہے۔

نسب، خاندانی مقام اور حضرت موجِ دریاؒ سے تعلق

حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میراں محمد شاہ المشہور سید موجِ دریا بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھائی تھے آپ کے والدِ ماجد سید صفی الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو اوچ شریف کے سجادہ نشین اور اپنے وقت کے ممتاز روحانی بزرگ شمار ہوتے تھے۔

آپ علومِ ظاہری و باطنی دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے جب حضرت میراں محمد شاہ موجِ دریا بخاری شہنشاہ اکبر کے حکم سے لاہور تشریف لائے اور انھیں شاہی جاگیر عطا ہوئی، تو اس کے بعد حضرت سید جلال الدین حیدر بھی لاہور تشریف لائے تاہم آپ نے کسی بھی قسم کی شاہی جاگیر یا دنیاوی منصب قبول نہیں کیا اور فقر، قناعت اور بے نیازی کو ترجیح دی۔

عشقِ الٰہی، ترکِ دنیا اور تجرید و تفرید میں آپ یگانۂ روزگار تھے اگرچہ آپ کے بھائی کو شہنشاہِ وقت کی قربت کے باعث دنیاوی سہولتیں حاصل تھیں، مگر آپ نے ہمیشہ دنیاوی آسائشوں سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی آپ نے تمام عمر عبادتِ الٰہی میں بسر کی، زہد و اطاعت کے سبب معروف ہوئے اور اہلِ دنیا سے کسی قسم کا عملی تعلق قائم نہ کیا۔

وصال

حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 1016ھ میں، مغل فرمانروا نور الدین جہانگیر کے عہد میں، لاہور میں ہوا بعض روایات میں عیسوی حساب سے 1607ء تا 1608ء کے درمیان وصال کا ذکر بھی ملتا ہے، جو اسی تاریخی دور سے ہم آہنگ ہے۔

آپ کی تدفین حضرت بی بی پاک دامنؒ، محمد نگر لاہور میں عمل میں آئی، جہاں آپ کا مزارِ پرانوار ایک گنبد کے نیچے واقع ہے اسی احاطے میں بی بی حاج اور بی بی تاج کی قبر بھی موجود ہیں عوام الناس میں آپ کو ان بیبیوں کا روحانی استاد بھی سمجھا جاتا ہے اور اسی نسبت سے آپ کے مزار کو خصوصی احترام حاصل ہے۔

اولادِ حضرت سید جلال الدین حیدر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید جلال الدین حیدر کے صاحبزادگان کے نام درج ذیل ہیں:

سید شہاب الدینؒ، سید علم الدینؒ، سید شجاعؒ، سید علیؒ، سید جعفرؒ

ان صاحبزادگان کے ذریعے آپ کی نسل مختلف سمتوں میں آگے بڑھی، تاہم خاندانی تاریخ میں سب سے زیادہ نمایاں، محفوظ اور تسلسل کے ساتھ محفوظ رہنے والی شاخ سید علم الدینؒ کی اولاد کے ذریعے سامنے آتی ہے۔

آپ کی اولاد تاریخی طور پر بھوگیوال، نزد باغبانپورہ، لاہور میں آباد رہی روایات کے مطابق اسی مقام پر ایک قبر آپ کے فرزند سید علم الدینؒ اور ان کے صاحبزادے .جو آپ کے پوتے سید زین العابدینؒ کی بھی قبر موجود ہے ان صاحبزادگان کے ذریعے آپ کی نسل مختلف سمتوں اور علاقوں میں پھیلی اگرچہ بعد کے ادوار میں بعض شاخوں کے شجرے مکمل طور پر محفوظ نہ رہ سکے، تاہم خاندانی تاریخ میں سید علم الدین کی اولاد کی شاخ نسبتاً زیادہ منظم اور تسلسل کے ساتھ محفوظ دکھائی دیتی ہے اس کے باوجود مجموعی طور پر حضرت سید جلال الدین حیدر کی نسل تعداد کے اعتبار سے بھی کثیر رہی اور جغرافیائی لحاظ سے بھی ایک وسیع دائرے میں پھیلی۔

حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل بھی اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی موجِ دریاؒ کی نسل، فرق صرف شجروں کے محفوظ اور شائع ہونے کا ہے، تعداد کا نہیں

یہ بات نہایت اہم ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ بن سید صفی الدینؒ کی اولاد اور نسل بھی کثیر تعداد میں موجود ہے تاہم ایک افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر ماہرینُ الانساب اپنی کتب میں یا تو ان کی نسل کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے یا اگر کرتے بھی ہیں تو محض اس حد تک کہ ان کی نسل لاہور کے علاقے بھوگیوال میں آباد ہوئی یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آپ کی نسل بھوگیوال میں آباد ہوئی، مگر یہ پوری حقیقت نہیں بلکہ صرف ایک جزوی بیان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل بھی تعداد کے اعتبار سے اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی موجِ دریا کی اولاد اور نسل کثیر تعداد میں موجود ہے فرق صرف یہ ہے کہ موجِ دریاؒ کی اولاد کے شجرے محفوظ اور شائع ہوتے رہے، نسل در نسل منظم انداز میں مرتب ہوتے رہے اور اسی بنیاد پر وہ نمایاں ہو گئے، جبکہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی اولاد اور نسل کے زیادہ تر افراد ہجرتوں کے شوقین رہے۔ یہی مسلسل ہجرتیں وہ بنیادی سبب بنیں جن کی وجہ سے ان کی نسل دنیا کے بیشتر علاقوں میں انفرادی حیثیت سے پھیلتی چلی گئی۔

سوائے بھوگیوال کے چند خاندانوں کے، باقی بیشتر خاندان مختلف ادوار میں الگ الگ علاقوں میں آباد ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نسل کسی ایک مقام پر مجتمع ہو کر محفوظ شجروں کی صورت میں سامنے نہ آ سکی، مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تعداد کے اعتبار سے ان کی نسل بھی اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی موجِ دریاؒ کی نسل۔

یہاں یہ بات پوری دیانت داری سے ذہن نشین کرنی چاہیے کہ نسل کی قلت نہیں، بلکہ نسل کا بکھراؤ اصل سبب ہے اگر قارئین اس نکتے کو سمجھ لیں تو وہ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت سید جلال الدین حیدر کی نسل درحقیقت کتنی وسیع، کتنی کثیر اور کتنی پھیلی ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے اکثر ماہرینُ الانساب اس پہلو پر غور نہیں کرتے اور اپنی کتب میں سید صفی الدین سے نسب کا تذکرہ براہِ راست موجِ دریاؒ کی نسل تک لے جا کر حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کو محض نظر انداز کر دیتے ہیں اور یوں ان کی نسل کو بیان کیے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں حالانکہ علمی دیانت کا تقاضا یہ تھا کہ دونوں شاخوں کو یکساں توجہ دی جاتی۔

لہٰذا یہ بات کسی قیاس یا مبالغے پر مبنی نہیں بلکہ ایک واضح تاریخی اور نسلی حقیقت ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی اولاد اور نسل بھی اتنی ہی کثیر ہے جتنی ان کے بھائی کی نسل اور دوسری نسل ہجرتوں کے باعث دنیا کے گوشہ گوشہ میں بکھر گئی جبکہ متحد رہنے والے خاندان آج بھی ہمیشہ سے لاہور میں آباد ہیں۔

لاہور اور برصغیر میں نسل کا پھیلاؤ

حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی اولاد ابتدائی طور پر لاہور، بھوگیوال اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہوئی ان میں سے اکثریت آج بھی انہی علاقوں میں آباد ہے تاہم وقت کے ساتھ ساتھ بعض گھرانوں اور زیادہ تر افراد نے انفرادی طور پر ہجرتیں اختیار کیں ان ہجرتوں کا ایک بڑا رخ ہندوستان خصوصاً اتر پردیش کی جانب رہا، جہاں آپ کی نسل کے افراد لکھنؤ، آگرہ، فیروز آباد اور ان کے اردگرد کے علاقوں میں انفرادی طور پر آباد ہوئے یہ آبادیاں ابتدا میں مکمل خاندانی سطح پر نہیں تھیں بلکہ زیادہ تر انفرادی نوعیت کی تھیں بعد ازاں انھی افراد کی اولاد سے کچھ بڑے اور نمایاں خاندان وجود میں آئے، جنھوں نے مزید مختلف علاقوں کی جانب ہجرت اختیار کی یوں یہ سلسلۂ ہجرت مسلسل جاری رہا اور کبھی مکمل طور پر رکا نہیں تقسیمِ ہند کے موقع پر حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض خاندان لاہور کے راستے پاکستان آئے ان خاندانوں نے چند ماہ لاہور میں قیام بھی کیا، تاہم یہ قافلہ مختلف اقسام کے سادات پر مشتمل تھا، جو آپس میں نانیہال اور دادیہال جیسے قریبی رشتوں کے ذریعے باہم منسلک تھے ان میں سے کچھ خاندان لاہور ہی میں مقیم ہو گئے، جبکہ باقی مزید آگے بڑھتے رہے بعض خاندان کراچی اور حیدرآباد کے راستے نکلے اور ہند سے اپنے ہمراہ آنے والے رشتیداروں کے ساتھ بالآخر حیدرآباد، سندھ میں آباد ہو گئے۔

عرب و عجم میں عارضی قیام

خاندانی شواہد اور نسلی نشانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید جلال الدین حیدر کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض افراد چند نسلوں بعد حجاز، عراق اور ایران میں بھی گئے تاہم یہ قیام زیادہ تر عارضی نوعیت کا تھا، جو چند برسوں پر محیط رہا ان علاقوں میں کسی مستقل نسلی شاخ کے قیام کے شواہد نہیں ملتے بعض افراد وہاں سے واپس آئے اور اکثر دوبارہ لاہور لوٹ آئے، جبکہ کچھ لکھنؤ، آگرہ، فیروز آباد اور ان کے گرد و نواح میں ہی مستقل طور پر آباد ہو گئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض نوجوان زیارت، علم کے حصول، دینی و دنیاوی ترقی یا ذاتی رجحانات کے تحت عرب سرزمینوں میں گئے، کچھ واپس آ گئے اور کچھ وہیں مختلف پسندیدہ مقامات پر انفرادی طور پر مقیم ہو گئے۔

علمی، دینی اور معاشرتی کردار

حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد نے برصغیر میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اپنی شناخت قائم کی ہندوستان میں آپ کی نسل کے بعض افراد نے طب و حکمت کو اپنی پہچان بنایا، کچھ دینی حلقوں سے وابستہ ہوئے اور بعض نے دینِ اسلام اور محبتِ اہلِ بیتؑ کے فروغ کے لیے عملی خدمات انجام دیں چونکہ ان کی اولاد وہیں پیدا ہوئی، اس لیے وہ اسی مقامی ماحول اور تہذیبی رنگ میں رچ بس گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا بھر کے سادات، خصوصاً بخاری سادات، حتیٰ کہ اوچ شریف کے سادات تک، صفوی سلطنت کے زیرِ اثر آ چکے تھے اور عقیدت، فکر اور مسلک کے اعتبار سے صفوی اثرات کے حامل اور ہم عقیدہ ۔ اس دور میں سادات کے درمیان صفوی سلطنت کی حمایت کا رجحان مسلسل بڑھ رہا تھا۔

یہی وہ عہد تھا جب دنیا بھر کے سادات کے بچے حصولِ علم کے لیے صفوی سلطنت کے قائم کردہ منظم تعلیمی نظام کے تحت اہلِ بیتؑ کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے وہاں جایا کرتے تھے وہاں سے تعلیم حاصل کر کے یہ افراد بلند پایہ عالم، فاضل، قاضی، محقق، ریاضی دان، فقیہ، طبیب اور حکیم کے درجے تک پہنچتے تھے بعد ازاں جب یہ قابل ترین افراد ہندوستان واپس آتے تو ان میں سے اکثر کے لیے عملی میدان مغل سلطنت کے شاہی قربت کے حلقے ہوا کرتے تھے، جہاں وہ اپنی علمی، دینی اور فکری صلاحیتوں کے باعث نمایاں مقام حاصل کرتے تھے۔

تقسیمِ ہند اور واپسی کی ہجرت

تقسیمِ ہند کے موقع پر حضرت سید جلال الدین حیدر کی نسل سے تعلق رکھنے والے بعض خاندانوں نے دوبارہ ہجرت کا رخ کیا اس موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کے قریب سادات نے اجتماعی طور پر پاکستان کی جانب ہجرت کی۔

سید امید علی کے بیان کے مطابق، ان کے والد سید محبت علی جب اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان آئے تو ان کے ساتھ ڈیڑھ ہزار سے زائد سادات شامل تھے، جن میں مختلف اقسام کے سادات موجود تھے۔ اگرچہ ان میں بخاری سادات کے صرف چند ہی خاندان شامل تھے، جو ہندوستان میں محض تین یا چار نسلیں قبل لاہور سے جا کر آباد ہوئے تھے، تاہم واپسی کے بعد ان میں سے اکثر نے ملتان میں سکونت اختیار کی چند خاندان لاہور میں آباد ہوئے، جبکہ بعض بچ جانے والے خاندانوں نے حیدرآباد میں رہائش اختیار کی۔

سید علم الدینؒ بن سید جلال الدین حیدرؒ

سید علم الدینؒ حضرت سید جلال الدین حیدرؒ کے ان صاحبزادوں میں شمار ہوتے ہیں جن کی نسل آگے چل کر نسبتاً زیادہ محفوظ اور معروف ہوئی۔ خاندانی شجروں اور زبانی روایات میں آپ کو ایک باوقار، دیندار اور خاندانی روایت کے امین بزرگ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

سید زین العابدینؒ بن سید علم الدینؒ

سید علم الدینؒ کے صاحبزادے سید زین العابدینؒ تھے۔ اگرچہ ان کی زندگی کی تفصیلی تاریخی معلومات محفوظ نہیں رہ سکیں، تاہم شجروں میں ان کا نام تسلسل کے ساتھ درج ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انھوں نے خاندانی نسبت اور وقار کو قائم رکھا۔

سید شاہ نظام بنؒ سید زین العابدینؒ

سید شاہ نظامؒ، سید زین العابدینؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے ذریعے یہ نسل آگے بڑھی اور خاندانی روایت میں ان کا ذکر ایک باوقار کڑی کے طور پر ملتا ہے۔

سید یار شاہ حیدرؒ بن سید شاہ نظامؒ

سید شاہ نظامؒ کے صاحبزادے سید یار شاہ حیدرؒ تھے۔ ان کے عہد سے اس خاندان کی کئی شاخیں واضح صورت میں سامنے آتی ہیں۔ آپ کی نسبت سے یہ نسل مزید پھیلی اور مضبوط ہوئی۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}

اولادِ سید یار شاہ حیدرؒ

سید یار شاہ حیدرؒ کے صاحبزادگان میں سید نبی شاہؒ، سید کبیر شاہؒ اور سید جہانگیر شاہؒ شامل تھے یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے خاندان کی متعدد شاخیں الگ الگ پہچان اختیار کرتی ہیں۔

سید نبی شاہؒ بن سید یار شاہ حیدرؒ

سید نبی شاہؒ کے تین صاحبزادے تھے:

- سید محبوب علی شاہؒ
- سید سلطان علی شاہؒ

- سید شیر علی شاہؒ

سید کبیر شاہؒ بن سید یار شاہ حیدرؒ

سید کبیر شاہؒ کے صاحبزادے سید شاہ چراغؒ تھے۔

سید جہانگیر شاہؒ بن سید یار شاہ حیدرؒ

سید جہانگیر شاہؒ کے دو صاحبزادے تھے:

- سید مالی شاہؒ
- سید شمس الدین شاہؒ

ان دونوں کے ذریعے خاندان کی مزید شاخیں قائم ہوئیں۔

ساداتِ نقوی البخاری جلالی خاندان کی اولاد نے روحانیت، تصوف اور اسلامی تعلیمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان بزرگوں نے اپنے علم، کرامات اور روحانی فیوض سے امت کی رہنمائی کی اور اسلامی فکر و تصوف کو تقویت بخشی ان کی روحانی وابستگی اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام اور ائمہ اہل بیتؑ سے تھی اور ان کی تعلیمات میں اثنا عشری تشیع کی فکری لطافت اور ولایتِ علویؑ کی روشنی نمایاں نظر آتی ہے۔

سید شمس الدین شاہؒ بن سید جہانگیر شاہؒ

سید شمس الدین شاہؒ کے صاحبزادگان میں:

- سید صدر الدین شاہؒ
- سید شرف الدین شاہؒ
- سید قطب شاہؒ

شامل تھے۔ ان ناموں کے ذریعے یہ نسل مزید آگے بڑھی اور مختلف علاقوں میں پھیلی۔

سید شرف الدین شاہؒ بن سید شمس الدین شاہؒ

سید شرف الدین شاہؒ کے صاحبزادے سید کبیر شاہؒ تھے۔ یہ کڑی خاندانی تسلسل میں خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے بعد نسل کا ذکر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔

سید کبیر شاہؒ بن سید شرف الدین شاہؒ

سید کبیر شاہؒ کے صاحبزادگان میں:

- سید قمر الدین شاہؒ
- سید علم الدین شاہؒ
- سید بدر الدین شاہؒ
- سید قطب شاہؒ
- سید رحمت شاہؒ

شامل تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے خاندان کی الگ الگ شاخوں کو آگے بڑھایا۔

سید قمر الدین شاہؒ بن سید کبیر شاہؒ

سید قمر الدین شاہؒ کے دو صاحبزادے تھے:

- سید فرزند علیؒ
- سید اکبر علیؒ

یہ شاخ شجروں میں واضح طور پر محفوظ ہے۔

سید بدر الدین شاہؒ بن سید کبیر شاہؒ

سید بدر الدین شاہؒ کے صاحبزادگان:

- سید احمد شاہؒ
- سید بودھے شاہؒ

تھے، جن کے ذریعے خاندان کا ایک اور سلسلہ آگے بڑھا۔

سید قطب شاہؒ بن سید کبیر شاہؒ

سید قطب شاہؒ کے صاحبزادے سید حیدر شاہؒ تھے، جنھوں نے اس نسل کو اگلے مرحلے تک پہنچایا۔

سید حیدر شاہؒ بن سید قطب شاہؒ

سید حیدر شاہؒ کے صاحبزادگان میں:

- ضامن شاہؒ
- سید امیر علی شاہؒ
- سید وزیر علی شاہؒ
- سید سردار علی شاہؒ

شامل تھے ان میں سے سید امیر علی شاہؒ کو خاندانی روایت کے مطابق آلِ امیر کا جدِ اعلیٰ تسلیم کیا جاتا ہے سید امیر علی شاہؒ کو خاندانی روایت کے مطابق جدِ اعلیٰ اس وجہ سے تسلیم کیا جاتا ہے کہ برِّصغیر ہند کی طرف ہجرت انہی سے منسوب ہے سید اُمید علی بن سید محبت علی کے بیان کے مطابق اجداد میں سے دو افراد عرب سے زیارات کے بعد ہند، خصوصاً اتر پردیش، آئے ان کے باہمی تعلق کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ بھائی تھے یا والد و فرزند، تاہم سید امیر علی شاہؒ کے ساتھ سید وزیر علی شاہ کا زیادہ ذکر ملتا ہے، جس سے دونوں کے بھائی ہونے کا امکان غالب معلوم ہوتا ہے خاندانی روایات اور شجرہ نسب کے قرائن بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں۔

سید امیر علی شاہؒ وہ بزرگ ہیں جن سے آلِ امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی ذکر شروع ہوتا ہے اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجروں اور زبانی روایات میں محفوظ ہیں، مگر ان کی مکمل تاریخی تفصیلات قلم بند نہیں ہو سکیں اس کے برعکس، سید امیر علی شاہؒ کے بعد خاندان کی تاریخ، شجرہ اور روایات زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتی ہیں، اسی لیے انھیں آلِ امیر کی تاریخ میں ایک مرکزی اور فیصلہ کن مقام حاصل ہے۔

contentReference[oaicite:0]{index=0}

سید امیر علی شاہؒ بن سید حیدر شاہؒ

سید امیر علی شاہؒ کے چار صاحبزادوں کے نام خاندانی شجروں اور روایات میں ملتے ہیں ان میں سید بابا درویشؒ (لاولد)، سید علیؒ (لاولد)، سید شاکر علی شاہؒ فیروزآبادی اور سید ذاکر علی شاہؒ فیروزآبادی شامل تھے ان میں سے بعض کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، جبکہ بعض کی نسل کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں خاندانی روایات میں سید ذاکر علی شاہؒ فیروزآبادی کی اولاد کے جاری رہنے کا دعویٰ تو ملتا ہے، مگر اس نسل کی واضح تفصیل، شجرہ یا مستند تاریخی ریکارڈ محفوظ نہیں رہ سکا یہ امکان ظاہر کیا جاتا ہے کہ ان کی نسل آج بھی فیروزآباد ہی میں آباد ہو یا پھر کسی اور علاقے کی طرف ہجرت کر چکی ہو، تاہم اس بارے میں کوئی قطعی اور مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں تاریخی شواہد کے مطابق، آپ کی نسلِ پاک صرف ایک ہی زوجہِ مطہرہ سے چلی ہے، جبکہ دیگر ازواج سے اولاد کا کوئی ثبوت دستِ یاب نہیں ہے۔

اس کے برعکس، جو نسل سب سے زیادہ مستند، ثابت شدہ اور تسلسل کے ساتھ محفوظ چلی آ رہی ہے، وہ سید شاکر علی شاہؒ فیروزآبادی سے منسوب ہے خاندانی شجروں اور زبانی روایات کے مطابق سید شاکر علی شاہؒ کے ایک صاحبزادے سید عاشق علیؒ تھے، جن کے ذریعے اس شاخ کا نسلی تسلسل آگے بڑھا ان کے علاوہ سید شاکر علی شاہؒ کی بیٹیوں کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں، جن میں تعداد کہیں تین، کہیں چار اور ایک بیان کی گئی ہے، تاہم بیٹیوں کی تعداد کے بارے میں قطعی اتفاق موجود نہیں۔

یوں مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید امیر علی شاہؒ کی اولاد میں سے نسلی تسلسل کے اعتبار سے جو شاخ تاریخی طور پر زیادہ مضبوط، محفوظ اور قابلِ اعتماد ہے، وہ سید شاکر علی شاہؒ فیروزآبادی کی نسل ہے، جبکہ دیگر صاحبزادوں کی اولاد کے بارے میں معلومات یا تو دستیاب نہیں رہیں یا پھر وقت کے ساتھ غیر واضح ہو گئی ہیں ہم ان کی نسل کے جاری رہنے سے انکار نہیں کرتے، البتہ ہمارے پاس ان کی نسل کے بارے میں مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

سید امیر علی شاہؒ جدِ آلِ امیر

سید امیر علی شاہؒ وہ بزرگ ہیں جن سے آلِ امیر کا نسبتاً زیادہ مستند، مفصل اور محفوظ تاریخی و خاندانی ذکر شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے کی کئی نسلوں کے نام شجروں اور زبانی روایات میں محفوظ ہیں، مگر ان کی مکمل تاریخی تفصیلات قلم بند نہیں ہو سکیں۔ اس کے برعکس، سید امیر علی شاہؒ کے بعد خاندان کی تاریخ، شجرہ اور روایات زیادہ واضح اور مربوط صورت میں سامنے آتی ہیں، اسی لیے انھیں آلِ امیر کی تاریخ میں ایک مرکزی اور فیصلہ کن مقام حاصل ہے، جبکہ ان کے بھائی ضامن شاہؒ، سید وزیر علی شاہؒ اور سید سردار علی شاہؒ کی نسلیں بھی الگ الگ شاخوں کی صورت میں آگے بڑھیں یہ بات علمی دیانت کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے کہ سید جلال الدین حیدرؒ کے بعد کی بعض درمیانی نسلوں کے حالات تفصیل کے ساتھ محفوظ نہیں رہ سکے لاہور اور اس کے اطراف میں ابتدائی نسلوں کی موجودگی کے بعض دعوے ضرور ملتے ہیں، مگر ان کے پاس بھی مکمل تحریری تاریخی شواہد موجود نہیں اس کے باوجود یہ تمام نام خاندانی شجروں اور زبانی روایات میں احترام کے ساتھ محفوظ چلے آتے ہیں، یہ سلسلہ بالآخر شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ کے صاحبزادے سید عاشق علی شاہؒ تک اور پھر اُن کے فرزند شہید سید نفیس علی شاہؒ کے ذریعے سید امجد علی شاہؒ، سید حفیظ علی شاہؒ اور سید محبت علی شاہؒ تک جاری رہتا ہے۔

یہ تمام بزرگانِ دین، علم و عرفان کے روشن مینار اور تصوف و روحانیت کے علمبردار رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات میں محبتِ اہل بیتؑ، ولایتِ علیؑ اور امامیہ فکر کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ انھوں نے امت میں وحدت، معرفت اور عشقِ محمد و آلِ محمدؐ کو فروغ دیا۔

ان تمام جلیل القدر بزرگوں کی تفصیلی سوانح، کرامات اور روحانی مقامات تصوف، اثنا عشری تشیع، سادات کے انساب اور دیگر تاریخی و روحانی کتب میں دستیاب ہیں۔

آپ کے زمانے، اُس دور کے پنجاب، سندھ اور اتر پردیش کے اکثر علاقوں کے مذہبی ماحول اور آپ کی اولاد و نسل میں قائم طریقۂ کار اور دو طرفہ روایتوں سے یہ امر واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق سلسلۂ ذہبیہ یا سلسلۂ کبرویہ سے تھا تاریخی و نسبی شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نقوی بخاری سادات کی فکری و روحانی وابستگی ابتدا ہی سے اہلِ بیتِ اطہارؑ، ائمۂ اثنا عشرؑ اور واقعۂ کربلا کے اصولی تصورِ امامت سے گہری رہی ہے اگرچہ مختلف ادوار میں سیاسی دباؤ، سماجی حالات اور فقہی غلبے کے باعث ان میں سے بعض نے خود کو سنی یا صوفی شناخت کے تحت ظاہر کیا، تاہم ان کی داخلی اعتقادی ساخت، اہلِ بیتؑ سے ولائی نسبت، عزاداری اور امامی فکر سے وابستگی میں بنیادی فرق پیدا نہیں ہوا۔ اختلاف زیادہ تر ظاہری اظہار اور رسومات کی سطح پر رہا، نہ کہ اصولِ اہلِ بیتؑ سے انحراف کی صورت میں۔

خاندانِ ساداتِ سید امیر علی شاہؒ ایک پوشیدہ، روحانی اور نسبی ورثے کا امین ہے جو مغلیہ دور کے آخری عہد کی طبی و روحانی خدمات، تقیہ، تصوف اور اہلِ بیتؑ سے والہانہ محبت کی بنیاد پر نسل در نسل منتقل ہوا سید امیر علیؒ مغلیہ سلطنت کے زوال پزیر دور (تقریباً اٹھارویں صدی کے اواخر تا انیسویں صدی کے اوائل) میں ایک شاہی طبیب کے طور پر معروف رہے خاندانی روایت کے مطابق آگرہ میں مہتاب باغ کے قریب ایک قطعۂ زمین سے ان کی نسبت بیان کی جاتی ہے، جہاں بعد کے زمانوں میں کالی سندلی مسجد قائم رہی تاہم تاریخی قرائن کی رو سے زیادہ قرینِ قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام بطورِ تولیت، نگرانی یا محدود حقِ تصرف ان سے منسلک رہا ہو، نہ کہ قطعی اور مستقل جاگیر کے طور پر عطا ہوا ہو جبکہ خاندانی روایت میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ سید امیر علیؒ کے تصرف میں دیگر اراضیات بھی تھیں، جن میں سے ایک مقام پر ایک چھوٹی مسجد قائم تھی اس جگہ کی درست تعیین آج ممکن نہیں، تاہم بیانات کے مطابق وہاں غیر معمولی واقعات اور جنّات سے متعلق قصے منسوب کیے جاتے رہے اور کہا جاتا تھا کہ اس مقام پر صرف اسی خانوادے کے افراد کی آمد کو قبول کیا جاتا تھا۔ ان کے بعد نسل میں سید شاکر علیؒ صوفی بزرگ کے طور پر نمایاں ہوئے، جن کا سلسلۂ ذہبیہ یا سلسلۂ کبرویہ چشتیہ اور جلالیہ سلسلوں کے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے خاندانی روایات کے مطابق آپ کسی روحانی سلسلے کے خلیفہ بھی رہے آپ نے اہلِ بیت علیہم السلام کی فقہی و اعتقادی روایت کو بنیاد بناتے ہوئے طریقت و تصوف کا راستہ اختیار کیا، مگر اپنے اصولی مکتب سے انحراف نہیں کیا فیروزآباد میں آپ کی موجودگی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان کا مرکز عملی طور پر وہاں منتقل ہوا آپ کی تعلیمات میں اہلِ بیت اطہارؑ کی نسبت نمایاں تھی اور آپ کا رجحان اثنا عشری فکر کی طرف بیان کیا جاتا ہے بعض میں ملتا ہے کہ آپ سے روحانی مسائل میں رجوع کیا جاتا تھا اور آپ کے اقوال و افکار میں معرفت و ولایت کی جھلک محسوس کی جاتی تھی۔

سید امیر علیؒ کی زندگی کے بعض پہلو مکمل دستاویزی صورت میں محفوظ نہیں، تاہم نسلی تسلسل، روایت اور زمانی مطابقت کے اعتبار سے ان کی شخصیت ایک ایسے بزرگ طبیب کی صورت میں سامنے آتی ہے جو مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں علمی و روحانی خدمات سے وابستہ رہے اور جن کی نسبت اہلِ بیتؑ سے جڑی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔

ان کے بعد خاندان نے فرقہ وارانہ مظالم کی وجہ سے آگرہ، فیروزآباد سے ہجرت کی، جس میں سید محبت علیؒ اور سید حفیظ علیؒ کی جانیں بمشکل بچ سکیں۔ ان کی اولاد سندھ، پاکستان میں آ کر آباد ہوئی چند سال گزرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور اس بیعتِ تصوف کے ذریعے آپ کا شجرۂ طریقت حضرت شیخ الاسلام سید عبد القادر جیلانیؒ غوثِ پاک سے جا ملا، یوں آپ دونوں کی بیعت کا سلسلۂ طریقت انھی تک پہنچتا ہے۔ 1990 کے قریب شجرہ نسب کا ایک حصہ چوری ہو گیا جو سب سے قدیم نسخہ تھا، مگر اس کی چند عربی و فارسی کی تحریریں اور دیگر نقلیں جو اردو میں منتقل ہو چکی تھیں وہ باقی رہیں لیکن سید محبت علی نے 1947 وقت ہجرت ہی اپنے مشاجرات اُوچ شریف میں جمع کروا دیے تھے، جب آپ علاج کے سلسلے

میں لاہور گئے تو وہاں بھی نسب کی معلومات لکھوا کر جمع کرائی اور سید نیاز علی کو بتایا کہ ہمارے لوگ یہاں آباد ہیں جن کا علم ان کے بیٹوں کو بھی تھا سید محبت علیؒ کے ہاتھ سے لکھوا کر اُوچ شریف میں جمع کرایا گیا دربار کے سجادہ نشین خانوادۂ ساداتِ نقوی البخاری کو پہچان گئے بعد ازاں سید محبت علیؒ کی نسل سے تعلق قائم رہا اور اُوچ شریف کی قائم روایت کے مطابق بعد میں پیدا ہونے والی نسل کی بھی تصدیق کی جاتی رہی ہے شجرے کی اور ماہرینِ نسب کی تحقیق، خاندان کے تمام بزرگ، سجادہ نشین اور گواہان، جیسا کہ اُوچ شریف کے قدیم و محفوظ ریکارڈ سے بھی تصدیق ہوتی ہے اور یہی موقف نسل در نسل تسلیم کیا جاتا رہا ہے سید امیر علی شاہ کے صاحبزادے، سید شاکر علی نے تصوف پر بے انتہا بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

جبکہ سید شکر علی کا تعلق سلسلۂ جلالیہ سے زیادہ تھا اور بعد میں سلسلۂ چشتیہ سے بھی آپ دونوں سلسلوں سے خلیفہ تھے فیروز آباد میں، مگر آپ کا جھکاؤ سلسلۂ جلالیہ کی طرف زیادہ تھا، جس کی وجہ آپ کے اثنا عشری کے قریب عقائد تھے۔ سید نیاز علی ابتدا میں زبانی روایت کے مطابق یہ مانتے تھے کہ ان کا نسب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے بچپن میں عربی اور فارسی میں قدیم شجرہ پڑھا تھا، جس میں جلال الدین سرخ پوش بخاری بن علی المیدی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد بن عبد اللہ بن علی بن امام جعفر صادق کے نام درج تھے تاہم، ان کے حافظے میں کچھ تفصیلات نہیں تھیں اور نام کے حوالے سے ان سے ایک جگہ غلطی ہو گئی، حالانکہ دراصل وہ علی بن جعفر ثانی کی نسل سے تھے بعد میں جب شجرے کو دوبارہ کھولا گیا اور نسخے پڑھے گئے تو یہ واضح ہوا کہ اصل میں علی بن جعفر ثانی تھے اور سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ درحقیقت نقوی سادات میں سے تھے سید نیاز علی نے تسلیم کیا کہ بچپن میں پڑھائی یا بڑھاپے میں حافظے کی کمزوری کی وجہ سے یہ غلط فہمی ہوئی یہ مسئلہ عام طور پر ہندوستان میں آباد بخاری سادات میں پایا گیا، کیونکہ شجرے کی حفاظت، ناموں کی تکرار، زبانی روایت اور تعلیم کی کمی نے غلط فہمیاں جنم دی تھیں۔

ایک نہایت معزز اور معتبر شخصیت خاندان کے نہایت قریبی، حضرت خادم الفقراء و المساکین، مخدوم حامد محمد نوبہار خامس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوچ شریف حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مورث اعلیٰ سادات نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند اور دربارِ عالیہ جلالیہ کے ماہرُ الانساب و شجرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خاندان کا نسب مکمل اور درست ہے جو تقسیمِ ہند کے وقت، ہجرت کرنے والے سادات نے اس کا ریکارڈ جمع کرایا اور تمام خاندان کا ریکارڈ درست ہے، جس کی صرف تصدیق کی گئی ہے چونکہ یہ خاندان چھ سات نسلوں تک ہندوستان میں آباد رہا، اس لیے ہندوستان سے بھی مستند تحقیق اور ریکارڈ حاصل کیا گیا پھر ایک نہایت معزز اور معتبر شخصیت حضرت پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، سیادت مآب، چیف آف ساداتِ ہندوستان، سید ناصرالدین نقوی مودودی ہاشمی چشتی حسنی حسینی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ جھالرہ شریف، اجمیر، راجستھان اور ان کے خلیفہ و خادمِ آستانہ، سید غیاث الدین نعیم کے مطابق اس سادات خاندان کا ریکارڈ ہمارے پاس بھی موجود ہے سید محبت علی بن سید نفیس علی بخاری کے بیٹے سید امید علی اور ان کی ایک بہن تک اور حاجی سید حفیظ علی بن سید نفیس علی بخاری اور ان کے ایک بیٹے سید قمر علی تک کا ریکارڈ اس طرح موجود ہے نیز سید امجد علی کا ریکارڈ بھی موجود ہے اور سب ان میں سے اکثر کا تعلق تشیع سے تھا بعد ازاں پاکستان آ کر بڑے بھائی سید امجد علی ، جن کی والدہ سید نفیس علی کی پہلی بیوی تھیں اور ان سے صرف سات بیٹیاں پیدا ہوئیں، نہ کہ کوئی بیٹا شجرہ نویسی میں پیدا ہونے والے مسائل اور شبہات کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ تصوف کے غلبے نے نسبی علم و تحقیق کو نظر انداز کر دیا، جس کے نتیجے میں شجرہ نویسی میں الجھاؤ اور ابہام پیدا ہو گئے۔

اگرچہ روایتی بیانات اور خاندان کی زبانی روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دور 1700ء کے بعد سے 1850ء کے درمیان کا زمانہ ظاہر ہوتا ہے، لیکن بعض ایسے نام اور واقعات بھی ملتے ہیں جو اس سے پہلے کے ادوار سے تعلق رکھتے ہیں اس تضاد کا ایک ممکنہ سبب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض روایات درحقیقت کسی بزرگ جد کی زندگی اور کارناموں سے وابستہ ہوں، جنھیں وقت کے ساتھ ساتھ سید امیر علیؒ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہو ممکن ہے عوامی شعور میں ان کی شخصیت کو دانستہ طور پر پسِ منظر میں رکھا گیا ہو، جبکہ آپ مغل سلطنت کے خاص پوشیدہ کارندوں میں شمار ہوتے تھے، آپ کا عرب سے بھی کوئی خاص تعلق جڑا ہوا تھا، خاص کر کے ایران سے، اس تاریخی گمشدگی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس دور میں وہ سرگرم تھے، اسی زمانے میں کالی سندلی مسجد اہلُ البیت کے عقائد کے طور پر جانی جاتی تھی، وقت گزرنے کے ساتھ مسجد صوفی روایتوں کے زیرِ اثر آ گئی اور بالآخر ایک سرکاری ادارے کے کنٹرول میں چلی گئی جن کی تاریخی موجودگی مسجد سے منسلک رہی کیونکہ سید امیر علی کی زندگی بہت زیادہ ہجرتوں میں گزری ہے، آپ کا کسی ایک جگہ مقیم ہوجانا ناممکن سا تھا، یاد رہے کہ یہ سید امیر علی نقوی البخاری ہیں، نہ کہ کوئی سید امیر علی تقسیمِ ہندوستان سے قبل کا کوئی سیاسی رہنما، یہ اکثر لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

چونکہ سید امیر علیؒ نے ایک پوشیدہ زندگی بسر کی، اس لیے ان کی اولاد کو بھی کئی نسلوں تک مخالفین کا سامنا رہا، جس کے باعث ان کے خانوادے نے وقتاً فوقتاً نقل مکانی کی یہی وجہ ہے کہ بعد کی نسلوں نے اپنی نسبت ظاہر کرتے ہوئے احتیاط برتی یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ صفوی باقیاتی گروہ اور سلطنتِ اودھ کے دار الحکومت لکھنؤ سے ان کے تعلقات تھے روایتاً کہا جاتا ہے ایک موقع پر مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی اہلیہ بی بی کاندھاری بیگم کی تدفین کے لیے وہ زمین منتخب کی جہاں ان کی قبر واقع ہے اسی مقام پر شاہ جہاں نے اپنی اہلیہ کو روحانی نسبت بخشنے کی غرض سے ایک مسجد تعمیر کروائی جو آج کالی سندلی مسجد کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر 1632ء میں ہوئی، اُس دور میں یہ علاقہ ایک مکمل مغل فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ بعد ازاں یہ مسجد اور اس سے متعلقہ زمین سادات بخاری کے اختیار میں آ گئی، ممکنہ طور پر یہ امر اس بنا پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ بی بی کاندھاری بیگم ان کی ہم عقیدہ تھیں، جس کے باعث یہ انتظام عمل میں آیا بعد کے ادوار میں اس مسجد کو مغل افواج کی سہولت کے لیے تعمیر شدہ قرار دیا گیا، حالانکہ حقیقت میں یہ زمین سادات کی تھی اور مسجد بھی اسی تاریخی و روحانی تسلسل کا حصہ ہے اسی طرح فیروزآباد میں واقع ایک مسجد بھی اسی خاندان کے اختیار میں رہی، جو ساداتِ نقوی بخاری کی وہاں موجودگی اور مذہبی و سماجی اثر و رسوخ کی واضح مثال ہے۔ اس مسجد سے متعلق وقت کے ساتھ ساتھ جنّات کے معاملات، قصے اور کہانیاں بھی منسوب ہوتی چلی آئی ہیں، جو زیادہ تر عوامی روایات اور مقامی بیانیے کا حصہ سمجھی جاتی ہیں۔

1700 سے 1800 کے درمیان صفوی خاندان (جو ایران میں حکومت کر رہا تھا) کا براہ راست ہندوستان میں کوئی خاص اثر و رسوخ نہیں تھا، کیونکہ صفوی سلطنت 1736 میں ختم ہو گئی تھی اور اس کے بعد قاجاری خاندان نے ایران میں حکمرانی شروع کی تاہم، اس دوران صفوی سلطنت کے اثرات اور تعلقات ہندوستان میں مختلف طریقوں سے موجود تھے، خاص طور پر ایرانی شیعہ کمیونٹیز اور صفوی حکومت کے زوال کے بعد ہندوستان میں پناہ گزین ہونے والے ایرانیوں کے ذریعے۔

اس دور میں ہندوستان میں صفوی اثرات و ایرانی گروہ:

1. ایرانی پناہ گزین: صفوی خاندان کے زوال کے بعد، ایران سے بہت سے ایرانیوں نے ہندوستان کا رخ کیا، خاص طور پر وہ ایرانی جنھوں نے اپنی زندگی کو بچانے کے لیے ہندوستان میں پناہ لی ان پناہ گزینوں نے اپنے وطن سے متعلق مذہبی، ثقافتی اور سیاسی اثرات ہندوستان میں منتقل کیے۔
2. شیعہ کمیونٹیز: ہندوستان میں شیعہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور صفوی سلطنت کے دور میں ایرانی شیعہ مذہب کو بہت فروغ حاصل ہوا تھا اس دوران ہندوستان میں شیعہ مسلک کے پیروکاروں میں ایرانی اثرات بڑھ گئے تھے۔
3. مغلیہ سلطنت کے ساتھ تعلقات: صفوی سلطنت اور مغلیہ سلطنت کے درمیان مختلف اوقات میں سیاسی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم تھے صفوی حکمرانوں نے مغل شہنشاہوں کے ساتھ کئی سفارتی تعلقات قائم کیے اور دونوں سلطنتوں کے درمیان تعلقات خاص طور پر اور شاہ جہاں کے دور میں مضبوط تھے۔
4. ایرانی فنون اور ثقافت: ایرانی فنون، ادب اور طرزِ تعمیر کا اثر ہندوستان میں بڑھا ایرانی فنکار، خطاط، معمار اور مفکر ہندوستان آئے اور انھوں نے ہندوستانی ثقافت پر گہرا اثر چھوڑا۔
5. صفوی خاندانی اثرات: ایران سے آنے والے افراد نے ہندوستان میں اپنے خاندانوں کے ذریعے ایرانی ثقافت کو فروغ دیا اور ان خاندانوں نے ہندوستانی معاشرت میں اپنا ایک مقام بنایا ان میں بہت سے ایرانی خاندان ہندوستانی درباروں کے حصے بن گئے تھے۔

صفوی خاندان کے زوال کے بعد ایران کے اثرات

1736 میں نادر شاہ کی ایران پر حکومت کے آغاز کے ساتھ صفوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور قاجاری خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس دوران ایران سے آنے والے افراد نے ہندوستان میں اپنا اثر برقرار رکھا، خاص طور پر دہلی، لکھنؤ اور حیدرآباد جیسے بڑے شہروں میں، جہاں شیعہ کمیونٹی کی موجودگی زیادہ تھی۔

ان کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف عرف یا القابات استعمال کیے گئے، مگر اصل نام سید امیر علی ہی تھا آگرہ ان کی مستقل سکونت گاہ کے طور پر شناخت کی جاتی ہے، اگرچہ لکھنؤ، سرسری، لاہور اور مرادآباد جیسے شہروں کا اور حیدرآباد دکن وغیرہ جیسے علاقے، جہاں سادات کی اکثریت زیادہ موجود رہی وہاں کے بھی تذکرے موجود ہیں تاہم آپ کی قبرِ اقدس کا اصل مقام قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ اگرچہ آپ کی دو ازواج کا تعلق آگرہ سے اور ایک کا تعلق لاہور سے ظاہر ہوتا ہے، تاہم اس کتاب میں صرف ایک زوجہ خاتون سے جاری ہونے والی اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ دیگر ازواج اور ان کی اولاد کے نام و تفصیلات مستند طور پر محفوظ نہیں رہ سکے۔

ان کے فرزند سید شاکر علیؒ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ فیروزآباد سے جڑا دکھائی دیتا ہے خاندانی روایت کے مطابق ان کی والدہ جن کا نام سیدہ مریم زیدی) نام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے (کا تعلق ایک معزز گھرانے سے تھا جو فیروزآباد کے مشہور خاندانوں میں شمار ہوتا تھا یہی سبب ہے کہ سید شاکر علیؒ کی آخری زندگی اسی شہر میں گذری اور وہیں ان کی روحانی خدمات کا دائرہ قائم رہا۔

سید امیر علی کی پوشیدہ خدمات، اُن کی عظیم قربانیوں اور مخلصانہ کاوشوں پر مکتبِ شیعہ اثنا عشریہ، سلسلہ جلالیہ اور سلسلہ چشتیہ کے افراد کو فخر ہونا چاہیے کہ جنھوں نے ان روحانی شاخوں کو استحکام عطا کرتے ہوئے خود کو تاریخ کے دھندلکوں میں گم کر دیا اور پھر اُن کی اولاد و نسل نے اس جدوجہد کو جاری و ساری رکھنے کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اہلِ بیتؑ کا قرب اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین۔

سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارہویں صدی میں جب مغل سلطنت زوال کا شکار ہو چکی تھی اور دربار کی مرکزی قوت خاصی کمزور ہو گئی تھی، اُس پس منظر میں خاندانی روایات یہ بیان کرتی ہیں کہ سید امیر علی اپنے وقت کے ماہر حکیم اور صاحبِ روحانیت شخصیت کے طور پر معروف تھے انھوں نے مغل خاندان کی ایک معزز خاتون کا علاج کیا، تاہم اُس انتشار زدہ اور کمزور انتظامی دور میں انھیں کسی نمایاں سرکاری منصب یا خاص درباری پزیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ مزید یہ کہ مقامی سطح پر مسجد اور متعلقہ اراضی کی خدمت و نگرانی میں ان کے خاندان کا کردار بیان کیا جاتا ہے، جسے اسی زوال پزیر عہد میں ایک باوقار مگر محدود اثر کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اب یہ بات وثوق سے کہنا دشوار ہے کہ سید امیر علی نے کس کا علاج کیا تھا، اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سادات اپنے قریبی رشتے داروں یا خاندان کے بزرگوں کے بارے میں بھی بڑھا چڑھا کر بات کرتے ہیں اور وقت کے ساتھ یہ بیانات کہیں کے کہیں منصوب ہو جاتے ہیں بعض اوقات کسی قریبی خاندان کے بزرگ کے بارے میں جو خصوصیات بیان کی جاتی ہیں وہ دوسرے خاندانوں کے بزرگوں پر بھی اسی فضیلت کے ساتھ نسبت دے دی جاتی ہیں اور کن خدمات کے صلے میں انھیں زمین یا تحائف عطا ہوئے، کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ قدیم تحریری نسخے یا تو گم ہو گئے یا چوری و ضیاع کا شکار ہوئے، نیز خاندان کے اکثر بزرگ انتقال کر چکے ہیں اور باقی بزرگوں کی عمر رسیدگی، ضعفِ حافظہ اور طویل علالت کے باعث بہت سی معلومات زمانے کی گرد میں اوجھل ہو چکی ہیں خاندان میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ سید امیر علی یا اُن کے بزرگوں میں سے کسی ایک کو ایک شاہی خاتون کے علاج کے لیے دربار میں طلب کیا گیا روایت کے مطابق علاج کے نتیجے میں شفا حاصل ہوئی، جس پر بطورِ احسان دربار کی منظوری سے ایک قیمتی قطعۂ زمین عطا کیا گیا۔

مغل دربار کے شاہی طبیب اور رازدارانہ معاملات

مغل دور میں شاہی حکیم صرف معالج ہی نہیں بلکہ اندرونی معاملات کے رازدار بھی ہوا کرتے تھے۔ شاہی طبیبوں کو سلطنت میں خاص مقام حاصل تھا اور کئی حکما کو منصبِ امارت تک عطا ہوا۔ اسی طرح بعض حکیم دربار میں امرا کی طرح سج دھج کے ساتھ نظر آتے تھے۔ مغل مصوری میں بعض مناظر میں ایک سربراہ حکیم (سَرمد الاطباء) کو مریض بادشاہ یا شہزادے کا علاج کرتے اور ماتحت حکیموں کو ہدایات دیتے دیکھایا گیا ہے، جو دربار میں ان کے اونچے درجہ کا عکاس ہے۔

شاہی حکیموں کو نہایت اعتماد کے ساتھ زنان خانہ (حرم) تک رسائی حاصل ہوتی تھی لیکن اس میں انتہائی رازداری ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ یورپی سیاح منوچی لکھتا ہے کہ جب کسی شاہی خاتون کا علاج کرنا ہوتا تو حکیم کو سر سے کمر تک کپڑے سے ڈھانپ کر حرم میں لے جایا جاتا اور خواجہ سرا ساتھ رہتے، تاکہ نہ حکیم کی نگاہ ادھر اُدھر اٹھے نہ خواتین بے پردہ ہوں۔ اسی طرح بیمار شہزادیوں کے لیے حرم کے اندر الگ بیمارخانہ کا انتظام ہوتا تھا جہاں صرف مخصوص خدام اور حکیم کو اجازت ملتی۔ ان احتیاطوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہی طبیب سلطنت کے نجی معاملات کے کس قدر امین ہوتے تھے شاہی حکیموں کا قرب بعض اوقات سیاسی سازشوں میں بھی ان کے ملوث ہونے یا کم از کم آگاہ ہونے کا باعث بنتا تھا۔ مثلاً فرانسیسی سیاح تاورنیئر 1665ء میں الہ آباد سے گذرا تو اسے بتایا گیا کہ ایک صوبیدار کے مصاحب فارسی حکیم نے اپنی بیوی کو محل کی چھت سے پھینک کر قتل کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ واقعہ حکیم کی ذاتی زندگی کا تھا، لیکن دربار میں چہ مہ گوئیاں ہوئیں کہ کہیں یہ سازش اقتدار تک رسائی کا حصہ تو نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی حکیم اپنی حیثیت اور قربت کو کبھی غلط استعمال بھی کر سکتے تھے اور دربار کے انتہائی پوشیدہ معاملات تک رسائی رکھتے تھے۔ مغلیہ تاریخ میں بعض حکیموں کو زہر دینے یا بچانے کے واقعات کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جاتا رہا ہے۔

روحانی مقام اور علمی تاثیر

سید امیر علیؒ آلِ محمدؐ ہونے کی وجہ سے ایک بلند پایہ روحانی بزرگ بھی تھے ان کے علم و فضل کی تاثیر اور روحانی مقام کی بنیاد ان کے حسب و نسب پر بھی تھی، کیونکہ وہ آلِ محمد ﷺ اور نسبِ حضرت مولا علی علیہ السلام ابن ابی طالب علیہ السلام سے تعلق رکھتے تھے یہی نسبت ان کے روحانی کمالات اور ان کی دعاؤں کی مقبولیت کی بنیاد بنی ان کی زندگی مکمل طور پر دین داری، عبادت اور خدمتِ خلق میں بسر ہوئی وہ دنیاوی جاہ و جلال اور مال و دولت سے بے نیاز ہو کر ایک سادہ مگر بامقصد زندگی گزارتے رہے ان کی طبی مہارت کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی تاثیر بھی بے مثال تھی، جس کی بدولت لوگ انھیں ایک ولی اللہ کی حیثیت سے بھی جانتے تھے۔

نسب

سید امیر علی شاہؒ بن سید حیدر شاہؒ بن سید قطب شاہؒ بن سید کبیر شاہؒ بن سید شرف الدین شاہؒ بن سید شمس الدین شاہؒ بن سید جہانگیر شاہؒ بن سید یار شاہ حیدرؒ بن سید شاہ نظامؒ بن سید زین العابدینؒ بن سید علم الدینؒ بن سید جلال الدین حیدرؒ بن سید صفی الدینؒ بن سید نظام الدینؒ بن سید علیم الدینؒ بن سید جلال الدینؒ بن سید علم الدین بخاریؒ بن سید محمود نر ناصر الدینؒ بن سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ بن سید سلطان احمد کبیرؒ بن حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ بن سید قطب کمال بن سید علی المعیدؒ بن سید جعفرؒبن سید محمد بخاریؒ بن سید محمودؒبن سید احمد شاہؒ بن سید عبد اللہؒبن سید علی اصغرؒبن سید جعفر ثانیؒ بن امام علی نقی علیہ السلام بن امام محمد تقی علیہ السلام بن امام علی رضا علیہ السلام بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقر علیہ السلام بن امام زین العابدین علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ علیہ السلام بن حضرت ابو طالب علیہ السلام بن حضرت عبد المطلب علیہ السلام

اولاد و نسل

سید امیر علی کے صاحبزادے سید شاکر علی تھے، ان کے صاحبزادے کا نام سید عاشق علی تھا، جن کے فرزند سید نفیس علی شاہ تھے۔ سید نفیس علی شاہ کے تین صاحبزادے تھے: حاجی سید حفیظ علی اور ان کے چھوٹے بھائی سید محبت علی قیامِ پاکستان کے موقع پر ان تینوں بھائیوں نے اپنے اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ پاکستان کی جانب ہجرت کی اور یوں یہ سلسلۂ نسب برصغیر کے تاریخی تناظر میں ایک نئی جغرافیائی سمت اختیار کر گیا سید امیر علیؒ کی وفات کے حوالے سے تاریخی شواہد واضح نہیں ہیں، سید شاکر علیؒ نے اتر پردیش کے ضلع فیروز آباد کی طرف ہجرت کی کچھ روایات کے مطابق، وہ دینی تبلیغ کے فروغ اور سیاسی کشیدگی سے دور رہنے کے لیے یہاں منتقل ہوئے فیروز آباد انھوں نے اپنا مسکن بنایا اور یہاں تبلیغِ دین، اصلاحِ معاشرہ اور روحانی و فلاحی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ

فیروز آباد میں دینی و روحانی خدمات

سید شاکر علی شاہؒ نے فیروز آباد میں تبلیغِ دین اور اہلِ بیت کی محبت کو عام کرنے کا کام جاری رکھا۔ ان کا دینی پیغام تمام مکاتبِ فکر کے لیے تھا اور وہ فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر اسلام کی حقیقی روح کو پھیلانے کے قائل تھے ان کی تبلیغ میں محبتِ اہلِ بیت کا رنگ نمایاں تھا اور ان کا جھکاؤ سلسلہ چشتیہ بعض فکری اشاروں سے سلسلۂ ذہبیہ یا نعمت اللہی کے اثرات بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ :contentReference[oaicite:0]{index=0}

نَسب

سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ سید حیدر شاہؒ بن سید قطب شاہؒ بن سید کبیر شاہؒ بن سید شرف الدین شاہؒ بن سید شمس الدین شاہؒ بن سید جہانگیر شاہؒ بن سید یار شاہ حیدرؒ بن سید شاہ نظامؒ بن سید زین العابدینؒ بن سید علم الدینؒ بن سید جلال الدین حیدرؒ بن سید صفی الدینؒ بن سید نظام الدینؒ بن سید علیم الدینؒ بن سید جلال الدین بنؒ سید علم الدین بخاریؒ بن سید محمود نر ناصر الدینؒ بن سید جلال الدین حسین المعروف مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ بن سید سلطان احمد کبیرؒ بن سید قطب کمال حضرت سخی سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ ۔

سید شاکر علیؒ: تاریخی اختلافات

تاریخی حوالے اس بات کو مکمل طور پر ثابت نہیں کرتے کہ سید شاکر علیؒ کس فقہ سے تھے، لیکن درج ذیل نکات کو مدنظر رکھا جا سکتا ہے:

سید شاکر علیؒ سلسلہ چشتیہ وجلالیہ سے وابستہ تھے سلسلہ جلالیہ برصغیر کی صوفیانہ تاریخ کا ایک مستند، معتبر اور جامع روحانی سلسلہ ہے، جس کا آغاز 13ویں صدی عیسوی میں سید شاکر علی کے جدِعظیم بزرگ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ متوفی 1295ء سے اوچ شریف میں ہوا اس سلسلے کی بنیاد اگرچہ سہروردی سلسلے کی روحانی روایت پر رکھی گئی، تاہم اس کی تشکیل و ارتقا میں چشتی سلسلے کی روحانی لطافت، جذب کی کیفیت اور فقر و محبت پر مبنی باطنی طرزِ عمل نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی شخصیت ان دونوں سلاسل کے امتزاج کا مظہر تھی جہاں سہروردی نظم و ضبط اور شریعت پسندی موجود تھی، وہیں چشتی رنگ میں ڈوبا ہوا عشقِ الٰہی، توکل، خدمتِ خلق اور وجدانی کیفیات بھی ان کے اندازِ تربیت کا حصہ تھیں۔ ان کی تعلیمات میں روحانیت اور عرفان دونوں کی جھلک نمایاں تھی ایک طرف تزکیۂ نفس، ذکر و فکر اور مجاہدہ اور دوسری جانب باطنی معرفت، سلوک کی راہ اور حقیقت تک رسائی کے رموز یہی ہم آہنگی اور فکری توازن اس سلسلے کو ایک منفرد پہچان عطا کرتے ہیں یوں سلسلہ جلالیہ، سہروردی اور چشتی دونوں سلاسل کے روحانی اثرات کو یکجا کرتے ہوئے، برصغیر میں ایک مستحکم، بااثر اور ہمہ جہت سلسلے کے طور پر قائم ہوا، جو آج تک صوفیانہ روایت کا روشن حصہ ہے بعد ازاں، سلسلہ جلالیہ اور سلسلہ قلندریہ کے درمیان روحانی قربت اور باطنی میلان پیدا ہوا، جو بعض فکری و سلوکی پہلوؤں میں نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ آپ کا تعلق تشیعی صوفی سلاسل سے بھی محسوس ہوتا ہے، جیسے ذہبیہ، نعمت اللہی یا صفویوں کے باقی رہ جانے والے صوفی حلقوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ ائمۂ اہل بیتؑ کے پیروکار تھے اور ان کے عقائد اہلِ تشیع کے بنیادی نظریات سے ہم آہنگ سنے گئے تھے ان کی تصوف پر مبنی تعلیمات سنی عقائد کی مکمل ترجمانی کرتی ہیں اور ان کے مکتبِ فکر کی سنی حیثیت کو ثابت کرتی ہیں، لیکن چشتیہ سلسلے میں بھی سادات صوفی بزرگ آئمہ اہلِ بیت علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کرتے لہذا، ان کے کسی عقیدے پر ہونے کو مکمل طور پر رد نہیں کیا جا سکتا۔

فیروزآباد کے بعض مقامی افراد کا خیال تھا کہ چند سادات اسماعیلی نسب کے افراد ان کی درگاہ سے عقیدت رکھتے تھے، لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت موجود نہیں سید شاکر علیؒ یا ان کی اولاد کا اس عقیدے سے کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ تصوف اور ائمۂ اہل بیتؑ کے پیروکار تھے اور اس مکمل نسل نے اب تک چودہ معصومینؑ ہی کی پیروی کی ہے اور آئندہ بھی اس نسل کے لیے یہی نصیحت اور تلقین رہی ہے۔ یاد رہے کہ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ اصل درگاہ یہی ہے یا وہ جو سید جاوید علی نے کسی محلے میں چھوٹی درگاہ بتائی تھی آپ کے خلیفہ اور مرید کے طور پر صرف ایک نام معلوم ہوتا ہے، وہ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتیؒ کا ہے۔

سید شاکر علیؒ اور ان کے روحانی جانشین حضرت حیدر علاؤ الدین چشتیؒ

سید شاکر علیؒ کی زندگی انتہائی مختصر مگر اثر انگیز تھی وہ زیادہ تر عام لوگوں سے دور رہے اور اپنی زندگی عبادت، روحانی ریاضت اور دینی تبلیغ میں بسر کی وہ طب، روحانیت، ولایت اور قضا (عدل و انصاف) کے علم سے بہرہ مند تھے اور ان کے وجود میں وہی حکمت اور روحانی تاثیر نظر موجود تھی جو ان کے والدسید امیر علیؒ میں پائی جاتی تھی ان کی زندگی کا ایک اور پہلو اہلِ بیت کی محبت اور سلسلہ چشتیہ سے گہری وابستگی تھا انھوں نے کسی مخصوص فرقے کی ترویج کی بجائے تصوف اور محبتِ اہلِ بیت کو فروغ دیا، جبکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ان کے خونی رشتوں میں اکثریت اثنا عشریہ کی رہی ہے یہی وجہ تھی کہ ان کے پیروکار ان کے قریب رہے، مگر وہ اپنی طبیعت کے باعث زیادہ تر خلوت نشین رہے۔

سید شاکر علیؒ کے خاص مریدین اور چہیتے شاگردوں میں حضرت حیدر علاؤ الدین چشتی ایک نمایاں شخصیت تھے وہ آخری وقت تک سید شاکر علیؒ کے ساتھ رہے اور ان کی تعلیمات کو زندہ رکھا اور یہی وہ شخصیت تھے جنھوں نے سید شاکر علیؒ کی قبر کو درگاہ تک کے سفر میں گامزن کر دیا تھا، جبکہ سید شاکر علیؒ کے بیٹے، سید عاشق علی بھی اس موقع پر موجود تھے۔

سید شاکر علیؒ کی وفات کے بعد ان کے عقیدت مندوں کی آمد و رفت کے نتیجے میں ان کی درگاہ کا قیام عمل میں آیا۔ ان کی قبر پر اہلِ محبت کا آنا جانا جاری رہا اور یوں یہ مقام ایک روحانی مرکز کی صورت اختیار کر گیا۔ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتیؒ اپنے مرشد کے نقشِ قدم پر قائم رہے اور ان کے انتقال کے بعد انھیں سید شاکر علیؒ کے مزار کے قریب دفن کیا گیا۔ آج دونوں کی قبریں ایک دوسرے کے قریب موجود ہیں جو ان کے باہمی روحانی تعلق کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔ مزید برآں سید شاکر علیؒ کی قبر کے ساتھ ان کے بھائی سید ذاکر علیؒ کی قبر بھی واقع ہے۔

کچھ مخالفین کی جانب سے یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ حضرت حیدر علاؤ الدین چشتیؒ نے ہی سید شاکر علی کی قبر کو ایک صوفی چشتی بزرگ کے طور پر مشہور کیا تھا، حالانکہ بعد میں سید شاکر علی کے پوتے کو اپنی دوسری بیوی کے ہمراہ قتل کر دیا گیا تھا یہ واقعہ فقہی تناظر میں اس بات سے جڑا ہوا ہے کہ ان کے معاملات ان کے دادا کی قبر سے تعلق رکھتے تھے۔

درگاہ کی موجودہ حیثیت اور بین المذاہب عقیدت

سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی درگاہ فیروزآباد میں نہر یا دریا کے قریب واقع بتائی جاتی ہے یہ ایک مقدس روحانی مقام بن چکی ہے، جہاں نہ صرف مختلف مکاتبِ فکر کے مسلمان بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے عقیدت مند بھی احترام کے ساتھ آتے ہیں یہ درگاہ ایک بین المذاہب روحانی مرکز ہے، جہاں لوگ اپنی مرادیں مانگنے، روحانی فیض حاصل کرنے اور تصوف کی برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اس درگاہ کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں فرقہ واریت کی بجائے محبت، امن اور صوفی تعلیمات کی روشنی عام کی جاتی ہے ہر سال عرس کا انعقاد ہوتا ہے، عرس کے موقع پر ایک میلہ بھی لگتا ہے، جہاں زائرین کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی ہے اس عرس کی سب سے اہم روایت قوالی ہے، جو چشتیہ سلسلے کی قدیم روایت کا حصہ ہے صوفیانہ کلام، اللہ اور رسول ﷺ کی مدح اور اہلِ بیت کی محبت پر مبنی قوالی کے ذریعے درگاہ میں روحانی کیف اور وجدانی کیفیت پیدا ہوتی ہے چشتیہ سلسلے کا ہمیشہ سے قوالی اور صوفی موسیقی سے گہرا تعلق رہا ہے اور یہی روایت آج بھی اس درگاہ میں قائم ہے۔

خاندانی روایت کے مطابق تاریخی حوالوں میں اس درگاہ کو سید شاکر علیؒ شاہ صاحب کی درگاہ کہا جاتا تھا، سوائے سید جاوید علی بن سید محبت علی کے، جن کا کہنا تھا کہ جب وہ بچپن میں ہندوستان گئے تھے تو انھیں جس درگاہ پر لے جایا گیا تھا، وہ درگاہ علاقے یا بازار میں موجود تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ شاہ صاحب کی درگاہ کے نام سے مشہور ہو گئی اس کا ایک سبب یہ ہے کہ درگاہ کے ارد گرد رہنے والے عقیدت مندوں اور زائرین نے انھیں صوفی شاہ کے القاب سے یاد کرنا شروع کیا جو ان کی روحانی عظمت کی علامت بن گئے۔ تقسیمِ ہند سے قبل، عوام، خصوصاً سادات گھرانے، سید شاکر علیؒ کے بارے میں گہرا علم رکھتے تھے، کیونکہ اس وقت صرف تین سے چار نسلیں ہی آگے بڑھی تھیں مگر جب تقسیمِ ہند ہوئی تو یہاں کے زیادہ تر افراد، خصوصاً سید خاندان، پاکستان ہجرت کر گئے، جو ایک اسلامی ریاست کے طور پر لا الہ الا اللہ کے نام پر وجود میں آ رہی تھی اس سے کئی برس قبل، سید شاکر علیؒ کی نسل آگرہ ہینگ منڈی میں سکونت اختیار کر چکی تھی، لیکن تقسیمِ ہند کے موقع پر ان کی نسل نے پاکستان کے صوبہ سندھ، شہر حیدرآباد ہجرت کی، جہاں مولا علی علیہ السلام کی قدم گاہ موجود ہے آگرہ اور فیروزآباد سے زیادہ تر ہجرتیں حیدرآباد، سندھ کی طرف ہوئیں، خاص طور پر سادات خاندانوں کی اور اسی طرح شیعہ اثنا عشری کی ایک بڑی تعداد بھی حیدرآباد میں آباد ہو گئی اس وجہ سے ہندوستان میں نہ ان کی نسل باقی رہی اور نہ ان سے متعلق زیادہ معلومات محفوظ رہیں یوں، سید شاکر علیؒ کی نسل آج پاکستان کے مختلف شہروں میں آباد ہے، جبکہ ہندوستان میں ان کی نسل کے باقی نہ رہنے کے باعث ان کی درگاہ سے وابستگی بھی ختم ہو گئی۔ خاندان کے بعض افراد کے مطابق سید شاکر علی اور سید ذاکر علی کی قبریں ایک ہی مقام پر ہیں، جبکہ حیدر علاؤ الدین چشتی کی قبر درگاہ سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ جبکہ تمام شواہد اسی درگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دریائے یمنا کے قریب واقع ہے اور جہاں دو قبریں ساتھ ساتھ موجود ہیں جنھیں سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی قبریں بتایا جاتا ہے، تاہم دو ہزار دس کے بعد سے مزار کی محراب پر ایک نیا نام "حمید الدین صوفی چشتی" درج نظر آنے لگا، جس کے بعد وہاں سے متعلق نئی نئی تاریخیں بھی بیان کی جانے لگیں۔ اس کے نتیجے میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ شاید سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی اصل درگاہ فیروزآباد میں کسی اور مقام پر رہی ہو، مگر انٹرنیٹ یا دیگر ذرائع سے اس بارے میں کوئی مستند معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔ مزید یہ کہ جو نئی تاریخیں اس مقام سے منسوب کی جا رہی ہیں، اگر واقعی وہاں سید شاکر علیؒ اور سید ذاکر علیؒ کی قبریں موجود ہیں تو وہ تاریخیں اس خاندانی بیان سے مطابقت نہیں رکھتیں جو اس خاندان کی روایت میں بیان کی جاتی ہے اس لیے اصل تاریخ وہی معتبر سمجھی جانی چاہیے جو خاندان کے پاس محفوظ ہے، کیونکہ بھارت میں بعض گروہوں کے لیے ایسی نسبتیں معاشی فائدے کا ذریعہ بن سکتی ہیں، جبکہ پاکستان میں خاندان کو کسی نئی یا من گھڑت روایت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اس بنا پر خاندانی روایت کو ہی زیادہ مستند تصور کیا جاتا ہے، سید جاوید علی کا کہنا تھا کہ وہ درگاہ یہ نہیں تھی، بلکہ کوئی اور درگاہ تھی جو زمین پر موجود تھی اور فیروزآباد میں واقع تھی ممکن ہے کہ وہ کسی اور بزرگ کی درگاہ کا ذکر کر رہے ہوں اکثر لوگ سوشل میڈیا پر اس درگاہ کو 800 سال پرانی بتاتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ البتہ اس کا زمانہ سے 1800 کے بعد کا تھا ہاں، یہاں قدیم قبریں ضرور موجود تھیں جو اس درگاہ کے احاطے میں مختلف مقامات پر پائی جاتی تھیں خاندان کے مطابق ان کے کئی بزرگوں کی قبریں فیروزآباد کے دیگر مقامات پر بھی موجود تھیں، جن کا ذکر اس نسخے میں بھی تھا جو حکیم سید فرخ حسین لے گئے تھے گزشتہ 30 برسوں میں ہندوستان میں کئی قبریں اور درگاہیں مسمار کر دی گئی ہیں، اس لیے اکثر حقائق معلوم کرنا ناممکن ہو گیا ہے تاہم سید محبت علی ہمیشہ یہ بتایا کرتے تھے کہ فیروزآباد کا سب سے بڑا عرس ہمارے جد، سید شاکر علی کی درگاہ پر ہوتا تھا، جہاں قریب میں ایک اور دَرگاہ ہے جس کا نام حیدر علاؤ الدین ہے، مگر سید جاوید علی کے مطابق یہ سید شاکر علی فیروز آباد ی کی وہ دَرگاہ نہیں، اصل دَرگاہ ایک محلے میں تھی سید شاکر علی فیروز آبادی جو چھوٹی تھی مگر اُس کا عرس لازمی ہوتا تھا آبادی کے بیچ میں تھی، جس پر تقریباً 45 سے40 سال قبل جانا ہوا تھا جدید دور میں رابطوں اور انٹرنیٹ کے ذریعے تلاش کے باوجود ایسی دَرگاہ نہیں ملی ممکن ہے یہ کسی بزرگ یا رشتہ دار کی ہو یا کوئی غلط فہمی ہو دَرگاہ کے درست مقام کے علاوہ سید شاکر علی سے متعلق تمام روایات متفقہ طور پر درست بیان کی گئی ہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ سید شاکر علی کو شاہ صاحب فیروز آبادی کے نام سے بھی جانا جاتا تھا اور یہ بھی بعید نہیں کہ گذشتہ 30 برسوں میں بھارت میں کئی چھوٹی دَرگاہیں علاقوں، گلیوں اور محلّوں سے ختم ہو چکی سید شاکر علی کی اصل درگاہ فیروز آباد میں، چاہے جس مقام پر بھی ہو، اس کے بارے میں متعدد مستند دستاویزات اور کچھ تبرکات موجود تھے، جو سید محبت علی کے انتقال کے وقت چوری ہونے والے تبرکات میں شامل تھے۔ contentReference[oaicite:0]{index=0}:

سید عاشق علیؒ بن سید شاکر علی شاہؒ

سادگی، تقویٰ اور روحانی وابستگی

سید عاشق علی ایک سادہ نہایت دین دار شخصیت کے حامل تھے وہ ہمیشہ اہلِ بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے جڑے رہے اور ان کی محبت کو اپنی زندگی کا محور بنایا نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک سیرت انسان تھے، جو ہر حال میں دیانت، شریعت اور روحانی اصولوں پر قائم رہے۔ آپ سید شاکر علیؒ کے فرزند تھے اور آپ کے اندر بھی ایک پاکیزہ کردار کی وہ خوبی موجود تھی جو اللہ کی طرف سے ایک عطیہ تھی آپ نے آلِ محمدؐ سے ہونے کے فرض کو بہترین طریقے سے نبھایا اور ہمیشہ ان کی تعلیمات پر کاربند رہے۔ چونکہ آپ حسینی نقوی البخاری سید تھے اور آپ کا شجرہ نسب امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا تھا، اس لیے آپ میں بھی سادگی، تواضع اور روحانی خلوص پایا گیا جو اہلِ بیت کی میراث تھی اس وقت درگاہ صرف ایک بزرگ کی قبر کے طور پر جانی جاتی تھی ممکن ہے کہ سید شاکر علیؒ کے چاہنے والوں نے سید عاشق علی سے روحانی فیض حاصل کرنا شروع کر دیا ہو، مگر اس حوالے سے خاص شواہد موجود نہیں،البتہ یہ بات واضح ہے کہ سید عاشق علی ایک دین دار، سادہ اور نیک سیرت انسان تھے، جو سادات کے دیگر خاندانوں سے بھی قریبی تعلق رکھتے تھے وہ ہمیشہ محبتِ اہلِ بیت، روحانی تعلیمات اور حق کی جستجو کو عام کرنے

کے لیے کوشاں رہے ان کی سیرت میں علمی حکمت، سادگی اور اخلاص جھلکتا تھا وہ صبر و استقامت، چودہ معصومین علیہم السلام کی محبت اور آئمہ اہل البیت سے وابستگی اور پیروی کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور ہمیشہ روحانی پاکیزگی کی راہ پر گامزن رہے سید عاشق علی کی وفات کا مقام فیروز آباد ذکر کیا جاتا ہے خاندانی روایت کے مطابق آپ کی تین اہلیہ تھیں سیدہ زکیہ زیدی، سیدہ آمنہ بخاری اور تیسری کا نام معلوم نہیں ، اس کے باوجود خواتین کے ناموں پر اختلاف ہے مگر آپ کی اولاد صرف دو ہی ثابت ہیں ایک بیٹا سید نفیس علی اور ایک بیٹی سیدہ، جنھیں نسل میں 'پھوپھی اماں' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کی زندگی سادگی اور وقار کا نمونہ تھی اور وہ ہر خاص و عام کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے ان کی شخصیت اپنے کردار، اخلاق اور اہلِ بیت علیہم السلام سے گہری عقیدت کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

سید نفیس علی شاہؒ بن سید عاشق علی شاہؒ

دین اور محبتِ اہلِ بیتؑ کے راہرو

سید نفیس علی، جنھوں نے اپنے آبا و اجداد کے روحانی ورثے کو نہایت اخلاص کے ساتھ آگے بڑھایا، فیروز آباد میں پیدا ہوئے ان کے والد، سید عاشق علی، اہلِ بیتؑ کی محبت اور بارہ آئمہؑ کی عقیدت کے قائل و عامل تھے اور اسی عقیدے کی روشنی میں اپنے بیٹے کی تربیت کی، سید نفیس علی کی حیات مختصر مگر باوقار تھی بد قسمتی سے، فرقہ واریت کی بنیاد پر وہ اور ان کی اہلیہ دونوں شہید کر دیے گئے ان کے اس سانحہ کے بعد ان کے کمسن بیٹے سید امجد علی اور ، سید حفیظ علی، سید محبت علی، یتیم ہو گئے اور ان کی جان کو بھی شدید خطرہ لاحق ہو گیا، ایسے نازک وقت میں سید نفیس علی کی بہن، جنھیں پھوپھی اماں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، نے غیر معمولی ہمت اور تدبیر کا مظاہرہ کیا۔ راتوں رات وہ بھتیجوں کو فیروز آباد سے لے کر آگرہ فرار ہوئیں آگرہ پہنچنے پر ان کے پاس نہ ٹھہرنے کا کوئی مناسب ٹھکانہ تھا، نہ کوئی ذریعۂ روزگار ابتدا میں وہ آگرہ کی ایک مشہور درگاہ کے احاطے میں مقیم رہے، جہاں وہ محفوظ بھی تھے اور روحانی سہارا بھی موجود تھا سید امجد علی بن سید نفیس علی کی پانچ بیٹیاں تھیں، جو ہجرت کے بعد خاندان سے الگ کراچی میں آباد رہیں، بیٹیوں کے عقد سادات ہی میں کیے گئے، بعد ازاں انھی کی نواسیوں میں سے ایک کا عقد سید حفیظ علی کے پوتے سے ہوا جبکہ باقی بھی اکثر رشتہ داروں ہی میں بیاہی گئیں اور سید امجد علی، سید نفیس علی کی پہلی زوجہ سے تھے، تاہم فیروزآباد والے حادثے کے موقع پر سید نفیس علی کی وفات کے ذکر میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، کچھ عرصے بعد، ان کا رابطہ آگرہ کی بینگ منڈی میں مقیم چند رشتہ داروں سے ہوا یہ سید حفیظ علی اور سید محبت علی کی نانی کا خاندان جو غیر سادات تھا سے تعلق ہوا یوں وہ وہیں آباد ہو گئے اور ایک نئے باب کا آغاز ہوا یہ داستان صرف ایک خاندان کی ہجرت، قربانی اور صبر کی نہیں، بلکہ یہ اہلِ بیتؑ کی محبت پر ثابت قدم رہنے والے ایک خانوادے کی حق پرستی اور استقامت کی بھی داستان ہے، جو ظلم کے اندھیروں میں بھی اپنے ایمان کے چراغ کو بجھنے نہیں دیتے۔

سید حفیظ علی بن سید نفیس علیؒ اور سید محبت علی بن سید نفیس علیؒ

فیروز آباد سے آگرہ ہجرت رشتہ داروں کی سرپرستی

سید نفیس علی کے انتقال کے بعد، ان کے دونوں کمسن بیٹوں، سید حفیظ علی اور سید محبت علی، کو ان کے رشتہ داروں نے اپنی سرپرستی میں لے لیا، اگرچہ فیروز آباد میں ان کی وراثتی جاگیریں موجود تھیں، مگر کم سنی کی وجہ سے وہ وہاں قیام نہ کر سکے آگرہ میں، دونوں بھائی رشتہ داروں کی سرپرستی میں پروان چڑھے ان کی پرورش اور دیکھ بھال کا زیادہ تر انتظام قریبی رشتہ داروں نے کیا۔

المعروف پھوپھی اماں، ایک غیر معمولی روحانی شخصیت

المعروف پھوپھی اماں، جن کا اصل نام اب تاریخ کے صفحات میں گم ہو چکا ہے، فیروز آباد میں پیدا ہوئیں وہ سید عاشق علی کی صاحبزادی اور سید نفیس علی کی ہمشیرہ تھیں ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جہاں اہلِ بیتؑ سے والہانہ محبت، عقیدت اور روحانیت کی روشنی نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔

فطرتاً دردمند، باوقار اور دینی شعور رکھنے والی یہ خاتون اُس وقت ایک غیر معمولی کردار میں سامنے آئیں جب فرقہ واریت کی آگ میں اُن کے بھائی سید نفیس علی اور اُن کی اہلیہ کو شہید کر دیا گیا اس اندوہناک سانحے کے بعد جب اُن کے بھتیجے یتیم ہو گئے اور اُن کی جانوں کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا، تو یہ پھوپھی اماں ہی تھیں جنھوں نے حالات کی پروا کیے بغیر بچوں کو راتوں رات فیروز آباد سے لے کر آگرہ کی جانب ہجرت کی۔

آگرہ پہنچنے پر اُن کے پاس نہ تو کوئی ٹھکانا تھا، نہ سہارے کے لیے کوئی قریبی ابتدا میں وہ اپنے دونوں بھتیجوں کے ہمراہ آگرہ کی کسی درگاہ کے احاطے میں مقیم ہوئیں یہ دینی و روحانی فضا اُن کے مزاج سے ہم آہنگ تھی کچھ ہی عرصے بعد، وہ رشتہ داروں کے پاس آگرہ کی بینگ منڈی میں منتقل ہو گئیں، یہ اُن کے بھتیجوں کی نانی کا میکہ تھا تاہم، اُن کا قیام وہاں زیادہ دیر نہ رہا۔

فطری بے قراری اور روحانی وابستگی کے باعث پھوپھی اماں دوبارہ اُس درگاہ کی طرف لوٹ گئیں، جہاں پہلے پہل انھوں نے پناہ لی تھی اس بار ان کی ذات میں ایک واضح تبدیلی نظر آنے لگی اُن کے مزاج میں ایک ملنگانہ کیفیت ابھری، جو رفتہ رفتہ اُن کی مکمل شخصیت پر غالب آ گئی وہ دنیاداری، رشتہ داری، حتیٰ کہ اپنی ذمہ داریوں سے بھی مکمل طور پر کنارہ کش ہو گئیں اور روحانیت میں مکمل طور پر ڈوب گئیں۔

خاندان میں ایک واقعہ آج بھی بڑے احترام سے بیان کیا جاتا ہے، جو اُن کی روحانی عظمت کا عکاس ہے کہا جاتا ہے کہ ایک روز درگاہ پر موجود ایک بزرگ، جو اُس وقت خود بھی صاحبِ حال، شیخ و مرشد کے درجے پر فائز تھے، پھوپھی اماں سے گفتگو میں مصروف ہوئے دورانِ گفتگو، پھوپھی اماں نے انھیں ایک مشروب ممکنہ طور پر دودھ، شربت یا چائے پیش کیا اور بڑے اصرار سے کہا:

میں چاہتی ہوں کہ آپ کی ملاقات ایک عظیم بزرگ سے ہو براہ کرم یہ مشروب نوش فرمالیجیے۔

جیسے ہی بزرگ نے مشروب نوش کیا، اُن پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اُن کی آنکھیں بند ہو گئیں، جسم سکون میں آ گیا اور وہ مراقبے کی حالت میں چلے گئے جب وہ کیفیت ختم ہوئی اور بزرگ نے ہوش میں آ کر لب کشائی کی، تو ان کا چہرہ نور سے دمک رہا تھا انھوں نے حاضرین کو بتایا:

میں نے اپنے روحانی تجربے میں حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ ایک بڑے سایہ دار درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اور اُن کے گرد کئی دیگر اولیائے کرام ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے جبکہ وہاں ایسی شخصیات بھی موجود تھیں جو آپ سے بھی کافی زیادہ اُونچے درجے کی معلوم ہوتی تھیں اور کچھ ایسے بھی تھے جو آپ ہی کے درجے کے، مگر کچھ الگ طرح کے لوگ معلوم ہوتے تھے۔

یہ سن کر پھوپھی اماں خاموشی سے مسکرا دیں گویا وہ جانتی تھیں کہ کیا ہونے والا ہے اور اُن کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس واقعے کے بعد، درگاہ کے حلقوں میں پھوپھی اماں کو ایک غیر معمولی، باکمال اور متبرک سیدہ خاتون کے طور پر جانا جانے لگا لیکن پھر کچھ ہی عرصے میں اُن کی شخصیت مکمل طور پر ملنگانہ قلندرانہ ہو گئی وہ دنیا و ما فیہا سے کٹ گئیں، کسی سے رابطہ نہ رکھا اور ان کے بارے میں بعد ازاں کوئی خبر دستیاب نہ ہو سکی نہ اُن کی وفات کی تاریخ، نہ اُن کے دوبارہ اپنے بھتیجوں سے ملنے کا کوئی ذکر۔

مگر بیس23 میں سندھ کے ایک خاندان سے یہ معلومات حاصل ہوئی کہ سید نفیس علی کی وہ بہن بھی پاکستان آئیں تھی اپنے بھتیجوں اور شوہر کے ساتھ اور ان کے شوہر اہلِ تصوف سے تعلق رکھتے تھے ممکنہ طور پر بخاری سید تھے ان کی صرف ایک اولاد، بیٹی تھی اور وہ لوگ تقسیمِ ہند کے موقع پر راولپنڈی میں کسی مقام پر آباد ہوئے تھے جس کا علم سید امید علی کے بعد اور کسی کو نہ تھا، کیونکہ ان کی صرف ایک بیٹی تھی اور ان کی شادی بھی سادات میں ہوئی تھی اس سے زیادہ ان کے بارے میں اور معلومات نہیں ہیں بہر حال، آپ نے سادات کی ایک پوری نسل اور اس نسل سے وابستہ کئی خانوادوں کی زندگیاں بچا کر انھیں مٹنے سے محفوظ رکھا یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے حضرت بی بی زینب سلام اللہ علیہا کی سنت پر عمل کرتے ہوئے نسلِ سادات کو ظلم و ستم سے محفوظ رکھنے کا فریضہ انجام دیا اور تاریخ سے مٹنے سے بچایا۔

تاریخی مقامات سے وابستگی روحانی مراکز اور درگاہیں

جوانی میں قدم رکھتے ہی، سید حفیظ علی اور سید محبت علی اپنے جد سید شاکر علیؒ کی تاریخ اور روحانی ورثے سے دوبارہ جڑنے لگے۔

جبکہ آگرہ، ہنگ منڈی اور وہاں سے ہجرت کر کے ساتھ آنے والے سادات خاندانوں کا ہمیشہ سے اور آج بھی دعویٰ یہ رہا ہے کہ دونوں بھائیوں نے پاکستان آ کر اثنا عشری سے بریلوی مکتب اختیار کیا بریلوی مکتبِ فکر میں آنے سے پہلے انھوں نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی، پھر کچھ عرصے بعد وہ بریلوی مسلک سے منسلک ہو گئے۔ اس سب کے باوجود، آج تک ان کے محلے داروں اور دنیا فانی سے رخصت ہونے والے بزرگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان میں اور ہم میں صرف اتنا سا فرق تھا کہ وہ 'غیر ماتمی تشیع' تھے اور ہم 'ماتمی تشیع' ہیں ایک پڑوسی سیدہ شیعہ خاتون کے بیٹے جعفری سید المعروف منا کا بھی یہی دعویٰ تھا وہ تمام خاندان اور ان کی دوسری، تیسری اور چوتھی نسلیں آج بھی سید محبت علی کے گھر کے پڑوسی ہیں، جبکہ خود سید محبت علی کے گھر میں بھی ان کی اپنی دوسری، تیسری اور چوتھی نسل آباد ہے یہ سب لوگ کئی نسلوں سے ایک دوسرے کو بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں۔

اور حاجی سید حفیظ علی کے نواسے سید اصغر رضوی (صدرِ انجمن)، سید اکبر رضوی (نوحہ خوان قدم گاہ مولا علیؑ، حیدرآباد) اور سید حیدر رضوی، نیز سید حفیظ علی کے داماد سید عابد رضوی بن سید شریف رضوی لکھنوی اور ان کے بڑے بھائی سید حامد رضوی بن سید شریف رضوی لکھنوی، اسی طرح سید محبت علی کے بیٹے سید اعجاز علی اور ان کا خاندان، سید امید علی اور ان کے بیٹوں سید قدیر علی اور سید ساجد علی اور سید امید علی نقوی کے داماد سید عرفان علی نقوی بخاری سے بھی یہ بات زبانی اور روایتی طور پر ثابت ہے کہ ان کے علاوہ ایک اور پڑوسی خاندان جو جعفری سادات کے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، یعنی سید منّا جعفری، جو اپنی والدہ کے ساتھ زندگی کے آخری وقت تک یہیں مقیم رہے آج بھی ان کی اولاد و نسل سید محبت علی کی اسی گلی میں آباد ہے، جبکہ ان کی دوسری والدہ سے ہونے والے چار بھائی کراچی (انچولی) میں اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ مستقل قیام پزیر ہیں ان کے والدین نے بھی اسی خاندان کے ساتھ ہجرت کی تھی یہ تمام خاندان سید محبت علی، سید امجد علی، سید شریف رضوی لکھنوی، سید محمد جعفری اور سید محبت علی کے داماد سید شاہد علی جعفری نظامی اکبر آبادی ہجرت کے وقت سے ہی ایک دوسرے کے پڑوسی اور ساتھ رہائش پزیر رہے تمام مذکورہ افراد سے ہیرآباد والے سادات گھرانوں اور ان کے علاوہ سینکڑوں سادات خاندانوں سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک وقت میں یہ سب تقیہ اختیار کر گئے تھے اور یہ سلسلہ طویل عرصے تک جاری رہا، بعد ازاں اکثر خاندانوں نے تقیہ ترک کر دیا جبکہ چند افراد صوفیانہ راہ کی طرف مائل ہو گئے جبکہ سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے اپنی زندگی کے آخری ایام بریلویت کے حلقوں میں، تصوف کے دائرۂ کار کے تحت، ائمۂ اہلِ بیتؑ سے محبت و عقیدت کے ساتھ گزارے، اس کے باوجود ان کے گھر میں عزاداری کی رسومات کبھی ختم نہیں ہوئیں آج بھی سید حفیظ علی اور سید محبت علی کے اس گھر پر بھی علَمِ عباسؑ نصب ہے اور ان کی اولاد و نسل مکمل طور پر تشیع کے عقائد پر قائم ہے البتہ چند گھرانے مسلکِ بریلویت، قادریہ سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

روحانی مراکز اور خانقاہی روایات سے ان کی گہری وابستگی تھی اور وہ مختلف معروف درگاہوں اور روحانی اداروں سے فیض حاصل کرتے رہے تاریخی حوالوں کے مطابق:

- حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ، دہلی روایات کے مطابق، سید امیر علیؒ کو اس درگاہ سے خصوصی وابستگی حاصل تھی۔

- آگرہ میں حضرت امیر علی ابوالعلائیؒ کی درگاہ آگرہ میں موجود سادات اور درگاہی سلسلے سے ان کا روحانی تعلق بھی پایا جاتا ہے۔

- خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ، اجمیر سے بھی وابستگی رہی اور درگاہ کے روحانی و انتظامی معاملات میں ان کا خصوصی دخل تھا۔

- حضرت حاجی علیؒ کی درگاہ، ممبئی وقتاً فوقتاً سادات کا یہ خانوادہ حاجی علی درگاہ سے بھی جڑا رہا اور وہاں سے روحانی فیض حاصل کرتا رہا۔

- مزاراتِ شہیدِ ثالث، آگرہ حضرت قاضی نوراللہ شوشتریؒ سے منسوب ہے، جو اسلامی تاریخ میں شہیدِ ثالث کے لقب سے معروف ہیں آپ ایک عظیم شیعہ عالم، فقیہ اور متکلم تھے، جنھوں نے مغلیہ دور میں دینِ اسلام اور مکتبِ اہلِ بیتؑ کے علمی دفاع میں نمایاں کردار ادا کیا حضرت قاضی نوراللہ شوشتریؒ نے دورِ اکبری میں مختلف عدالتی و علمی ذمہ داریاں انجام دیں اور بعد ازاں عہدِ جہانگیری میں اپنے عقائد اور علمی موقف کی بنا پر 1019ھ / 1610ء میں آگرہ میں شہید کر دیے گئے شہادت کے بعد آپ کو آگرہ ہی میں سپردِ خاک کیا گیا اور وقت کے ساتھ آپ کی آخری آرام گاہ ایک باقاعدہ مزار کی صورت اختیار کر گئی یہ مزار آج بھی آگرہ میں شیعہ اور سنی دونوں طبقات کے لیے باعثِ عقیدت ہے، جہاں زائرین دعا، فاتحہ اور روحانی سکون کے لیے حاضر ہوتے ہیں روایات کے مطابق، ہجرت سے قبل سید امجد علی، سید حفیظ علی اور سید محبت علی اس مزار سے بھی عقیدت و وابستگی رکھتے تھے اور یہاں حاضری کو باعثِ برکت سمجھا جاتا تھا ہر سال آپ کی شہادت کی یاد میں خصوصی مذہبی اجتماعات اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں، جن میں آپ کی علمی خدمات اور دینی قربانی کو خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے یہ مزار تاریخی اعتبار سے بھی نہایت اہم ہے، کیونکہ یہ مغلیہ دور کے مذہبی تنوع، علمی اختلافات اور فکری جدوجہد کی ایک زندہ علامت سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں اس مزار کا انتظام وقف کے تحت انجام دیا جاتا ہے اور یہ آگرہ کے نمایاں مذہبی مقامات میں شمار ہوتا ہے۔ سید محبت علی کا تاج محل کی انتظامیہ اور اس کی روحانی حیثیت میں بھی ایک اہم کردار کی جھلک ملتی ہے معلومات کے مطابق، تاج محل کے اندرونی معاملات میں سادات کو ایک خاص حیثیت حاصل تھی۔

معاشی ذرائع جوہری، سونار

اپنی دینی اور روحانی وابستگیوں کے ساتھ ساتھ، سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے حلال روزی کمانے کو اپنا اصول بنایا اور مختلف کاروبار میں مشغول ہوئے۔

جوہری (سونار) کا کاروبار

ابتدائی طور پر، انھوں نے سونے اور چاندی کے زیورات کا کاروبار کیا، جو اس دور میں اہلِ ہنر کے درمیان ایک معروف پیشہ تھا تاہم، تقسیمِ ہند سے کچھ عرصہ پہلے،انھوں نے یہ کام ترک کر دیا کیونکہ ناپ تول میں معمولی سی غلطی کے امکان کو وہ اللہ کے دربار میں جواب دہی کا سبب سمجھتے تھے جبکہ ان کے رشتہ دار لکڑی کے کاروبار سے وابستہ تھے یہ آگرہ والے رشتہ دار اکثر ننھیال کی طرف کے رشتہ دار بتائے جاتے ہیں، تو خاندان میں یہ بات سننے میں آتی ہے کہ اکثر انھوں نے بھی اس کام سے استفادہ کیا ہوگا، مگر اس کی کوئی مضبوط شہادت موجود نہیں۔

تقسیمِ ہند ہجرت روحانی ورثہ اور قربانیوں کی داستان

تقسیمِ ہند کے دوران، آگرہ سے ایک بڑا قافلۂ ہجرت روانہ ہوا، جس میں اکثریت شیعہ سادات پر مشتمل تھی، جب کہ ان کے ساتھ چند صوفی سادات خاندان بھی شامل تھے خاندانی بزرگوں کی روایات کے مطابق یہ قافلہ تعداد کے اعتبار سے تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد پر مشتمل تھا، جن میں بچے، بوڑھے، جوان اور خواتین سب شامل تھے، یہ قافلہ آگرہ سے روانہ ہوا اور حالات کی نزاکت اور وسائل کی کمی کے باعث اس نے مختلف انداز میں سفر کیا کہیں ریلوے کے ذریعے، کہیں پیدل اور بعض مقامات پر اونٹوں پر سوار ہو کر یہ قافلہ اپنی منزل کی جانب بڑھتا رہا طویل اور صبر آزما سفر کے بعد یہ قافلہ لاہور کے راستے پاکستان میں داخل ہوا۔

پاکستان میں داخلے کے بعد قافلے کی یکجائی آہستہ آہستہ مختلف مقامات پر منتشر ہونے لگی قافلے کے ایک بڑے حصے نے لاہور اور اس کے نواحی علاقوں میں سکونت اختیار کی، جب کہ ملتان میں بھی سادات کی ایک نمایاں تعداد آباد ہوئی اسی طرح راستے میں آنے والے چھوٹے شہروں اور قصبات میں بعض خاندان قدیم درگاہوں اور روحانی مراکز کے اطراف میں مقیم ہو گئے، جہاں انھیں مذہبی و روحانی وابستگی کا احساس میسر آیا۔

اس کے باوجود قافلے کا ایک حصہ مسلسل رواں رہا بعض سادات خاندان راولپنڈی میں مستقل طور پر آباد ہوئے، جب کہ آخرکار یہ قافلہ سندھ کے شہر حیدرآباد پہنچ کر ٹھہرا خاندانی روایات کے مطابق، حیدرآباد کے کچا قلعہ، پکا قلعہ اور ہیرآباد کے علاقوں میں آباد ہونے والے سادات کی ایک کثیر تعداد کا تعلق اسی تاریخی قافلے سے تھا۔

اسی قافلے کے ہمراہ سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے بھی پاکستان کے صوبہ سندھ، حیدرآباد (پکا قلعہ) کی طرف ہجرت کی جبکہ ان کے بھائی سید امجد علی کراچی میں مقیم ہوئے تھے فیروزآباد اور آگرہ سے آنے والے کثیر تعداد میں شیعہ سادات نے بھی اسی سمت کا رخ کیا، کیونکہ یہ مقام حضرت مولا علیؑ کی قدم گاہ شریف کی موجودگی کے باعث سادات کے لیے سب سے زیادہ عقیدت اور روحانی کشش کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔

یہ ہجرت محض جغرافیائی نقل مکانی نہیں تھی بلکہ ایک روحانی ورثے، اعتقادی وابستگی اور عظیم قربانی کی داستان تھی، جس میں اہلِ بیتؑ سے عقیدت اور بالخصوص حضرت مولا علیؑ کی قدم گاہ شریف سے قلبی تعلق ایک بنیادی محرک کے طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔

سید حفیظ علی کا حج اور سید محبت علی کی دین داری

سید حفیظ علی حج کی سعادت حاصل کی اور ایک دیندار اور نیک صفت شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے سید محبت علی بھی ایک انتہائی عبادت گزار اور زہد و تقویٰ کے حامل شخص تھے، جو دین کی طرف مائل تھے۔

حیدرآباد، سندھ: ہجرت کی وجوہات اور روحانی وابستگی

سادات خاندانوں کی بڑی تعداد کی ہجرت

تقسیم کے دوران، آگرہ اور دیگر علاقوں سے کئی سادات خاندان حیدرآباد کے پکا قلعہ اور کچا قلعہ میں آ کر آباد ہوئے یہ علاقہ روحانی اور تاریخی طور پر سادات، اہلِ بیتؑ، مرکزِ تشیع اور صوفی سلسلوں سے وابستہ افراد کے لیے ایک اہم مرکز بنتا گیا، اہلِ محلہ اور خاندانی روایات کے مطابق، آپ کو آپ کی اولاد و نسل نے اپنی حیات کے آخری لمحات تک اس حال میں پایا کہ آپ تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد فجر تک مسلسل تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے اور فجر کے بعد بھی گھر میں باقاعدگی کے ساتھ تلاوت جاری رکھتے تھے اس مسلسل عبادت اور تلاوت کے بعد روزانہ صبح کے اوقات میں لوگ آپ کے پاس حاضر ہونے لگتے، جن کے لیے آپ اپنے پوتوں کے ذریعے روزانہ کی بنیاد پر مالی اعانت کا انتظام فرمایا کرتے تھے آپ رقم اپنے پوتوں کے ہاتھوں میں دیتے اور وہ تمام ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے یہ امداد دراصل آپ کی اپنی کمائی میں سے ایک مستقل حصہ تھا جو خاص طور پر غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کے لیے مختص کیا گیا تھا خاندانی روایت کے مطابق اس عمل میں باقاعدگی اور نظم پایا جاتا تھا اور کسی دن بھی اس سلسلے میں کوتاہی نہیں کی جاتی تھی۔

یوں آپ نہ صرف عبادات اور تلاوتِ قرآن کے اعتبار سے نمایاں تھے بلکہ شریعتِ اسلامیہ کے انتہائی پابند، دیانت دار اور صاحبِ کردار شخصیت کے طور پر بھی پہچانے جاتے تھے، جن کی عملی زندگی عبادت، خدمتِ خلق اور تقویٰ کا حسین امتزاج تھی۔

حضرت مولا علی علیہ السلام کے نام سے منسوب شہر

حیدرآباد، سندھ، حضرت مولا علی علیہ السلام کے لقب حیدر سے منسوب ہے اس شہر میں حضرت شیخ عبد الوہاب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر مولا علیؑ کی قدم گاہ شریف موجود ہے، جو شیعہ، سنی اور صوفی سادات کے لیے انتہائی عقیدت کا مقام ہے اس روحانی نسبت کے باعث، بہت سے سادات خاندان یہاں آ کر بس گئے۔

تصوف اور صوفی سلسلوں کی موجودگی

پکا قلعہ اور کچا قلعہ میں صوفیا، مشائخ اور بزرگانِ دین کا قیام تھا یہاں قادری، چشتی، جلالیہ، قلندریہ اور سہروردی سلسلے کے افراد موجود تھے، جو تصوف کے مختلف سلسلوں سے وابستہ تھے۔

سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے کچھ عرصہ بعد جب بریلویت اختیار کی تصوف کو اپنایا اور بعد میں سلسلہ قادریہ میں مرید ہو گئے شیعہ اقوال کے مطابق تقیہ اختیار کیا، سنی اقوال کے مطابق بریلویت کو اپنایا اور صوفی اقوال کے مطابق وہ ابتدا ہی سے اہلِ تصوف سے وابستہ تھے۔ :contentReference[oaicite:0]{index=0}

پکا قلعہ میں سید محبت علی کی دینی خدمات

حیدرآباد پہنچ کر، سید محبت علی نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی، پکا قلعہ، گلی نمبر 5 میں ایک مسجد کی تعمیر کے بعد امامت کی ذمہ داری سنبھالی، جبکہ زیادہ تر موذن کے فرائض انجام دیتے رہے وہ فجر، تہجد اور دیگر نمازوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے، اکثر ذکر، تلاوت اور روحانی عبادات میں مشغول رہتے تشیع کے اقوال کے مطابق ان تمام افراد نے باہم مل کر اسے ایک امامیہ مسجد بنانے کی کوشش کی تھی، مگر چونکہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور اس کے قریب ہی مولیٰ علیؑ کی قدم گاہ واقع تھی جو صرف چند قدم کے فاصلے پر ہے، اس لیے ابتدائی چند ہی برسوں میں یہ بریلویت کے زیر اثر آ گئی یہی وہ دور تھا جسے بعد ازاں تقیہ یا فرقہ جاتی تبدیلی کے دعوے سے منسوب کیا جاتا ہے۔

معاشی جدوجہد اور دینی استقامت

اس دور میں جب لوگ زمینوں پر قبضے کر رہے تھے اور جائیدادوں کی جنگ میں مصروف تھے، انھوں نے سادہ باعزت زندگی بسر کی اور حلال روزی کو ہمیشہ ترجیح دی اور ان کے بچوں نے جوتے بنانے کا کام بطور پیشہ اختیار کیا، انھوں نے جوتے سازی کے کارخانے بھی قائم کیے جو دو نسلوں تک ان کی شناخت بنا رہااور آج بھی پکا قلعہ میں انھی کی بدولت اور کچے قلعہ میں بھی جوتے بنانے کا کاروبار اسی خاندان کی مرہونِ منت فروغ پایا ہے یہ خاندان آج بھی پکا قلعہ میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مشہور جوتے بنانے والوں میں شمار ہوتا ہے اور آج بھی ان کا یہی پیشہ کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے، اگرچہ تیسری اور چوتھی نسل کے اکثر افراد روایتی پیشوں کی بجائے آفس ورکنگ، آئی ٹی سیکٹر اور اس نوعیت کے دیگر نجی شعبوں سے وابستہ ہو چکے ہیں، کیونکہ وہ جدید دور کی دنیاوی تعلیم، مہارتوں اور رائج اقدار کے ساتھ اپنے سفر پر گامزن ہیں؛ ان میں سے کچھ خاندان کراچی میں آباد ہیں۔

سید محبت علی کا انتقال بیماری اور تاریخی ورثے کا نقصان

سید محبت علی ٹی بی (Tuberculosis) کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور اسی بیماری کے باعث ان کا انتقال ہوا۔

ان کے انتقال سے پہلے جب انھیں ہسپتال لے جایا گیا، تو اسی دوران ان کے گھر پر ایک بڑی چوری کا واقعہ پیش آیا، جس میں نہ صرف قیمتی اشیاء بلکہ بے حد نایاب اور تاریخی دستاویزات بھی گم ہو گئیں یہ گھر زمین پر بنا ہوا ہے اور آج بھی ان کی اولاد اور نسل کے پاس موجود ہے، مگر اس چوری نے خاندانی ورثے کا ایک اہم حصہ ضائع کر دیا خاندانی روایات کے مطابق سید امید علی کی زوجہ بیان کرتیں کہ سید محبت علی نے 'کشتہ سونا' کھایا تھا، مگر اس کی شدید حدت ان کے مزاج کے موافق نہ آئی اور وہ اس کے مضر اثرات کا شکار ہو گئے وقت گزرنے کے ساتھ یہ عارضہ شدت اختیار کرتا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انھیں منہ سے خون آنے لگا بعد ازاں یہی بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی اور ان کی وفات کا سبب بنی۔

چوری شدہ قیمتی تاریخی دستاویزات

اس چوری میں جو اہم دینی، تاریخی اور وراثتی دستاویزات ضائع ہوئیں، ان میں شامل ہیں:

مسجد کے چندے کی رقم، وراثتی دستاویزات، بہت پرانے تاریخی نسخہ جات نسب نامے، قدیم مخطوطات، پرانے بزرگوں کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے قدیم کاغذی نسخے جو شجروں کا حصہ تھے اور یہ چوری خاندانی ورثے کے زوال اور تاریخی حقائق کے ضیاع کی ایک بڑی مثال تھی، کیونکہ ان دستاویزات میں وہ تمام حوالوں کی مکمل صحیح ترتیب اور صحیح تفصیل درج تھی جن کا ذکر اس میں جگہ جگہ ملتا تھا۔

تاریخی شواہد اور ان کا زوال

یہ بھی ممکن ہے کہ مغل دربار سے منسلک شاہیااسناد اور فرامین باقی رہے ہوں، مگر چونکہ اس خاندان کی نسل میں کسی نے بھی ان کا دعویٰ نہیں کیا، اس لیے مغل تاریخ میں ان کا تذکرہ ہی باقی رہ گیاکچھ شواہد جان بوجھ کر مٹا دیے گئے، قدیم ترین شجروں کے کچھ نادر نسخے موجود رہے، مگر دیگر تاریخی حوالہ جات کو غائب کر دیا گیا۔

روحانی ورثہ، صوفی روایت اور کھوئے ہوئے تاریخی شواہد

سید حفیظ علی اور سید محبت علی نے اپنے جدِ امجد کے روحانی ورثے کو برقرار رکھا اور حیدرآباد (پکا قلعہ) کو اپنا مسکن بنایا حیدرآباد، سندھ، کی تاریخی اور روحانی نسبت کی وجہ سے، بہت سے سادات اور اہلِ بیتؑ کے چاہنے والے یہاں منتقل ہوئے سید محبت علی نے مسجد کی امامت اور دینی خدمات انجام دیں، جبکہ سید حفیظ علی ایک حج گزیدہ، دین دار شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے انھوں نے دنیاوی جائداد اور زمینوں کے جھگڑوں سے دور رہتے ہوئے، سادہ مگر باوقار زندگی گزاری سید محبت علی کے انتقال کے وقت، ان کے گھر پر جو چوری ہوئی، اس میں اہم تاریخی و دینی دستاویزات سے جڑی تحریریں ضائع ہو گئیں یہ صرف ایک خاندان کی تاریخ نہیں، بلکہ قربانی، سچائی اور روحانی وابستگی کی ایک زندہ مثال ہے یہ تاریخی ورثے کے زوال اور اس کے شواہد مٹانے کی ایک روشن مثال بھی ہے، کیونکہ اس خانوادے سے منسلک کچھ حقائق آج بھی تاریخی حوالوں میں بکھرے ہوئے ہیں، مگر بہت سے نشانات مٹا دیے گئے یہ خاندان ہمیشہ محبتِ اہلِ بیتؑ اور خدمتِ خلق کے اصولوں پر قائم رہا اور دنیاوی مال و متاع کی بجائے دینی و روحانی ورثے کو ترجیح دیتا رہا یہ داستان آج بھی اپنے کھوئے ہوئے ورثے کے آثار کی تلاش میں ہے۔

یہ خاندان تاریخ، ہجرت اور بین الاقوامی روابط

تقسیمِ ہند کے بعد، خاندان کے اہم حصے کراچی اور حیدرآباد میں آباد ہوئے تاہم، ہجرت کی یہ روایت نئی نہیں تھی بلکہ مغل دور کے آخری عہد تک یہ خاندان عرب ممالک، ایران، افغانستان، اوچ شریف اور ہندوستان کے ساتھ مسلسل روابط میں یہ خاندان عرب دنیا کے علمی اور روحانی حلقوں سے وابستہ رہا اور مغل دربار کے آخری دور تک اس کے افراد عرب خطوں میں آتے جاتے رہے اہلِ بیتؑ سے نسبت اور تعلق کی بنا پر سعودی عرب، ایران، عراق اور افغانستان میں اس کے علمی و روحانی روابط قائم رہے مغل دربار سے وابستگی کے باوجود خاندان نے بین الاقوامی صوفی اور اثنا عشری علمی مراکز سے اپنا رشتہ برقرار رکھا اگرچہ یہ خاندان عام طور پر معروف نہیں رہا، لیکن تاریخ، تصوف اور اثنا عشری علمی روایت سے دلچسپی رکھنے والے خواص میں ہمیشہ پہچانا جاتا رہا ہندوستان، پاکستان، عرب دنیا اور ایران سے تاریخی وابستگی، اہلِ بیتؑ کی نسبت اور علمی و روحانی ورثے نے اسے ایک منفرد شناخت دی، جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہی اس تناظر میں سید محبت علی ایک عبادت گزار، درویش صفت اور خدمتِ خلق کی نمایاں مثال کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

حاجی سیّد حفیظ علی کی ازدواجی و خاندانی تفصیل

حاجی سید حفیظ علی کی دو ازواج تھیں پہلی زوجہ سیدہ قادری خاتون دوسری زوجہ سیدہ خورشید خاتون تھیں۔

سیدہ قادری خاتون سے حاجی سید حفیظ علی کے ایک بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں ان کے بیٹے کا نام سید قمر علی تھا ان کے خاندان کے افراد کراچی میں آباد ہیں سیدہ خورشید خاتون سے صرف ایک بیٹی سیدہ سعیدہ ہوئی سیدہ سعیدہ کے شوہر سید صابر رضوی بن سید شریف رضوی لکھنوی المعروف شریف چچا تھے سیدہ سعیدہ اور سید صابر کی دو بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں جو سید اصغر رضوی صدرِ انجمن اور سید اکبر رضوی حیدرآبادی مشہور نوحہ خواں اور سید حیدر رضوی کی والدہ تھیں، جو سید حفیظ علی کے نواسے ہیں۔

سید قمر علی کی چھ بیٹیاں اور چار بیٹے ہوئے، بیٹے: سید قیصر علی، سید محسن علی، سید عاصم علی، سید فیصل علی، یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سیدہ قادری خاتون ، سیّد محبّت علی کی دونوں ازواج کی سگی بہن تھیں۔

سید قمر علی نے اپنے خاندانی اور اہلِ بیتؑ سے جڑے روایتی مسلک کے برخلاف فکر کی طرف رجحان کیا جس کا اثر ان کی اولاد میں بھی ظاہر ہوتا ہے اس کے برعکس ان کی بہن نے خاندانی روایت کے مطابق تاحیات مکتبِ تشیع سے وابستگی برقرار رکھی یہ واقعہ اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ مسلکی تبدیلی عموماً ماحول و تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے، جس کا جواب حکمت، علم اور رجوع الی اللہ میں ہے۔

یہ ایک تلخ مگر حقیقت پر مبنی واقعہ ہے کہ سید قمر علی اور ان کی نسل کو ان کے خاندانی پس منظر کے باعث کبھی خاندانی شجرہ نسب فراہم نہیں کیا گیا سید قمر علی کے عقائد اور زندگی کے بعض معاملات پر خاندان میں شدید تحفظات رہے یہی بنیادی وجہ بنی کہ ان کی اولاد کو شجرۂ نسب دینے سے خاندان نے انکار کر دیا۔

ایک اہم واقعہ بیس19 کا ہے جب سید محسن علی بن سید قمر علی، اپنے بھائی سید فیصل علی کی شادی کا دعوت نامہ دینے کے لیے، سید سلمان ذاکر علی عرف مانی بن سید نصیر علی بن سید محبت علی کے ہمراہ، سید قدیر علی کے گھر پہنچے اس ملاقات کے دوران سید محسن علی اور سید سلمان ذاکر علی جو سید قمر علی کے داماد ہیں نے مودبانہ انداز میں شجرہ دینے کی درخواست کی اور کہا : براہِ کرم ہمیں بھی خاندانی شجرہ دی دیجیے ۔

اس وقت سید اُمّید علی بن سید محبت علی موجود تھے جب ان تک یہ بات پہنچی کہ سید قمر علی کے بیٹے شجرہ طلب کر رہے ہیں، تو انھیں وہی خاندانی موقف یاد آیا جو برسوں سے قائم تھا کہ سید قمر علی کے اعتقادی انحراف اور متنازع طرزِ حیات کی بنا پر ان کی نسل کو شجرہ نہ دیا جائے اس طرح، سید محسن اور ان کے بھائی اب تک اپنے نسبی شجرے کی تلاش میں ہیں، لیکن انھیں خاندان کی جانب سے مسلسل انکار کا سامنا ہے۔

تاہم بیس24 میں ایک نیا مکالمہ اس وقت سامنے آیا جب سید قدیر علی اور سید شاہ زیب علی کے مابین خاندان سے متعلق گفتگو ہوئی اس موقع پر سید قیصر علی نے خاندانی بنیاد پر بتایا ہمارے بزرگوں میں چار لوگ تھے جو عرب سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے، جن میں سے دو سے نسل چلی، ایک درویش بن گئے اور نامعلوم ہو گئے اور ایک نے کبھی شادی نہیں کی یہ روایت گو کہ ظاہری طور پر درست معلوم ہوتی تھی، مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ سید قیصر علی کو خود بھی درست تاریخی معلومات نہیں تھیں اور انسابِ سادات پر پوری طرح سے بے علم ہیں ۔ انھوں نے نادانستگی میں ساداتِ بارہا/ بلگرامی کے بزرگوں کا ذکر کر دیا، حالانکہ اصل نسبت ساداتِ نقوی بخاری سے ہے جیسا کہ بعد ازاں مختلف تحقیقاتی مراحل میں ثابت ہے یقیناً یہ بات حقیقت ہے کہ آگرہ اور فیروزآباد میں ساداتِ بارہ کی اکثریت ہے، مگر دیگر سادات خصوصاً نقوی اور بخاری سادات بھی وہاں موجود رہے ہیں اکثر عام لوگ علاقے کی روایت اور اکثریت کو دیکھ کر کسی اور شاخ کے بزرگ کو اپنا بزرگ مان لیتے ہیں جبکہ سید امید علی کا بیان روایت کردہ کچھ ایسا تھا ہندوستان کی سرزمین پر درحقیقت صرف دو بھائیوں یا باپ بیٹوں کی آمد ہوئی تھی جو ممکنہ طور پر موجِ دریا رحمتُ اللہ کی فتوحات کے بعد کی نسلوں میں ہجرت کرنے والے سادات میں سے کوئی تھے سید امید علی اس موقف کی بنیاد اُن محفوظ خاندانی روایات پر ہے جو سید قمر علی کی شاخ سے مختلف اور زیادہ مستند مانی جاتی ہیں بے شک یہ خاندان امامِ صادق علیہ السلام سے ہوتا ہوا نقوی سادات، پھر بخاری اور سید امیر علی سے ہوتا ہوا سید حفیظ علی، سید امجد علی اور سید محبت علی تک پہنچتا ہے۔

سید محبت علی اور سید حفیظ علی کی مکمل اولاد نسل در نسل تفصیل

سید محبت علی کی اولاد

سیّد محبت علی کی دو ازواج تھیں ایک کا نام سیدہ نادِری خاتون تھا اور دوسری کو سیدہ منی خاتون کے نام سے جانا جاتا تھا۔

سیّد محبت علی کی بیٹیوں کے نام یہ ہیں: سیدہ افسری، سیدہ فیروزا، سیدہ بلقیس، سیدہ نسیم، سیدہ امینہ اور سیدہ روبینہ۔

جبکہ سیّد محبت علی کے بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں: سیّد امید علی، سیّد نیاز علی، سیّد اعجاز علی، سیّد نصیر علی، سیّد شباب علی اور سیّد جاوید علی۔

سیدہ نادرؔی خاتون کے بطن سے سید محبت علی کی اولاد درج ذیل ہے:

سید امید علی، سید نصیر علی عرف کلّوچچا، سیدہ افسری، سیدہ فیروزا اور سیدہ بلقیس۔

جبکہ سیدہ مُنّی خاتون کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ یہ ہیں:

سیدہ امینہ، سید شباب علی، سید نیاز علی، سید اعجاز علی، سیدہ روبینہ اور سید جاوید علی۔

سیدہ بلقیس بنتِ سید محبت علی کے شوہر سید شاہد حسین جعفری المعروف شاہد نیازمی اکبر آبادی ایک باکمال، ولی صفت شخصیت تھے، جنھوں نے برصغیر پاک و ہند میں علمِ عروض کی پہلی درسگاہ قائم کی جو کے مفت بھی تھی جہاں انھوں نے علمِ عروض کی تعلیمات دیں جس کا نام علی اسکول برائے علمِ عروض برِ صغیر پاک و ہند کا پہلا اسکول (بلا معاوضہ) ہے اور مولاؑ علی قدمگاہ پر آباد رہے آپ نے یہ درس گاہ اپنی رہائش گاہ پر ہی قائم کی یہاں علمِ عروض اہلِ بیتؑ کی مدح و ثنا کے لیے سکھایا جاتا رہا ہے آپ نے خود بھی اہلِ بیتؑ کی مدح میں بے شمار اشعار اور نظمیں تخلیق کی ہیں اور انھیں خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اُن سے کئی مشہور اور معتبر افراد نے علمِ عروض سیکھا اور اُن کے شاگرد بنے۔

آپ کے صاحبزادے پانچ ہیں:

سید ابرار حسین، 2. سید زاہد حسین، 3. سید ساجد حسین، 4. سید ریحان حسین، 5. سید فرحان حسین

اور تین بیٹیاں ہیں:

1. سیدہ نسرین 2. سیدہ سندس 3. سیدہ لاریب

سید شاہد حسین جعفری ایک ولی مزاج انسان تھے، جنھوں نے اپنی زندگی میں کئی کتابیں بھی تصنیف کیں آپ اہلِ بیتؑ کے شاعر بھی رہے، علمِ عروض کے استاد، علمِ جعفر کے ماہر اور قطب، ابدال، قلندر و ولایت کی صفات سے مزین شخصیت تھے دین و دنیا دونوں میں آپ ایک تعلیم یافتہ، باوقار اور قابلِ قدر وجود تھے۔

آپ کے ساتھ ایک روحانی واقعہ بھی پیش آیا:

ایک مرتبہ آپ نے خواب میں حضرت سید ابو طالب علیہ السلام کی زیارت کی، جو نہایت واضح، روشن اور ہر شک و شبہ سے پاک خواب تھا آپ نے دیکھا کہ حضرت سید ابو طالبؑ نے آپ کو مولاؑ علی قدمگاہ کے قریب ایک عیدگاہ گراؤنڈ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، جس میں وہ خود امام تھے نماز کے بعد انھوں نے آپ کی طرف رجوع فرمایا۔

سیدہ افسری بنتِ سید محبت علی کے شوہر کا نام سید یوسف علی تھا۔

سید یوسف علی کے بھائیوں کے نام سید منظور علی اور سید مبارک علی شاہ تھے۔

سیدہ افسری کے چھ بچے تھے: دو بیٹیاں اور چار بیٹے۔

بیٹوں کے نام:

سید یونس علی، سید شاہد علی، سید زاہد علی اور سید وقار علی۔

بیٹیوں کے نام:

سیدہ عائشہ اور سیدہ سیما۔

- سید نصیر علی بن سید محبت علی کے پانچ بیٹے ہیں: سید فیضان علی ، سید رضوان راجو علی ، سید عدنان شاکر علی ، سید ناصر علی ، سید سلمان ذاکر علی اور ایک بیٹی: سیدہ ناصیرا۔
- سید شباب علی بن سید محبت علی کا ایک بیٹا ہے: سید سجاد علی اور پانچ بیٹیاں ہیں: سیدہ حنا، سیدہ ثنا، سیدہ بشریٰ، سیدہ حُما، سیدہ ۔
- سید نیاز علی بن سید محبت علی کی تین بیٹیاں ہیں خاندان کراچی میں آباد ہے۔
- سید جاوید علی بن سید محبت علی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہیں بیٹے سید وجاہت علی نقوی، سید حاشر علی نقوی اور سید حارس علی نقوی ہیں یہ خاندان کراچی میں آباد ہے۔

• سید اعجاز علی بن سید محبت علی: عقیدے پر مضبوطی سے قائم ہیں سادگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، آپ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں سید اسامہ علی نقوی ، سید علی نقوی اور سید عرفان علی نقوی ان میں سے ایک بیٹے، سید علی، کو آپ نے اپنی بہن کو گود دے دیا تھا، جن کے شوہر بھی سادات کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں ۔

• سید امید علی بن سید محبت علی: سب سے بڑے بیٹے والد کے انتقال کے بعد، ہندوستان سے آئے ہوئے ایک صوفی وفد نے انھیں روحانی گدی سنبھالنے کی پیشکش کی، مگر انھوں نے انکار کر دیا انھوں نے باوقار زندگی بسر کی اور تصوف کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ان کا خاندان پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیوں پر مشتمل ہے۔

بیٹیاں:

سیدہ فریدہ، سیدہ فرحت، سیدہ شبنم، سیدہ کوثر اور سیدہ ندا ان میں سے سیدہ فرحت کے شوہر بھی نقوی بخاری سادات میں سے ہیں سید عرفان علی نقوی البخاری جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ سید امیر علی کے بھائیوں یاچچاؤں میں سے ایک ہی نسب ہے تاہم یہ بات یاد رہے کہ یہ عرفان بن سید اعجاز علی نہیں ہیں، بلکہ ان کا شجرۂ نسب اوپر کی کئی نسلوں میں جا کر ملتا ہے، جن کا شجرۂ نسب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ یوں ان کی اولاد دو طرفہ نقوی بخاری سادات میں شمار ہوتی ہے ان کی اولاد میں صرف تین بیٹیاں ہیں۔

بیٹے:

سید قدیر علی نقوی، سید امیر علی نقوی، سید ماجد علی نقوی، سید ساجد علی نقوی، سید ذوہیب علی نقوی

- سید قدیر علی کراچی میں آباد ہیں اور آپ کے چار بیٹے ہوئے: سید شاہ زیب علی نقوی، حافظ سید شاہ زین علی نقوی، سید شارق علی نقوی اور سید یوشع علی نقوی جن میں سے سب سے چھوٹا، سید یوشع علی نقوی، پیدائش کے وقت ہی وفات پا گیا تھا۔

- سید امیر علی نقوی حیدرآباد میں آباد ہیں ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں بیٹوں کے نام سید حسنین علی نقوی، سید حسن علی نقوی اور سید حسّان علی نقوی ہیں، جبکہ بیٹیوں کے نام سیدہ ایمن، سیدہ انعمتہ اور سیدہ انابیہ ہیں۔

- سید ماجد علی کراچی میں آباد ہیں آپ کے تین بیٹے ہوئے: سید رافع علی نقوی، سید مصطفیٰ علی نقوی، سید حمزہ علی نقوی۔

- ان کے خاندان کے افراد آج بھی اپنے آبائی عقائد پر قائم ہیں۔

سید ساجد علی نقوی بن سید امید علی کے مطابق، جب حیدرآباد میں مقیم دیگر خاندانوں سے حکیم سید فرخ حسین کے بارے میں دیگر سادات حکیموں اور ان کی نسلوں سے رابطے کیے گئے تو یہ معلوم ہوا کہ سید عرفان علی نقوی بخاری اوپر ایک ہی نسب سے ہیں سید امیر علی کے بھائیوں یاچچاؤں میں سے ایک ہی نسب ہے۔ حکیم سادات خاندان نے یہ بھی بتایا کہ ان کی والدہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں اور سید امید علی بھی جانتے تھے کہ یہ رشتہ داروں میں سے ہیں اور ایک ہی نسب سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ بھی واضح کیا گیا کہ سید عرفان علی نقوی کے بڑے بھائی، سید محسن علی نقوی البخاری بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے اور سید محبت علی کے گھر ان سب گھر والوں کا کافی آنا جانا تھا سید قدیر علی بن سید امید علی کے مطابق، انھیں ان کا آنا جانا اچھی طرح یاد ہے کہ وہ ہمارے اور دادا کے گھر آتے تھے وہ 1985 کا ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے والد اور سید محسن علی نقوی بخاری بھی ساتھ تھے تو سید امید علی اور یہ خاندان اکثر یہی کہا کرتے تھے کہ ہم ایک ہی خاندان اور نسل سے ہیں۔

یہ بات بالکل درست تھی کہ اس خاندان کا گہرا تعلق تھا سید محبت علی کی اولاد کا کہنا تھا کہ ہم انھیں شروع سے ہی جانتے تھے، یہ بھی ہمارے ساتھ ہی آگرہ سے آئے تھے اسی رشتہ داری اور تعلق کے باعث سید امید علی نے اپنی بیٹی کی شادی 1996 میں سید عرفان علی نقوی سے کر دی۔

جبکہ خود سید عرفان علی نقوی بخاری کا کہنا تھا کہ ہماری والدہ نے کافی پریشانی کے وقت میں تقیہ اختیار کیا اور وہ شادی سے کچھ عرصہ پہلے کا معلوم ہوتا ہے جو انھیں بخوبی یاد ہے، جس میں سید محبت علی، سید حفیظ علی اور سید شریف رضوی کے ساتھ آئے بیشتر خاندانوں نے یہ ساتھ ہی کیا تھا معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کے بہت قریبی نسب سے ہیں، کیونکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سید عرفان علی نقوی بخاری والے شکل و صورت، عادات اور جسمانی معاملات میں ایسے ظاہر ہوتے ہیں جیسے یہ سب بھائی سید محبت علی کی نسل کے سگے بھائی ہوں۔

1) سید محسن علی نقوی البخاری 2) سید نوشاد علی نقوی البخاری 3) سید قمر علی نقوی البخاری 4) سید مظہر علی نقوی البخاری 5) سید عرفان علی نقوی البخاری 6) سید علی نقوی البخاری

ان سب نے ابتدا میں جوتوں کے کام کو ہی بطور کارخانہ ذریعہ معاش بنایا، بعد میں اپنی تعلیم اور ہنر کے مطابق الگ الگ شعبوں کا انتخاب کیا۔ contentReference[oaicite:0]{index=0}:

سید اُمید علی ایک غیر مکمل مگر انمول داستانِ حیات

اس کتاب میں درج اکثر روایات، خصوصاً وہ جو طویل اور تفصیلی نوعیت کی ہیں، زیادہ تر سید اُمید علی سے منقول ہیں ان روایات کی تصدیق آپ کے دیگر بہن بھائیوں اولاد اور نسل کی جانب سے بھی ہوتی ہے اور آپ کے اہلِ محلہ، آپ کے کارخانے کے اہلِ محلہ، آپ کے والد سید محبت علی کے اہلِ محلہ، آپ کے دوست احباب اور وہ تمام رشتہ دارخصوصاً پکا قلعہ، مولا علی قدم گاہ اور ہیرآباد کے رہنے والے اس تصدیق میں بالخصوص شامل ہیں کیونکہ آپ نے اپنی زندگی میں خاندان کے دونوں طرف کے فقہی، سماجی اور نسبی پہلوؤں کو براہِ راست دیکھا اور پرکھا تھا آپ کی حیات کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپ اور آپ کی اولاد اور آپ کے بھائی بیس10 تک ہندوستان کے بار بار سفر پر جاتے رہے ان سب میں سب سے زیادہ سفر اور رابطے خود آپ کے ہی رہے وہاں موجود عزیز و اقارب سے آپ کے تعلقات یہاں کے عزیزوں کی طرح ہی گہرے اور مستحکم تھے۔

کتاب کی نامکملی: ایک اجتماعی نقصان

افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب آپ کی زندگی میں مکمل نہ ہو سکی اگر یہ تحریر مکمل ہو جاتی تو آج اس خاندان کو تاریخ کے حوالے سے کوئی الجھن یا تضاد باقی نہ رہتا یہ کتاب صرف ایک جلد پر مشتمل نہ ہوتی، بلکہ یہ عظیم ذخیرہ بن جاتی لیکن آپ کی زندگی مسلسل ایسے سخت حالات سے گذری کہ آپ کو اپنے علم، مشاہدات اور نسبی خزانے کو قلمبند کرنے کا وقت، ماحول اور سہولت ہی نہ ملی۔

ہجرت، غربت اور ذمہ داریوں کا بوجھ

آپ نے بچپن ہی میں ہجرت کا صدمہ اٹھایا، اپنے خاندان کے ساتھ در بدر کی زندگی گزاری، جوانی غربت میں دیکھی اور پھر جیسے ہی حالات نے سنبھلنے کا موقع دیا، آپ نے اپنی توجہ مکمل طور پر ذریعہ معاش اور خاندانی کفالت پر مرکوز کر دی آپ نے کاروبار کی طرف قدم بڑھایا اور آپ کے والد سید محبت علی کا انتقال ہو گیا نتیجتاً، آپ ہی کو پورے خاندان، اپنے بہن بھائیوں اور اپنی اولاد کا سب سے بڑا سہارا بننا پڑا۔

پکا قلعہ کا قضیہ بیس سال کی قانونی جنگ

اسی اثنا میں ایک اور بڑا مسئلہ سامنے آ گیا آپ کے والد سید محبت علی کی جائداد میں شامل ایک اہم حصہ پکا قلعہ، واقع جوتے سازی کا کارخانہ جو تمام کارخانوں کا مرکز بن چکا تھا، اُس پر آپ کے تایا زاد بھائی نے دعویٰ کر دیا کہ یہ سید حفیظ علی کی ملکیت ہے جبکہ حقیقت میں یہ جائداد آپ کے والد سید محبت علی کی تھی اور ان کی اولاد ہی اس کی جائز وارث تھی خاندان میں سب سے بڑے اور سمجھ دار ہونے کی حیثیت سے یہ مقدمہ آپ، سید اُمید علی، نے لڑا یہ مقدمہ آپ کی زندگی کے بیس سال نگل گیا ان بیس برسوں میں آپ کا وقت عدالتوں اور کاغذی کارروائیوں میں گزرتا رہا کئی کئی دن اور راتیں عدالت میں گزارنا پڑتی تھیں بعض اوقات آپ کئی دن تک گھر بھی نہیں آ پاتے تھے یقیناً یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک طرف چچا زاد اور تایا زاد بھائیوں کے درمیان ایک مقدمہ عدالت میں زیر سماعت تھا اور دوسری طرف سادات خاندان کی پرانی روایات اور تربیت اپنی جگہ قائم تھیں خاص طور پر رات کا کھانا سب افراد ایک ہی دسترخوان پر اکٹھے بیٹھ کر کھاتے تھے ایک بار ایسا ہوا کہ سید قمر علی کسی رنجش کے باعث کھانے پر نہ آئے، تو سید امید علی خود جا کر انھیں منا کر لائے اور پھر سب نے مل کر کھانا کھایا یہ واقعہ اس بات کا مظہر ہے کہ گذشتہ ادوار میں سادات گھرانوں میں اتحاد، رواداری اور بھائی چارے کی فضا آج کے دور کی نسبت کہیں زیادہ مضبوط اور مؤثر ہوا کرتی تھی۔

خاندان کی محنت اور تعلیمی خلا

اسی دوران، غربت کا ماحول بھی قائم رہا آپ کے بھائیوں نے اپنی اپنی گھریلو ذمہ داریاں سنبھالیں آپ کے بڑے بیٹے سید قدیر علی نے بھی اپنے کنبے کی ذمہ داری اٹھائی دوسرے بیٹے سید امیر علی بھائی کے شانہ بشانہ رہے بچاؤں کے مشورے پر عمل کرتے، محنت کرتے، آپ کے مقدمے کے لیے مالی معاونت فراہم کرتے، گھر بھی چلاتے اور کارخانہ بھی دوبارہ شروع کیا جیسے ہی خاندان نے ترقی کی طرف قدم بڑھایا، تعلیم کو نظر انداز کر دیا گیا اگرچہ آپ کچھ تعلیم یافتہ تھے اور آپ کے بھائی سید نیاز علی نے ماسٹرز کیا اور ایک سرکاری ملازمت اختیار کی، سید قمر علی کی اولاد بھی پڑھی لکھی لیکن آپ اور آپ کے بھائیوں کی اگلی نسلیں تعلیم سے محروم رہ گئیں یہی تعلیمی خلا نسب اور تاریخ کے تحریری کام میں سب سے بڑی رکاوٹ بنا۔

آپ نے آخرکار وہ مقدمہ جیت لیا، آپ کے بہن بھائیوں نے یہ کہا تھا کہ بھائی، آپ یہ مقدمہ خود لڑ لیں اگر آپ کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ جائداد آپ ہی کی ہوگی ہم اس سلسلے میں کسی قسم کی مالی معاونت نہیں کر سکتے، اس لیے تمام اخراجات اور ذمہ داری آپ خود برداشت کریں اور جائداد اپنے پاس رکھیں، لیکن اس وقت تک آپ کے بیس سال گذر چکے تھے اور آپ کی نسلیں شادی کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھیں جب عدالت، گھر، کارخانہ اور دیگر ذمہ داریوں سے کچھ فراغت ملی، تو اولاد کی شادیاں، نئی زندگی کے مسائل اور معاشرتی الجھنیں آپ کی زندگی میں آ گئیں گھر اور کاروبار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا اور تعلیم کی کمی نے وہ سب کچھ ممکن کر دیا جس سے بچنا ضروری تھا ان سب حالات کی وجہ سے خاندان کا دھیان نسب، علم اور تاریخ سے ہٹ گیا۔

اسی دوران آپ اپنی سب سے چھوٹی جوان بیٹی سیدہ ندا کے انتقال کے صدمے سے دوچار ہوئے اس کے بعد آپ نے اپنا بڑھاپا دنیاوی مسائل اور گھریلو الجھنوں میں گزارا پھر ایک حادثے میں آپ کی کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی، آپ کا آپریشن ہوا، تھوڑا بہتر ہوئے، لیکن پھر دوبارہ بیمار ہوئے اور رضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے تین سال بعد آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی علمی دولت ضائع ہو گئی

کسی کو بھی آپ سے تفصیلی، مسلسل اور آرام دہ گفتگو کا موقع نہ مل سکا حتیٰ کہ آپ کی اپنی اولاد کو بھی نہیں اس کی ایک بڑی وجہ آپ کی سخت طبیعت اور غصے کا غیر معمولی انداز تھا آپ کے سامنے آپ کے بہن بھائی، بیوی اور بچے تک یہ ہمت نہیں کرتے تھے کہ آپ کے کسی جملے کے بعد دوسرا سوال یا بات کر سکیں آپ کی زندگی نے آپ کو مہلت نہ دی اور نہ ایسا ماحول ملا کہ آپ وہ علم اور نسبی خزانہ جو آپ کے پاس تھا، اسے قلمبند کر سکتے ایک اور اہم رکاوٹ فقہی تناؤ بھی تھا یعنی شیعہ سنی شناخت کے حساس معاملات کیونکہ خاندان میں سب مل جل کر رہتے تھے، حتیٰ کہ کھانے بھی اکٹھے ہوتے تھے، لہٰذا کوئی ایسا تحریری کام جو کسی فرقے کو ناراض کرے، ممکن نہ تھا۔

فقہی شناخت اور خاموشی

آپ نے اپنے اور والد اور تایا کے آبائی فقہ کو بڑی حد تک چھپانے کی کوشش کی آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی اولاد یا آپ کے بھائیوں کی نسل کو اس تبدیلی کا علم ہو آپ نے اپنی بریلوی سنی شناخت کو قائم کرنے کی غرض سے تاریخی تحریر کو روک دیا اگر کسی نے بہت اصرار کیا تو آپ بتا بھی دیتے تھے، لیکن یوں کہہ کر یہ سب پہلے ہمارے یہاں ہوتا تھا، پھر شیعوں نے شروع کر دیا، ہم نے چھوڑ دیا،اگر آپ نے تاریخ پر قلم اٹھایا ہوتا تو آپ کو ایک ماہرِ اَنساب تسلیم کیا جاتا آپ کے بعد خاندان میں اس علم کی محض ایک جھلک آپ کے بھائی سید نیاز علی میں پائی گئی، تاہم سید نیاز علی کی تعلیم تصوف کے زیرِ اثر آ گئی، جس کے باعث وہ علمِ اَنساب میں پوری طرح تسلسل قائم نہ رکھ سکے بعد ازاں سید اُمید علی کے پوتے، سید شاہ زیب علی نے اعلیٰ درجے کا علم حاصل کیا اور اپنے دادا، پردادا اور دیگر اجداد کی روایت کے مطابق اَنسابِ سادات کے علم میں گہری مہارت حاصل کی تاہم جو تاریخی و علمی سرمایہ سید اُمید علی کے ذہن میں محفوظ تھا، وہ مکمل طور پر منتقل نہ ہو سکا اور بالآخر سید اُمید علی کا انتقال ہو گیا اسی بنا پر انساب و تاریخ کے معاملے میں سید اُمید علی کے پوتے سید شاہ زیب علی ماہر الانساب سادات ہیں اور ان کے علم کو فیصلہ کن اہمیت دی جاتی ہے اور اب کسی بھی فریق کی بجائے سید شاہ زیب علی ہی کو مستند اور قابلِ اعتماد تسلیم کیا جاتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ واحد فرد ثابت ہوا جس نے نہ صرف اپنے نسب اور خاندانی تاریخ پر عبور حاصل کیا بلکہ ساداتِ نقوی کے نسب پر، دیگر سادات کے شجرہ جات اور اسلامی تاریخ کے تمام فرقوں کے ساتھ ساتھ خلافت و امامت، اہلبیتؑ، آئمہ طاہرین، خلافتِ عباسیہ، خلافتِ اُمیہ تاریخی و نسبی پہلو پر غیر معمولی عبور حاصل ہے وہ کثیر تعداد میں سادات کے کتب، شجرہ جات اور نسبی دستاویزات کا مطالعہ کر چکے ہیں اور نسب و تاریخ ان کا ایک تحقیقی شوق بن چکا ہے۔

مکمل نسل کی موجودہ صورت حال

سید محبت علی اور سید حفیظ علی کی نسل زیادہ تر حیدرآباد پکا قلعہ اور کراچی میں آباد ہے کراچی میں بسنے والے خاندان کے زیادہ تر افراد مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں یہ خاندان ہمیشہ سے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا ہے چاہے اہلِ بیتؑ کے مقام و درجات میں کمی کرنے والے کسی بھی عقیدے سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا، نہ فکری طور پر، نہ عملی طور پر خاندان کے کچھ افراد آج بھی جوتوں کے کاروبار سے وابستہ ہیں، جو ان کی روایتی صنعت رہی ہے، جبکہ نئی نسل جدید تعلیم کے ساتھ آئی ٹی کے شعبے ، مارکیٹنگ، امپورٹ ایکسپورٹ، ای کامرس اور دفتری امور جیسے شعبوں میں مہارت حاصل کر کے خدمات انجام دے رہی ہے جب کہ وہ دینی حلقوں سے وابستگی بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے مکتب فکر سے فکری و عملی تعلق رکھتے ہیں۔

خاندان کی عزاداری کی روایات

شیعہ خاتون اور سید محبت علی کے پوتوں کے ساتھ پیش آیا واقعہ

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب سید محبت علی کے پوتے اپنے پکا قلعہ کے ایک پڑوسی کی خاتون کے ساتھ پنجاب گئے، جو سیدہ اثنا عشری عقیدے سے تعلق رکھتی تھیں یہ خاتون ہندوستان سے ہجرت کرکے پاکستان آئی تھیں اور سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے خاندان کے ساتھ ہی ہجرت کرکے آئی تھیں اور اسی خاندان کی سرپرستی میں شامل رہیں جب وہ خاتون اپنی بیٹی کے لیے رشتہ دیکھنے پنجاب گئی تھیں، تو انھوں نے سید محبت علی کے پوتوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا، کیونکہ ان کے خاندان کے ساتھ تعلقات بہت اچھے رہے تھے جب بیٹی کے لیے رشتے کی بات چلی، تو انھوں نے سامنے والوں سے یہ کہا: میری بیٹی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے یہ بچے بھی موجود ہیں، مگر میں نے ان بچوں (سید محبت علی کے پوتوں) کے بارے میں صرف اس لیے نہیں سوچا کہ ہم میں اور ان میں ایک چھوٹا سا فرق ہے ہم پیٹو ہیں اور یہ بنا پیٹو ہیں ان میں اور ہم میں کوی فرق نہیں اسکہ کے ہم پیٹو ہیں اور یہ بنا پیٹو ہیں

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خاتون اور ان کا خاندان مکمل شیعہ عقائد پر تھے، ان کے یہاں ماتم بھی ہوتا تھا، جبکہ سید محبت علی کے گھر میں یہ رواج نہیں تھا سید محبت علی اور سید حفیظ علی کا خاندان بھی ان عقائد سے وابستہ تھا، مگر انھوں نے ماتم نہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا تھا اور بعد میں ایک حصہ تصوف و بریلوی مکتب کا حصہ بن گیا یہ خاتون اس خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جو ہندوستان میں اس سید خاندان سے واقف رہا اور ہجرت کے بعد بھی ایک ہی گلی میں آباد ہوا وہ لوگ جو عزاداری، نوحہ، مرثیہ اور مجلس کرتے ہیں مگر ماتم، قمہ زنی، زنجیر زنی، قمیضیں اُتار کر ماتم کرنا، آگ پر ماتم یا اپنے جسم کو کسی بھی طرح کی تکلیف پہنچانا نہیں کرتے یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی جو ولایتِ فقیہ کے عقائد پر قائل اور پابند ہو کیونکہ اس نظام کے آنے سے پہلے بھی بہت سے ایسے سادات خاندان موجود تھے جو اس طرح کی غیر روایتی عزاداری جو حرمت کے درجے تک چلی جائے کو قبول نہیں کرتے تھے اور اسی موقف کی تائید آیت اللہ نے بھی کی ہے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سید محبت علی کے خاندان میں عزاداری مکمل طور پر موجود تھی، یہاں تک کہ نوحہ خوانی اور مجلسیں بھی قائم تھیں مگر ماتم نہیں ہوتا تھا جب کے پاکستان میں آ کر سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے خود تصوف سے تعلق قائم کیا ، پکا قلعہ میں سلسلہ قادریہ سے بیعت تھے ۔

یہ بات سید محبت علی کے بیٹے سید امید علی نے بھی کی کہ ہمارے خاندان میں علم چڑھایا جاتا اٹھایا جاتا، عزاداری، نوحہ، تعزیہ داری، جلوس اور مجلسیں ہوتی تھیں، خصوصی طور پر مجالسِ نوحہ خوانی کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا مگر بعد میں یہ سب آہستہ آہستہ کم ہو گیا۔ جبکہ آج بھی کالاوے اور امامِ ضامن وغیرہ باندھے جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے کئی رسومات کا تعلق ایسی عزاداری سے ہے جو موجودہ نسل میں اب بھی قائم و دائم ہے دونوں میں۔

خاندان کی عزاداری کی دیگر روایات

اکثر گھرانوں میں مجالس اور نوحہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے، جبکہ چودہ معصومینؑ کے تمام ایامِ ولادت و شہادت پر نذر و نیاز کا خصوصی انتظام ہوتا ہے محرم اور چہلم پر نذر و نیاز کا اہتمام ہوتا ہے کندیلی (9 محرم کی رات مخصوص نذر کا اہتمام) کیا جاتا ہے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، جو مخصوص طور پر مرد حضرات کے لیے مختص ہے کھورمہ بھرنا

ایک روایتی نذر تھی، جسے خاندان کے بڑے افراد تقسیم کرتے ہے جب کے خاندان میں اس کو شہدائے کربلا کی نیاز بھی بتائی گئی۔

موجودہ نسل اور بارہ امامی عقیدہ

یہ ہمیشہ سے واضح رہا ہے کہ خاندان امامیہ عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہا خواہ افراد کا رجحان صوفی ہو یا وہ امامی شناخت رکھتے ہوں، سب نے بلا اختلاف بارہ اماموں کو ہی اپنے حقیقی امام تسلیم کیا ہے آج کی نسل بھی اسی عقیدے پر گامزن ہے۔

محرم کی رات کُندیلیاں بھرنے کی روایت سادات گھرانوں کی عزاداری کا ایک منفرد پہلو

سادات خاندانوں میں عزاداری محض ایک مذہبی رسم نہیں بلکہ ایک روحانی، تاریخی اور ثقافتی عمل ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتا آیا ہے عزاداری کی یہ روایات مختلف علاقوں، خاندانوں اور ان کے مخصوص عزاداری کے طریقوں کے مطابق ڈھلتی رہیں لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، ایران، عراق اور برصغیر کے دیگر علاقوں میں سادات گھرانے محرم کی رسومات کو اپنے مخصوص انداز میں مناتے آئے ہیں ان رسومات میں ایک منفرد اور کم معروف روایت کُنڈلی بھرنے کی بھی ہے، جو خاص طور پر 9 محرم کی رات ادا کی جاتی ہے اور 10 محرم کو اس کا اختتام ہوتا ہے دس محرم کی رات مجلس شامِ غریباں، پہلے یکم محرم سے لے کر 13 محرم تک گھروں کے چولہے نہیں جلتے تھے، لیکن سید اُمید علی نے اس روایت کو 9 سے 13 محرم تک محدود کر دیا وقت کے ساتھ ساتھ یہ روایت مزید مختصر ہو کر صرف 9 اور 10 محرم تک رہ گئی۔

یہ عمل آج بھی اس نسل میں جاری ہے، جبکہ کسی زمانے میں حلوے اور دیگر میٹھی اشیاء کا استعمال ہوتا تھا، مگر پچھلے کافی سالوں سے خُرمے استعمال اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مرد کے حصے میں ایک خُرما آتا ہے اور سید امید علی نے ہمیشہ اپنے گھر میں اس پر بہت زور دیا اور اسے برقرار رکھا یہ روایت خاص طور پر اولادِ امام موسیٰ کاظمؑ کے خاندانوں میں مشہور ہے، جنھوں نے نسل در نسل اپنے عقائد، عبادات اور عزاداری کے مخصوص انداز کو محفوظ رکھا روایت کے مطابق، 9 محرم کی رات کو ہر گھر کے مرد افراد کے لیے مخصوص مقدار میں مٹھائی یا نیاز تیار کی جاتی ہے، جو برتنوں یا تھال میں رکھی جاتی ہے اور اسے کُندیلی بھرنا کہا جاتا ہے اس عمل کے تحت، ہر فرد کے لیے ایک علاحدہ حصہ مخصوص کیا جاتا ہے، جو 10 محرم کو کھایا جاتا ہے۔

یہ رسم عزاداری کے ایک منفرد انداز میں کربلا کی صعوبتوں، قربانیوں اور امام حسینؑ اور ان کے جانثاروں کی آخری رات کو یاد کرنے کے لیے ادا کی جاتی ہے تاریخی طور پر، اس روایت کو امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی 9 محرم کی رات کی حالت سے جوڑا جاتا ہے، جیسا کہ ابو مخنف کی مقتل الحسین اور شیخ عباس قمی کی نفس المہموم میں مذکور ہے ان روایات کے مطابق، 9 محرم کی شام امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو اکٹھا کر کے ان کے لیے دعا کی اور انھیں آخری رات عبادت میں گزارنے کی تلقین کی اس رات، امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے پاس موجود قلیل مقدار میں غذا کو اکٹھا کیا، کیونکہ صبح عاشورہ کے دن انھیں میدانِ کربلا میں دشمن کا سامنا کرنا تھا۔

یہ روایت برصغیر میں سادات خاندانوں میں ایک نسلی ورثے کے طور پر جاری رہی اور وقت کے ساتھ کُندیلی بھرنے کی شکل اختیار کر گئی کئی تاریخی حوالہ جات اس رسم کے مختلف علاقوں میں موجود ہونے کی تصدیق کرتے ہیں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنی کتاب تاریخِ کربلا میں لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد کے خاندانوں میں عزاداری کے مختلف روایتی طریقے موجود ہیں، جو لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، ایران اور عراق میں عام ہیں اسی طرح، ڈاکٹر کلبِ صادق اپنی کتاب عزاداری کا تاریخی پسِ منظر میں بیان کرتے ہیں کہ سادات میں عزاداری کے بہت سے روایتی اعمال نسل در نسل منتقل ہوتے رہے ہیں، جن میں 9 محرم کی رات کا یہ مخصوص عمل بھی شامل ہے۔

مزید برآں، شجرۂ نسب (دارُ النسب، حیدرآباد) میں لکھا گیا ہے کہ لکھنؤ اور حیدرآباد کے بہت سے سادات خاندان، جو خود کو اولادِ امام موسیٰ کاظمؑ سے بتاتے ہیں، ان میں 9 محرم کی رات کا یہ عمل نسل در نسل چلا آ رہا ہے ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کُندیلی بھرنے کی روایت کسی ایک امام سے براہ راست منسوب نہیں، بلکہ سادات کے خاندانی عزاداری کے طریقوں میں شامل ہے، خاص طور پر وہ خاندان جو امام موسیٰ کاظمؑ اور بعد کے ائمہؑ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ روایت بنیادی طور پر محرم کے مخصوص نذر و نیاز کے طور پر دیکھی جاتی ہے کُندیلی بھرنے میں استعمال ہونے والی اشیاء میں مختلف قسم کی میٹھائیاں، جیسے برفی، گلاب جامن، لڈو، حلوہ، کھیر یا سویاں شامل ہوتی ہیں، جو مخصوص نیت کے ساتھ تیار کی جاتی ہیں 9 محرم کی رات اس مٹھائی کو ایک بڑے برتن یا تھال میں رکھتے ہیں اور ہر گھر کے مرد فرد کے لیے علاحدہ حصہ مقرر کیا جاتا ہے 10 محرم کو یہ مخصوص غذا کھائی جاتی ہے، جس کا مقصد امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے صبر و قربانی کو یاد کرنا اور اپنی عقیدت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

یہ روایت زیادہ تر لکھنؤ، حیدرآباد (دکن)، آگرہ، فیروز آباد، لاہور، ملتان، کراچی اور دیگر سادات خاندانوں والے علاقوں میں آج بھی جاری ہے یہ محض ایک کھانے یا نیاز کی روایت نہیں، بلکہ خاندانی اور روحانی وابستگی کا ایک ذریعہ بھی ہے یہ تصور ممکنہ طور پر کربلا کے شہداء کے ساتھ یکجہتی کے اظہار کے طور پر اپنایا گیا ہے، کیونکہ عاشورہ کے دن صرف امام حسینؑ اور ان کے مرد ساتھیوں نے میدانِ جنگ میں جان دی۔

کُندیلی بھرنے کی روایت میں ایک اور پہلو یہ بھی شامل ہے کہ بعض خاندانوں میں یہ عمل نذر کے طور پر بھی انجام دیا جاتا ہے یعنی اگر کسی کی حاجت پوری ہو، تو وہ 9 محرم کو کُندیلی بھرنے کی نیت کرتا ہے اور عاشورہ کے دن اسے مکمل کرتا ہے یہ طریقہ زیادہ تر خاندانی عزاداری کے ذاتی اور روحانی معاملات سے جڑا ہوتا ہے اور ہر خاندان میں اس کی مخصوص روایات ہو سکتی ہیں۔

نتیجہ

کُنڈیلی بھرنے کی رسم عزاداری کی ایک منفرد شکل ہے، جو خاص طور پر سادات خاندانوں میں نسل در نسل منتقل ہوئی ہے یہ روایت براہِ راست کسی حدیث یا فقہی حکم سے ثابت نہیں، لیکن تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے مستند ہے یہ نیاز کربلا کے واقعے کی علامتی یادگار کے طور پر ادا کی جاتی ہے، بنیادی مقصد کربلا کی قربانیوں کی یاد تازہ کرنا، عقیدت اور محبت کا اظہار کرنا اور اپنے خاندانی عقائد کو آگے بڑھانا ہے۔ :contentReference[oaicite:0]{index=0}

خاندان کے سنی یا شیعہ اثنا عشری ہونے کے شواہد

تاریخ میں کئی ایسے نکات موجود ہیں جو خاندان کے عقیدے کے دونوں پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں کچھ شواہد خاندان کے سنی پس منظر کی نشان دہی کرتے ہیں، جبکہ کچھ مضبوط دلائل اس کے شیعہ اثنا عشری ہونے کو ثابت کرتے ہیں یہ بات ہجرتِ پاکستان سے پچھلے وقت کے بارے میں ہے جبکہ موجودہ نسل میں اہل تشیع اور اہلِ تصوف، دونوں ہی فکر موجود ہیں۔

وہ نکات جو خاندان کے سنی ہونے کا عندیہ دیتے ہیں

صوفی سلاسل سے وابستگی

خاندان کے معروف بزرگ سید شاکر علیؒ نے سلسلہ کو اپنایا اور صوفی ازم کے اصولوں کو عام کیا چونکہ جلالیہ اور چشتیہ سلسلہ سنی صوفیا سے منسلک رہا ہے، اس لیے یہ نکتہ خاندان کے سنی پس منظر کو ظاہر کر سکتا ہے اس وقت بھی نماز کے طریقوں میں لوگوں کے درمیان اختلاف موجود تھا کچھ افراد حنفی فقہ کے مطابق ہاتھ باندھ کر بغیر رفع یدین کے نماز پڑھتے تھے، جبکہ کچھ مالکی اور جعفری فقہ کے پیروکار إرسال اليدين (ہاتھ چھوڑ کر) اور رفع یدین کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔

اہلِ تصوف کی روایت کے مطابق آپ تین سلاسل سے خلیفہ تھے اور آپ کا تشیع صوفی سلاسل سے بھی تعلق ظاہر ہوا ہے، جیسے کہ نعمت اللہی اور ذہبیہ یا صفویوں کے باقی روحانی حلقے مگر آپ نے سلسلۂ چشتیہ کو آگے بڑھایا اس کے بعد آپ کے بھی کئی مرید اور خلفا بنے، پھر ان سے آگے ان کے خلفا بنتے چلے گئے بعد ازاں انھی خلفا کے مریدوں کے ایک وفد نے ہندوستان سے پاکستان آ کر سید شاکر علی کی اولاد کو تلاش کیا اور سید اُمید علی کے کارخانے، پکا قلعہ، پر آ کر بطور مہمان ملاقات کی یہ ایک بڑا وفد تھا اور جب انھوں نے سید اُمید علی کو اپنے جد کا خلیفہ بننے کی پیشکش کی تو آپ نے انکار کر دیا، جیسا کہ آگے بیان کیا گیا ہے۔

درگاہی وابستگی (نظام الدینؒ، اجمیرؒ، امیرعلی ابوالعلائیؒ)

خاندان کے مختلف افراد جیسے سید امیر علیؒ اور ان کی نسل کے کئی افراد مختلف درگاہوں جیسے نظام الدین اولیاءؒ، امیر علی ابوالعلائیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت جلال شاہ بخاریؒ، حضرت شاہ احمد بخاریؒ سے منسلک رہے۔ یہ درگاہیں زیادہ تر صوفیوں کے زیر اثر رہی ہیں، اس لیے یہ نکتہ بھی خاندان کے سنی ہونے کا عندیہ ہے اہلِ تصوف سے تعلق رکھنے والوں کے اقوال کے مطابق، سید امیر علی کا وقتی طور پر اپنی بعض ریاستی ذمہ داریوں کے تحت یا اپنی حکمت سے وابستہ امور کے سلسلے میں، درگاہِ اجمیر اور درگاہِ نظامی سے بھی ایک اندرونی نوعیت کا تعلق رہا، جو کبھی انتظامی سطح پر اور کبھی ریاستی روابط قائم رکھنے کے لیے تھا۔

بعض افراد کا قادری سلسلے میں مرید ہونا

زندگی کے آخری وقت میں سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے سلسلہ قادریہ میں مریدی اختیار کی آپ دونوں کا شجرۂ طریقت بڑے پیر صاحب حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے، جو سید حفیظ علی کو ان کی زندگی میں ہی زبانی ازبر تھا۔

وہ نکات جو خاندان کے شیعہ اثنا عشری ہونے کو ظاہر کرتے ہیں

نسلِ حضرت علیؑ اور آلِ محمدﷺ سے نسبت

خاندان کے بزرگ سید امیر علیؒ اور ان کی نسل کا نسب حضرت علیؑ اور اہلِ بیتؑ سے دسویں شِیعہ و اہلِ بیتؑ امام علی نقیؑ سے جا ملتا ہے تاریخی طور پر سادات خاندان اکثر شیعہ عقائد کے حامل رہے ہیں کیونکہ سادات ہی مکتبِ اہلِ بیتؑ پر قائم رہنے والوں میں سے ہے، جو اس خاندان کے بھی شیعہ پس منظر کی مضبوط دلیل ہے۔

اثنا عشری عقیدے پر نسل در نسل قائم رہنا

خاندان کے افراد جیسے سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے بارے میں واضح ذکر ملتا ہے کہ انھوں نے پاکستان آمد کے بعد سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور مکتبِ بریلویت سے اپنا تعلق قائم کیا۔

سید محبت علی کے گھر کی گلی میں مقیم، ہجرت کے وقت ان کے ساتھ آنے والے جعفری شیعہ سادات میں سے موجودہ دور کا ایک خاندان اور اس کے افراد خاص کر کے سید محمد علی جعفری بن سید ایوب جعفری کے بقول، دونوں بھائیوں نے ہجرت کے وقت اپنا مسلک تبدیل کیا تھااور وہ تمام شیعہ و سادات گھرانے، جن کے آبا و اجداد سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے ساتھ ہندوستان میں مقیم تھے، نیز وہ افراد جو فیروزآباد کے رشتہ دار تھے اور ہجرت کے دوران ان کے ساتھ شامل ہوئے، سبھی اس ہجرت میں شریک تھے ان تمام افراد اور ان کے اہلِ خانہ، حتیٰ کہ آج ان کی نسلوں کا بھی یہی بیان ملتا ہے کہ یہ اثنا عشری تھے تاہم، بعد میں یا تو ہجرت کے وقت یا اس کے بعد، یہ دونوں بھائی تصوف سے متاثر ہوئے اور انھوں نے مکتبۂ بریلوی اختیار کر لیاجبکہ خود اس خاندان کے بزرگ اس بات کو چھپاتے رہے ہیں، مگر عزاداری کی روایت سے بات صاف ہو جاتی ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ آنے والوں میں اُوچ شریف کی طرف جانے والے شیعہ بخاری سادات کے کچھ خاندان بھی شامل تھے، جو ہجرت کے دوران راستے ہی سے اُوچ شریف کی طرف روانہ ہو گئے تھے ان خاندانوں کے شجرہ نسب اور تفصیلات سے سید محبت علی بخوبی واقف تھے، مگر ان کے بعد کسی کو اس معاملے میں زیادہ دلچسپی نہ رہی، لہٰذا کسی نے سید محبت علی سے ان معلومات کے بارے میں جاننے کی کوشش نہ کی تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان نے ہمیشہ ائمہ اہلِ بیتؑ کو اپنا امام مانا اور یہ عقیدہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا ہے۔

محرم، چہلم اور دیگر عزاداری کی روایات

کچھ خاندانوں میں ہمیشہ محرم، تعزیہ، نوحہ خوانی اور مجالس کی روایت موجود رہی ہے، جو مکمل طور پر شیعہ عزاداری کی علامتیں ہیں جبکہ سید امید علی کی روایت کے مطابق، قبل ازیں یہ تمام امور، نوحہ خوانی اور مجالسِ عزا ہمارے ہاں بھی برپا کی جاتی تھیں، محرم اور چہلم کی تمام تر نذر و نیاز اور 9 محرم کو مخصوص عقیدت کے ساتھ کندیلی اور کھورمہ بھرنے کی روایت مخصوص نذر و نیاز کی تقسیم یہ تمام روایات خالصتاً شیعہ عزاداری سے جڑی ہوئی ہیں یہاں تک کہ خاندان میں کبھی طریقۂ نیاز نہیں بدلا اور ہمیشہ سے وہ طریقۂ نیاز تشیع کا رہا ہے، جبکہ بعض گھرانے جو مکتبِ بریلویت اور تصوف پر قائم ہیں، وہ زیادہ تر سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ چشتیہ کی روایات کے امین ہیں۔

مغل سلطنت سے تعلق

مغل سلطنت کے آخری دور میں کئی سادات خاندان شیعہ عقیدے پر تھے اور سید امیر علیؒ کے خاندان کا دربار سے تعلق تھا تاریخی طور پر یہ ایک اور دلیل ہے کہ خاندان شیعہ پس منظر کی طرف ہونے کی۔

تاریخی درگاہی وابستگی اور شیعہ عقائد

اگرچہ خاندان کے کچھ افراد صوفی سلسلوں جیسے چشتیہ اور قادریہ سے وابستہ رہے، لیکن انھوں نے ہمیشہ ائمہ اہل بیتؑ کے عقائد کو مضبوطی سے تھامے رکھالہذا، مجموعی طور پر یہ ثابت ہے کہ یہ خاندان ہمیشہ سے ائمہ اہل بیتؑ کے عقائد پر تھا۔

پنجاب کی طرف ہجرت کرنے والے سادات خاندان سے تعلق اور شناخت

تقسیم ہند کے بعد ہجرت

سید امجد علی، سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے خاندان نے جب پاکستان کی طرف ہجرت کی، تو ان کے ساتھ یا ان سے وابستہ کچھ دیگر سادات خاندان بھی پنجاب منتقل ہوئے یہ سادات زیادہ تر پنجاب کے مختلف شہروں میں جا بسے البتہ، ان کا براہِ راست خاندانی تعلق واضح نہیں تھا، بلکہ یہ تعلق روحانی، نظریاتی یا برادری کی بنیاد پر زیادہ مضبوط نظر آتا ہے۔

پنجاب ہجرت کرنے والے ان سادات کا تعلق خاندان سے کس حد تک تھا

دور کے رشتہ دار یا روحانی و نظریاتی وابستگی

بعض سادات دور کے رشتہ دار ہو سکتے ہیں، مگر شجرے میں براہِ راست نسل کا ذکر نہیں ملتا۔

کچھ سادات محض آلِ محمد ﷺ اور نسلِ امام ہونے کی بنیاد پر روحانی اور نظریاتی قربت رکھتے تھے۔

عزاداری اور خاندانی وراثت میں عدم شمولیت

اگرچہ ان سادات کا خاندانی برادری سے تعلق تھا، مگر خاندانی عزاداری کی روایات میں ان کی براہِ راست شراکت کم نظر آتی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ محض سادات برادری کے عمومی رکن تھے اور خاندان کے مخصوص تاریخی پس منظر یا وراثتی روایات میں ان کا نمایاں کردار نہیں تھا۔

خاندانی تاریخ میں ان کا کردار

اگر ان سادات کے بارے میں مزید تفصیلات دستیاب ہوں، تو یہ خاندانی، تعلقات اور ہجرت کے پس منظر کو مزید واضح کر سکتا ہے۔

ممکنہ طور پر، یہ تحقیق خاندان کے ارتقا پر مزید روشنی ڈال سکتی ہے۔

لہٰذا، پنجاب میں بسنے والے ان سادات کا مطالعہ نہ صرف تاریخی حوالے سے، بلکہ عقیدے، ثقافت اور عزاداری کی روایات کے تسلسل کو سمجھنے کے لیے بھی نہایت اہم ہو سکتا ہے۔

کھلخلاؤں گا خاندان کی تاریخی حویلی اور تدفین کی روایات

نسل در نسل زبانی طور پر بیان ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ اصل الفاظ کھلخلاؤں گا میں کچھ تبدیلی آ گئی ہو، مگر یہ بات مستند نہیں، صرف ایک اندازہ ہے جبکہ اس نوعیت کے نام کی کسی جگہ کا انٹرنیٹ پر بھی کوئی سراغ نہیں ملتا اور یہ نام زندگی کے آخری ایام میں سید محبت علی سے منسوب روایت کے طور پر سامنے آتا ہے بعد ازاں موجودہ نسل میں بھی ان الفاظ کو اسی صورت میں جانا اور استعمال کیا جاتا ہے بعید نہیں کہ یہ کسی اصل لفظ کی بگڑی ہوئی یا مسخ شدہ شکل ہو۔

حویلی کھلخلاؤں گا ایک خاندانی ورثہ

ہندوستان، اتر پردیش میں خاندان کی ایک تاریخی حویلی تھی، یہ حویلی خاندان کی ملکیت تھی اور ایک اہم مرکز کی حیثیت رکھتی تھی وقت کے ساتھ ساتھ، اس حویلی کے کوئی واضح شواہد باقی نہیں رہے، خاص طور پر سید محبت علی کے انتقال کے بعد، جب دستاویزات چوری ہو گئیں آج کے دور میں اس جگہ کی اصل حیثیت جاننا مشکل ہے، لیکن خاندانی روایات میں یہ نام آج بھی محفوظ ہے۔

خواتین کی تدفین کا مخصوص نظام

خواتین کی تدفین کا مخصوص نظام اس وقت کی ایک منفرد خاندانی روایت یہ تھی کہ خواتین کی تدفین باہر کے قبرستان میں نہیں کی جاتی تھی بلکہ تمام خواتین کو اسی حویلی کے اندر دفن کیا جاتا تھا یہ انتظام حفاظتی نقطۂ نظر سے کیا گیا تھا، تاکہ خاندان کی خواتین کی قبریں محفوظ رہیں یہ روایت اس بات کو بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت خاندانی اقدار کس قدر مضبوط تھیں خاندان اپنی خواتین کی عزت و حفاظت کے لیے خاص اقدامات کرتا تھا اس وقت شادیاں خاندان کے اندر سادات میں ہی کی جاتی تھیں غیر سادات سے شادی کا رجحان نہ ہونے کے برابر تھا۔

مردوں کی تدفین اور قبرستان

خاندان میں مردوں کی تدفین کے لیے علاحدہ قبرستان سادات کے لیے مختص تھا یہ قبرستان حویلی سے باہر ایک مخصوص جگہ پر واقع تھا، جہاں خاندان کے بزرگ اور دیگر مرد افراد دفن کیے جاتے تھے یہ روایت خاندان کی اندرونی و بیرونی تدفینی تقسیم کو واضح کرتی ہے، جس میں خواتین کی تدفین حویلی کے اندر اور مردوں کی تدفین ایک مخصوص بیرونی قبرستان میں کی جاتی تھی۔

خاندان میں ازواجی روایات

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس وقت زیادہ تر شادیاں سادات خاندان کے اندر ہی ہوتی تھیں غیر سادات میں شادیاں کرنے کی روایت موجود نہیں تھی خاندان میں نسل کی پاکیزگی اور سادات کے خاندانی نسب کی حفاظت کو فوقیت دی جاتی تھی تاہم اس نسل میں یہ رجحان سامنے آیا ہے کہ غیر سادات میں شادیاں کی جا رہی ہیں۔

موجودہ صورتِ حال اور تحقیق کی ضرورت

کیا آج بھی کھلخلاؤں گا نام کی کوئی جگہ تاریخی اعتبار سے جانی جاتی ہے؟ کیا اس حویلی کے آثار آج بھی کہیں مل سکتے ہیں؟ کیا اس قبرستان کے کوئی نشانات آج بھی باقی ہیں؟ اگر خاندان میں کسی کے پاس مزید معلومات یا زبانی روایات موجود ہیں، تو یہ اس تاریخی جگہ کے بارے میں مزید روشنی ڈال سکتی ہیں۔

یہ واضح ہوتا ہے کہ کھلخلاؤں گا خاندان کی ایک اہم تاریخی حویلی تھی، جو نہ صرف رہائش بلکہ تدفین اور خاندانی وراثت کے لیے بھی اہمیت رکھتی تھی یہ جگہ خاندانی تاریخ کا ایک قیمتی حصہ تھی، جو آج کھو چکی ہے، مگر زبانی روایات میں زندہ ہے۔

خاندان کے مرد حضرات کی تدفین ایک مخصوص قبرستان کی روایت

مخصوص قبرستان صرف سادات کے لیے

خاندان کے مرد حضرات کی تدفین ایک مخصوص قبرستان میں کی جاتی تھی، جو صرف سادات خاندان کے لیے مخصوص تھا اس قبرستان میں صرف سادات خاندان کے افراد کو دفن کیا جاتا تھا اور غیر سادات کو وہاں تدفین کی اجازت نہیں تھی۔

تاریخی شواہد اور مقامات

اس روایت کے شواہد فیروز آباد، آگرہ اور دیگر مقامات میں موجود ہیں، جہاں سادات کی اکثریت تھی یہ قبرستان صرف سادات خاندان کے لیے مخصوص تھے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ مخصوص سادات قبرستان نہیں رہے بعد میں یہ جگہیں عمومی طور پر شیعہ قبرستان بن گئیں، جہاں دیگر شیعہ افراد کی بھی تدفین ہونے لگی اب یہ قبرستان خالصتاً سادات کی بجائے عمومی شیعہ قبرستان کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

مسجد اور جنات کے اثرات

خاندان کی اس مسجد کے بارے میں ایک منفرد اور پراسرار حقیقت یہ ہے کہ یہاں جنات کا گہرا اثر تھا، جو اس وقت کے تمام مذاہب اور فرقوں کے علما و مشائخ بھی تسلیم کرتے تھے روایات کے مطابق، یہاں خاندان کے علاوہ کسی اور کو عبادت یا کسی قسم کی مداخلت کی اجازت نہیں تھی، کیونکہ جنات دوسرے افراد کو روک دیتے تھے خاندان کے ایک بزرگ، جو روحانی علوم اور ماوکلات سے گہرا تعلق رکھتے تھے، نے ایک بار جنات کو کھانے کی دعوت دی حیران کن طور پر، ایک جن کی بھوک بھی مکمل نہ مٹ سکی، جس کی وجہ سے وہ سخت ناراض ہو گئے اس کے بعد، جنات کی ناراضی اور کبھی کسی سے دوستی کے اثرات نسل در نسل خاندان کے افراد پر دیکھے گئے اور بعض کی روایات میں اس کا ذکر آج تک باقی ہے۔

تاریخی اسرار اور دو نظریے

فرقہ وارانہ پہلو

کچھ کی روایات کے مطابق، شاید یہاں شیعہ سنی اختلافات کی بنیاد پر کچھ پوشیدہ معاملات موجود تھے، جس کی وجہ سے اس مسجد کی تاریخ دھندلا گئی۔

ممکن ہے کہ یہ مسجد اصل میں مکتبِ اہلِ بیتؑ رہی ہو، مگر بعد میں سنی تصوف کے زیرِ اثر آ گئی ہو۔

روحانی اور غیبی قوتوں کا اثر

کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ یہ مسجد خالصتاً روحانی اثرات کی وجہ سے مخصوص رہی اور یہاں جنات کی موجودگی نے فرقہ وارانہ حیثیت کو غیر متعلق بنا دیا تھا یہاں خاندان کے امام اور موذن بھی رہ چکے تھے، جو روحانی طور پر اس مقام کی دیکھ بھال کرتے تھے جبکہ یہ بھی روایت ہوئی ہے کہ ان جنات نے اس نسل سے ہمیشہ بے حد محبت کی اور اس خاندان و نسل کے ساتھ ان کے لشکر ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔

ایک تاریخی ورثہ اور روحانی حقیقت

مسجد خاندان کے تاریخی، مذہبی اور روحانی ورثے کا ایک اہم مرکز رہی ہے یہ مسجد تصوف، عزاداری اور روحانی معاملات کا امتزاج معلوم ہوتی ہے، جس کے اثرات آج بھی خاندان کی زبانی روایات میں محفوظ ہیں۔

جنات کی موجودگی اور ان کے خاندان سے خصوصی تعلق اس مسجد کے ایک منفرد اور پراسرار پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ سید محبت علی کو پاکستان ہجرت کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں مالی معاونت ملتی رہی، جو یا تو وظیفہ، کرایہ یا کسی اور مالی امداد کی صورت میں تھی مگر اس رقم کا اصل ذریعہ اور اس کے پسِ پردہ محرکات مکمل طور پر واضح نہیں ہیں خاندان کی روایات میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ یہ سلسلہ پاک و ہند کی جنگ کے دوران ختم ہو گیا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رقم کسی روحانی یا مذہبی معاملے سے جڑی ہو، جیسے کسی درگاہ، مسجد یا مدرسے سے دی جاتی ہو خاندان کے کئی افراد کا دینی اور روحانی معاملات سے گہرا تعلق رہا ہے، اس لیے کسی بزرگ کو کسی درگاہ، مقبرے یا مذہبی مقام کی خدمت کے عوض وظیفہ ملنا بعید نہیں۔

خاندانِ ساداتِ نقوی کی تاریخ کا سفر

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب سید محبت علی کے انتقال کے بعد ان کے گھر میں چوری کی واردات ہوئی، جس کا مقصد محض دولت نہیں بلکہ تاریخی قیمتی دستاویزات اور بزرگوں کی نشانیوں کی چوری بھی تھا اس نقصان کے باعث قدیم عربی اور فارسی نسب ناموں میں سے کچھ معلومات ضائع ہو گئیں، قدیم نسبی ریکارڈ مکمل طور پر صرف وہی باقی رہ گیا جو ابتدائی دور میں اردو زبان میں نقل کیے گئے نسب ناموں پر مشتمل تھا یہ ریکارڈ آج بھی اپنی اصل حالت میں متعلقہ خاندانوں کے پاس محفوظ ہے اس کے برعکس فارسی اور عربی زبان کے صرف چند ہی نسخے باقی بچ سکے ہیں جو نسبی ریکارڈ چوری ہوا تھا وہ بہت سے خاندانوں کے تفصیلی حالات پر مشتمل تھا، جبکہ جو ریکارڈ محفوظ رہ گیا وہ صرف اپنے خاندان اور اس سے قریبی تعلق رکھنے والے چند خاندانوں تک محدود رہا جبکہ جو کچھ بچا ہے، وہ بھی بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، اسی بنا پر اسے اس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا جس کی بحالی کی بارہا کوششیں کی گئیں مگر زیادہ تر لوگ ناکام رہے، ان کھوئی ہوئی معلومات کو کسی حد تک واپس حاصل کیا گیا اور اپنے بزرگوں کی تعلیمات سے متعلق تفصیلات مختلف درگاہوں، امام بارگاہوں، خانقاہوں اور پاک و ہند کے دیگر تاریخی مقامات سے تلاش کی گئیں، جہاں ہمیشہ سے نسب ناموں میں درج معلومات محفوظ ہیں، جن میں خاص طور پر اُوچ شریف شامل ہے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی درگاہ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ سے بھی رہنمائی حاصل کی گئی، خادم الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد نوبہار خامس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوچ شریف اور پیرِ طریقت، سادات مآب، چیف آف ساداتِ ہندوستان، پیرِ طریقت سید ناصر الدین نقوی مودودی ہاشمی چشتی حسنی حسینی سجادہ نشین آستانہ عالیہ جھالرا شریف، اجمیر راجستھان بھی پہچان گئے کہ سید شاکر علی شاہؒ بن سید امیر علی شاہؒ کی اولاد و نسل سے ہیں اور یہ بھی پہچان گئے کہ یہی وہ خاندان تھا جن کے پاس حیدرآباد، پاکستان میں سلسلہ کے ایک خلفاء کا وفد ملنے گیا تھا، جہاں سید امید علی سے ملاقات ہوئی تھی، جبکہ خادم الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد نوبہار خامس المعروف مخدوم سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوچ شریف صاحب بھی سید محبت علی کی اولاد و نسل کو بخوبی پہچانتے ہیں اور ان کی تاریخ سے بھی واقف ہیں مزید معلومات معتبر شیعہ اثنا عشری ذرائع سے بھی مستند طور پر حاصل کی گئی ہیں، یوں خاندان کی تاریخ یکجا اور درست طور پر یہاں شامل کی گئی ہے مزید برآں، خاندان کے ایک قابل فرد سید نیاز علی بن سید محبت علی نے پرانی دستاویزات کو خود بھی پڑھا تھا، لیکن جب اس معاملے کے بعد حقیقت سامنے آئی کہ دراصل پرانی تاریخی دستاویزات میں مختلف لوگوں کی تحریروں کے سبب کتابت کی غلطی یا قدیم طرز تحریر کی پیچیدگی کی وجہ سے پڑھنے میں دشواری پیدا ہوئی، جس کی بنا پر جعفر ثانی ابن امام علی نقی علیہ السلام کو علی ابن امام جعفر صادق علیہ السلام سمجھ لیا گیا تھا زبانی طور پر یہ بیان کیا گیا کہ سلسلہ آگے حضرت عبد اللہ سے ہوتا ہوا علی المؤید اور سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ تک پہنچا بیان، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے پاک و ہند میں موجود نسبی دستاویزات سے یہ ساداتِ نقوی اور پرانے بخاری شجروں میں بھی معلومات پائی گئی ہیں اور جو ہجرت کے دوران سیّد محبت علی نے اپنے پرانے دستاویزات جمع کروائے تھے اُوچ شریف میں اور لاہور میں قیام کے دوران، جب وہ اپنے علاج کی غرض سے پنجاب تشریف لے گئے تھے، وہ بھی وہاں ملے اور اس معلوماتی مواد میں یہی بات سامنے آئی یوں جو کچھ تھا وہ واضح ہوا کہ حقیقتاً خاندان کی تمام روایات، تعلیمات، طریقے، رسم و رواج اور تمام نشانیاں جعفر ثانی کی طرف تھیں، جو حقیقت میں درست ثابت ہوئیں، جبکہ سید امیر علی شاہؒ مغل طبیب تک، تو خاندان کو اُن تک کے ہر ایک فرد کا علم ہمیشہ سے زبانی طور پر حاصل رہا البتہ اوپر کے کچھ ناموں میں کم علمی کا سامنا رہا جب یہ نام درست طور پر سامنے آئے، تو معلوم ہوا کہ یہ بالکل درست ہیں یہ غلطی عمر درازی کے باعث یادداشت پر پڑھنے والے اثرات کی وجہ سے ہوئی یہ واقعہ یوں پیش آیا کہ جب سید محبت علی کی طبیعت خراب ہوئی، تو گھر والے انھیں فوراً اسپتال لے جانے کے لیے بھاگے، جس کے باعث محلے میں کہرام مچ گیا چونکہ یہ ایک گنجان آباد علاقہ تھا اور تمام قریبی گھروں کے لوگ ایک دوسرے کو جانتے تھے، اس لیے گھروالے کسی کو بھی پیچھے چھوڑے بغیر جلدی میں گھر کھلا چھوڑ گئے پورے محلے اور جاننے والوں کو علم تھا کہ اس خاندان کے پاس قیمتی قدیمی دستاویزات اور مسجد کے چندے کی رقم بھی موجود ہے، کسی موقع پرست نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر میں چوری کر لی اور فرار ہو گیا اس دوران سید محبت علی کا انتقال ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے خاندان کو مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا بعد ازاں، جو معلومات اور تعلیمات مختلف مقامات پر اور گھر میں باقی رہ گئی تھیں، انھیں اکٹھا کیا گیا اور یوں کرمِ الٰہی سے اس خاندانِ آلِ محمد ﷺ، اولادِ علیؑ، نسلِ فاطمہؑ تاریخ میں گم ہونے سے بچ گئی اس عظیم کام کا سہرا چیف آف سادات وارثِ دستارِ مولا علیؑ خادم الفقراء و المساکین مخدوم حامد محمد نوبہار خامس المعروف مخدوم حضرت سید سلطان جہانیاں نقوی بخاری صاحب حافظ اللہ سجادہ نشین دربار عالیہ جلالیہ اوچ شریف حضرت سید جلال الدین حیدر سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ مورث اعلیٰ سادات نقوی بخاری برصغیر پاک و ہند اور چیف آف ساداتِ ہندوستان، پیرِ طریقتِ چشتیہ، خواجہ حضرت سید ناصر الدین مودود نقوی چشتی صاحب حافظ اللہ کو آپ کے خلفاء کو اور آپ کے قریبی رفقا سید قدیر علی کی اولاد اور ماہرینِ انساب کو اور مکتبِ امامیہ جن سے تصدیق کا ایک بڑا حصہ اخذ کیا گیا، ان سب کو مکمل طور پر جاتا ہے، جنھوں نے انتھک محنت کے ذریعے خاندان کی تاریخ کو یکجا کیا اور دونوں نظریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تحقیق و تصدیق کے تمام مراحل مکمل کیے، ساداتِ بخاری کے قدیم شجرہ جات میں تمام تفصیلات موجود تھیں، یہاں تک کہ ہجرت کے وقت کا ریکارڈ بھی دستیاب ہو گیا، جو سید حفیظ علی اور سید محبت علی سے منسلک تھا۔

یہ بات سید محبت علی نے اپنے فرزند ان کو بتائی تھی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس ہمیشہ سے ہمارا نسب کی ایک نقل محفوظ کی جاتی ہے اور انہی کے پاس ہمارے باقی خاندانوں کی بھی مکمل معلومات موجود ہوتی ہیں، یہ لوگ سب کچھ جمع کرتے ہیں وہ خاص طور درگاہ جلالیہ اُوچ شریف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ وہاں بھی نسب کے یہ نقل لازمی طور پر موجود ہوتے ہیں تقسیمِ ہند کے وقت ہمارے نسب نامے مختلف مقامات پر پہنچا دیے گئے، جن میں پنجاب بھی شامل تھا اور یوپی کی کسی امام بارگاہ کا بھی ذکر کرتے تھے جبکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ کا ذکر بھی کرتے تھے ان نسبی معاملات میں، تقسیم کے بعد ہندوستان میں ایک خاص مقام یہ تھا جو نسبِ سادات کے حوالے سے پہچانا جانے لگا، جبکہ پاکستان میں یہ مقام خصوصی طور پر اُوچ شریف کو حاصل ہوا، جہاں سادات کے کچھ ایسے خاندان آباد ہیں جو ہجرت کے وقت بھی اس خاندان و اجداد کے ساتھ ساتھ آئے تھے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ جن افراد کا ذکر سید محبت علی نے کیا تھا، وہ سب انہی خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ ایک خاندان، جو ایک ہزار سال سے زائد عرصے سے سادات کے تمام نسب نامے اکٹھا کرنے میں مصروف رہا تاکہ انھیں زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھا جا سکے اور یہ خاندان جو ممکنہ طور پر تشیع تھا اور بعد کا معلوم نہیں، جبکہ وہ ساداتِ بخاری ہی تھے اس خاندان کا تعلق آگرہ، فیروز آباد، اتر پردیش، ایران، عراق، افغانستان اور عرب کے دیگر علاقوں سے بھی رہا ہے جہاں تک تمام تاریخی شواہد اور ثبوتوں کا تعلق ہے، تو وہ بھی اسی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ سید محبت علی کی ذکر کردہ خاندان آج بھی اوچ کے اطراف ہی میں آباد ہو یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ماہرِ انساب یا کسی خاندانِ نقیب کا تذکرہ ہو، جبکہ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دربارِ عالیہ جلالیہ، اوچ شریف کے کسی قدیم و محترم سجادہ نشین کی ہی بات کر رہے ہوں۔

عقائد شناخت اور صوفی سلسلے ایک تاریخی جائزہ

دینی اور روحانی تاریخ میں عقائد اور شناخت کے تعلق کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے صوفی سلسلے، جو محبت، معرفت اور روحانی تربیت کی علامت سمجھے جاتے ہیں، ہمیشہ سے اسلامی تعلیمات کا جزو رہے ہیں تاہم، مختلف صوفی سلاسل کے عقائد اور نظریات پر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض ایسے پہلو پائے جاتے ہیں جو باریک بینی سے دیکھنے پر کسی مخصوص مسلک کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

سید محبت علی اور سید حفیظ علی عقیدہ اور شناخت

سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے خود کو اہل سنت بریلوی منسلک سے قرار دیا، حالانکہ اگر صوفی سلسلوں کی عمومی روش کو دیکھا جائے تو بیشتر صوفی مشائخ خود کو اہل سنت ہی شمار کرتے آئے ہیں، جہاں صوفی تعلیمات اور نظریات میں بارہ امامی تعلیمات کی جھلک ملتی ہے اس سے ایک تاریخی سوال جنم لیتا ہے کہ آیا ان سے قبل ان کے خاندان کے افراد کے مسلک کے کوئی واضح شواہد موجود ہیں یا نہیں۔

بعض تاریخی روایات اور شواہد کی غیر موجودگی کی بنا پر اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ سید محبت علی اور سید حفیظ علی کے پیش روؤں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کسی مخصوص مسلک سے تعلق رکھتے تھے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس خاندان کی یہ شاخ بنیادی طور پر تشیع ہی سے تعلق رکھتی ہے، اگرچہ وقت، حالات اور مختلف علاقوں کے اثر کے تحت درمیان میں اس خاندان کے چند افراد اہلِ تصوف میں بھی شامل ہوئے تاہم اگر اکثریت اور اصل نسب و بنیاد کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہے البتہ یہ امر مسلم ہے کہ صوفیانہ تعلیمات ہمیشہ سے محبت، عقیدت اور اہلِ بیت نظریات سے قریب تر رہی ہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سید محبت علی کے فرزند ان اور ان کے بعد آنے والی نسلیں، خاص طور پر سید اعجاز علی اور ان کا خانوادہ بھی مکمل طور پر اثنا عشری عقائد پر قائم رہا مگر ان کے ہاں غیر روایتی آزادی بھی ایک عام بات بن گئی، جو پہلے نہیں تھی، سید حفیظ علی کے نواسوں میں حیدرآباد کے مشہور نوحہ خواں بھی شامل ہیں اور ایک شخص انجمن کے صدر بھی ہیں سید حفیظ علی کے داماد، ان کی نسل اور دیگر قریبی افراد بھی اثنا عشری عقائد سے وابستہ رہے سید حفیظ علی کے سمدھی موہ بولے رشتے کے تحت بھائی، سید شریف رضوی اور ان کے چھ بھائی، جو سب سادات تھے، ان کے بیٹے سید صابر رضوی سید حفیظ علی کے داماد بھی ہیں اور سید شریف رضوی اور سید حفیظ علی دونوں سے منسوب ہیں، اپنی اولاد سمیت مکمل طور پر شیعہ عقیدے سے وابستہ ہیں سید صابر رضوی کے تین بیٹے، جو سید حفیظ علی کے نواسے بھی ہیں، حیدرآباد میں مقیم نام سید اصغر اور سید اکبر سید حیدر رضوی ہیں، جن میں سے ایک حیدرآباد کا معروف نوحہ خواں ہے یہاں ایک اہم نقطہ یہ سامنے آتا ہے کہ تاریخی طور پر جب ایک خاندان ہجرت یا دیگر وجوہات کی بنا پر کسی خاص عقیدے یا مکتبِ فکر سے منسلک ہوتا ہے تو بعض شاخیں روایتی شناخت کو برقرار رکھتی ہیں، جبکہ بعض مسلک تبدیل کر لیتی ہیں چند افراد جو مکتبِ اہلِ بیتؑ سے باہر کی طرف مائل رجحان رکھتے تھے یہی صورتِ حال اس خانوادے میں بھی دیکھی جا سکتی ہے، جہاں کچھ افراد اہل تصوف کے طور پر اپنی شناخت برقرار رکھتے ہیں، جبکہ دیگر افراد اور نسلیں شیعہ عقائد پر ہیں بالخصوص ہجرت کے پس منظر میں آنے والے افراد، جن میں ایک شیعہ خاتون اور ان کا خاندان بھی شامل تھا، اثنا عشری عقائد پر ہی قائم رہے۔

تاریخی طور پر دیکھا جائے تو صوفی سلسلے ہمیشہ ہی وحدت، محبت اور عقیدت کی علامت رہے ہیں اور ان میں کٹر مسلکی تقسیم کی شدت کم دیکھی جاتی ہے اس تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے خود کو سنی قرار دیا، لیکن ان کے خانوادے میں کئی افراد نے اثنا عشری عقائد کو اپنایا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض خاندانی اور روحانی تعلقات کی بنا پر لوگ مختلف ادوار میں مسلک تبدیل کرتے رہے ہیں، لیکن محبت اور عقیدت کا رشتہ ہمیشہ قائم رہا بہرحال، خاندان کے چند گھرانے سلسلہ قادریہ سے بیعت و عقیدت پر قائم رہے ہیں یہ تاریخی حقیقت ہمیں اس امر کی یاد دہانی کراتی ہے کہ دین اور روحانیت میں وحدت اور رواداری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور صوفی تعلیمات ہمیشہ اسی اصول کو فروغ دیتی آئی ہیں۔ contentReference[oaicite:0]{index=0}:

سید امید علی بن سید محبت علی اور خاندانی شناخت

سید امید علی سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد اور نسل، خاص طور پر سید ساجد علی سے کہا کہ جب ان سے بار بار پوچھا گیا کہ ان کا خاندانی پس منظر سنی تھا یا شیعہ، تو انھوں نے کہا:

ہمارے یہاں سب کچھ تھا، سوائے ماتم کے ہمارے یہاں اور شیعہ عقائد میں صرف ایک چیز کا فرق تھا اور وہ تھا ماتم شیعہ حضرات ماتم کرتے ہیں، جبکہ ہمارے یہاں یہ روایت نہیں آئی یا پھر سید شاکر علی کے بعد سے ختم ہوئی۔

یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ ان کے خاندان میں اہلِ بیت سے عقیدت اور عقائد موجود تھے، لیکن ماتم کی رسم ان کے خاندان کا حصہ نہیں بنی یہ وضاحت اس دور کے مذہبی اور خاندانی شناخت کے حوالے سے ایک نکتہ فراہم کرتی ہے، جہاں بعض خاندان اپنے عقائد اور روایات کے امتزاج کے ساتھ اپنی پہچان برقرار رکھتے تھے۔

سید نیاز علی بن سید محبت علی دینی وراثت اور عملی زندگی

سید نیاز علی بن سید محبت علی کو دینی تعلیمات اور روحانی علم سے وابستہ سمجھا جاتا ہے ان سے بعض تعلیمات روایت کی جاتی ہیں، جو ان کی روحانی وابستگی کو ظاہر کرتی ہیں تاہم، وہ اس شعبے میں کسی شہرت یا خاص مقام کے حامل نہیں ہیں، کیونکہ یہ ان کا پیشہ یا دلچسپی کا بنیادی میدان نہیں ہے۔

روحانی اور نسبی پس منظر

سید نیاز علی نسبی اور روحانی معاملات میں واقفیت رکھتے وہ عام زندگی بسر کرتے لیکن اپنے پیر و مرشد سے جڑُے رہ کر کچھ حکمت و علم سیکھ چکے ہیں۔

پیشہ ورانہ زندگی

سید نیاز علی ایک ریٹائرڈ سرکاری ملازم ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد ایک نجی کمپنی میں بطور مینیجر خدمات انجام ہیں ان کی عملی زندگی زیادہ تر پیشہ ورانہ مصروفیات کے گرد گھومتی ہے اور وہ دینی معاملات کو بطور پیشہ نہیں اپناتے۔

سید محبت علی کی نسل میں دینی تعلیم کا تسلسل

سید محبت علی کی نسل میں سید نیاز علی کے علاوہ، سید محبت علی کے بڑے بیٹے سید امید علی کے بیٹے سید قدیر علی نقوی نے اپنی اولاد کو اچھی دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا خاص طور پر، سید قدیر علی نے اپنے دوسرے بیٹے، سید شاہ زین علی نقوی کو حافظِ قرآن بننے میں مدد فراہم کی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور والدین کی محنت اور اساتذہ کی رہنمائی کے نتیجے میں، سید شاہزین علی نقوی ایک بہترین حافظِ قرآن بنے اور کراچی سے دینی تعلیم حاصل کی قرآن حفظ کیا اور مختلف جماعتوں کی امامت کا شرف بھی حاصل کیا ان کے علاوہ، سید قدیر علی کے دیگر بیٹوں نے بھی اسی مسجد سے دینی تعلیم حاصل کی سید شاہ زین علی نے اسی تعلیمی ادارے میں ابتدا ہی سے مسجد کے نظام کے مطابق اور اپنی قابلیت کی بنیاد پر مختلف جماعتوں میں امامت کے فرائض سر انجام دیے امامت کرنے کا موقع بھی ملا اور اپنے اساتذہ کے شاگردوں کی تربیت میں بھی معاونت فراہم کرتے رہے۔

باوجود اس کے کہ انھوں نے دینی تعلیم اور امامت میں نمایاں کردار ادا کیا، سید شاہزین علی نے ان میں سے کسی کام کو ذریعہ معاش نہیں بنایا وہ ایک عام ملازم کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور سادہ طرزِ زندگی اپنائے ہوئے ہیں۔

یہ تفصیلات ظاہر کرتی ہیں کہ سید محبت علی کی نسل میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، جہاں افراد نے نہ صرف قرآن مجید کو حفظ کیا بلکہ دینی ذمہ داریوں کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنایا چنکیے خاندان کا تعلق مختلف مقامات سے بھی جڑا ہوا ہے، خواہ وہ تعلق تشیع سے ہو یا تصوف سے، لیکن تقریباً ہر مقام پر یہ خاندان آج بھی روایت کے مطابق اپنے لوگوں سے جڑا ہوا ہے پاکستان میں ایسے تمام مراکز میں سب سے نمایاں مقام اُوچ شریف کو حاصل ہے، جہاں تشیع اور تصوف دونوں کی روایات ایک دوسرے سے جڑُی ہوئی ہیں۔

سید محبت علی کی نسل اور گدی نشینی کا معاملہ

اکثر سید محبت علی کی نسل، خاص طور پر سید امید علی کی نسل کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب ان سے گدی نشینی یا کسی دینی ذمہ داری کے حوالے سے سوال کیا جاتا تو ان کا رویہ واضح انکار پر مبنی ہوتا وہ جواب دیتے کہ کیا کرنا ہے؟ کیا پیر بن کر مریدین کے پیسوں پر پلنا ہے؟ یہی رویہ سید امید علی کا بھی تھا۔

جب ہندوستان سے ایک وفد گدی نشینی سونپنے کے لیے آیا تو سید امید علی نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے تایا زاد بھائی، سید قمر علی بن سید حفیظ علی، کا پتہ دے دیا جو کراچی میں مقیم تھے سید امید علی کا کہنا تھا کہ وہ بھی ایک بیٹے ہیں، آپ ان سے بات کریں تاہم، سید قمر علی کی جانب سے اس معاملے پر کیا رد عمل دیا گیا، اس کی تفصیلات معلوم نہیں البتہ، یہ واضح ہے کہ گدی کراچی منتقل نہیں ہو سکی۔

بعد ازاں، جب سید امید علی کی اپنی اولاد نے بھی یہی سوالات اٹھائے، تو انھوں نے ہمیشہ یہی جواب دیا ان کے ان جوابات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے روحانی گدی نشینی کے نظام سے اتفاق نہیں رکھتے تھے اور اسے بطور ذریعہ معاش اپنانا پسند نہیں کرتے تھے حالانکہ خود سلسلہ قادریہ سے بیعت ہوئے۔

سید امید علی کا دینی پس منظر

اگرچہ سید امید علی کا مذہب میں کوئی نمایاں کردار نہیں تھا، وہ روایتی مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے وہ کسی خاص مذہبی سرگرمی میں متحرک نہیں رہے، لیکن وہ سلسلہ قادریہ میں بیعت یافتہ تھے اس کے باوجود، ان کا عمومی طرز زندگی ایک عام مسلمان کی طرح ہی تھا اور وہ گدی نشینی یا روحانی پیشوائی کو کسی بھی شکل میں اختیار کرنے سے گریزاں رہے۔

ورثے کی گمشدگی اور تاریخ کے بکھرتے نشانات

اس تاریخی خاندان کے کئی آثار، تعلیمی جاگیریں، قدیم تحریری نسخے اور دیگر تبرکات وقت کے ساتھ بکھرتے چلے گئے۔ خاص طور پر، سید نفیس علی کی وفات کی وجہ سے، یہ ورثہ مکمل طور پر اگلی نسل تک نہیں پہنچ پایا بعد ازاں، سید محبت علی اور سید حفیظ علی نے فیروز آباد سے آگرہ ہجرت کی اور پھر تقسیم ہند کے موقع پر ایک اور ہجرت وقوع پزیر ہوئی یہی وہ دور تھا جب تاریخی دستاویزات، مسودے اور دیگر بیش قیمت اشیاء وقت کے دھارے میں کھو گئیں سب سے بڑا نقصان اس وقت ہوا جب سید محبت علی کے انتقال کے بعد ان کی رہائش گاہ میں ایک چوری ہوئی اس چوری میں نہ صرف عام مال و اسباب بلکہ تاریخی ورثے کے قیمتی نسخے، تبرکات اور بزرگوں کی نشانیاں بھی چھن گئیں اس واقعے کے بعد، اس خاندان کے اس عظیم ماضی کے بہت سے شواہد ہمیشہ کے لیے ناپید ہو گئے۔

یہ قصہ صرف ایک جاگیر کی تاریخ نہیں، بلکہ ایک عظیم خانوادے کے عروج و زوال کی کہانی ہے یہ ایک ایسے وقت کی عکاسی کرتا ہے جب سادات خاندان کے بزرگوں نے اپنے روحانی اور علمی ورثے کو پروان چڑھایا، تاریخی مساجد کی سرپرستی کی اور ایک مخصوص معاشرتی و مذہبی نظام کو قائم رکھا مگر وقت کے بے رحم ہاتھوں نے، ہجرتوں اور حادثات نے، اس تاریخ کے کئی صفحات کو مٹا دیا آج صرف چند روایات، مبہم شواہد اور کچھ بکھری ہوئی یادیں باقی ہیں، جو اس خاندان کے عظیم ماضی کی گواہی دیتی ہیں تاریخ میں اس خاندان کے شجرے کو مستند اور تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے یہاں صرف سید امجد علی حاجی سید حفیظ علی اور ان کے بھائی سید محبت علی کی اولاد و نسل کا مکمل ریکارڈ موجود ہے کسی بھی طرح کی تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے اب قانونی ریکارڈ ایف آر سی کی صورت میں آ چکا ہے، جس سے اب کسی بھی طرح کی تحریف سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے آئندہ شجروں کو ایف آر سی جیسے قانونی دستاویزات کے ذریعے مستند شجروں کو آگے بڑھایا جانا چاہیے۔

سادات کے ہندوستان آنے کی روایت

یہ روایت ایک اہم تاریخی زاویے کو اجاگر کرتی ہے، جس میں سادات کے ہندوستان آنے کا ذکر ہے اس کے مطابق، دو یا چار شخص جو براہ راست عرب کے ممالک سے ہوتے ہوئے ہند پہنچے، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے سید امید علی کے مطابق دو لوگ تھے، جو آپس میں باپ بیٹا تھے یا بھائی تھے جبکہ سید قیصر علی کے مطابق چار بھائی تھے، ان میں سے صرف دو بھائیوں سے نسل چلی تھی ایک بھائی درویش بن کر کہیں جنگلات میں نکل گئے تھے اور ایک بھائی لاولد رہے یہ روایات یا تو سید امیر علی شاہ کے بارے میں ہو سکتی ہیں یا ان کے اجداد کے متعلق، کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس زمانے میں جب لوگ اپنے آبائی علاقوں سے حج، عمرہ یا زیارت کے لیے نکلتے تھے، تو یہ سفر مہینوں بلکہ سالوں پر محیط ہوتا تھا اس طویل مسافت کے دوران اکثر مسافر نئے علاقوں کی کشش یا حالات کی وجہ سے وہیں مستقل آباد ہو جایا کرتے تھے جبکہ اس دور میں اکثر مسافروں کا رخ ہندوستان کے اس وقت کے جدید، ترقی یافتہ اور معاشی و روحانی اعتبار سے زرخیز خطوں کی طرف ہوتا تھا، جن میں بالخصوص اتر پردیش ان کا آخری ٹھکانہ بنتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں اتر پردیش تمام فقہی علوم اور صوفی نظام کا مرکز مانا جاتا تھاچونکہ یہ ایک زبانی روایت ہے اور باقاعدہ خاندانی نسب ناموں میں درج نہیں ہے، اس لیے اس میں ابہام پایا جاتا ہے یہ خدشہ بھی موجود ہے کہ یہ روایت کسی دوسرے خاندان سے اس خاندان میں شامل ہو گئی ہو یا پھر یہ معلومات زبانی طور پر کسی کے ننھیال کی جانب سے منتقل ہوئی ہوں۔

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی ہجرتیں

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ نے پہلی ہجرت بخارا سے ملتان کی طرف کی دوسری ہجرت آپؒ نے اپنے بیٹے کے ساتھ ملتان سے اُوچ شریف کی طرف کی حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کی چند نسل نے بعد ازاں اُوچ شریف سے ہجرت کر کے اتر پردیش کے علاقوں خصوصاً جائس، لکھنؤ، سہارنپور، آگرہ اور فیروزآباد میں اسلامی دعوت اور روحانی قیادت کے لیے قیام کیا اسی طرح حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کا طویل سفر اور پھر وہاں سے واپسی کا سلسلہ بھی رہا اور ان کے بعد آنے والی نسلوں میں بھی ہجرتوں اور سفر کا یہ عمل مسلسل قائم رہا۔

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے اوائل صوفی مبلغین میں ہوتا ہے جنھوں نے اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے کئی بار ہجرت کی، آپؒ نے اپنے فرزند کے ہمراہ ملتان سے اُوچ شریف ہجرت فرمائی، جہاں آپؒ نے روحانی و تبلیغی سرگرمیوں کو باقاعدہ منظم کیا اُوچ شریف آپؒ کا مستقل مسکن بن گیا اور یہاں سے ایک عظیم روحانی سلسلے کا آغاز ہوا آپؒ کے خلفاء اور اولاد نے بعد ازاں اوچ شریف سے ہندوستان کے مختلف علاقوں خصوصاً اتر پردیش کے شہر جائس، لکھنؤ، سہارنپور، آگرہ اور فیروزآباد کی طرف ہجرت کی، جہاں انھوں نے اسلامی دعوت، روحانی تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے نمایاں کردار ادا کیا ان علاقوں میں بخاری سادات آج بھی اپنی روحانی خدمات اور تبلیغی ورثے کے باعث پہچانے جاتے ہیں۔

حوالہ جات

- غلام رسول مہر، سیرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
- تاریخ اُوچ شریف، مرتبہ: سید احمد بخاری، مطبوعہ اُوچ شریف، 1987۔
- ڈاکٹر غلام یزدانی، آثارِ متقدمین برصغیر، مطبوعہ محکمہ آثار قدیمہ پاکستان، 1955۔
- سید ضیاء الحسن بخاری، بخاری سادات کی علمی و روحانی خدمات، فیروزآباد، بیس02۔
- تذکرہ اولیاء، شیخ فرید الدین عطار، اردو ترجمہ: مولانا محبوب علی، دار الاشاعت، کراچی۔

اوچ شریف، ایران اور تبلیغی سفر

اس میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اوچ شریف کا ذکر آیا ہے، جبکہ ایران کا رُخ کیا چند نسلوں نے جس کے بعد وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے ان بزرگوں نے دین کی تبلیغ کی، جس کا اثر اتر پردیش میں بھی پڑا اور اس کے ذریعے سادات خاندان کا ہندوستان میں آنا اور وہاں رہائش اختیار کرنا ممکن ہوا اگرچہ یہ باتیں بہت زیادہ دلیل کی بنیاد پر نہیں کہی جا سکتی ہیں، کیونکہ تاریخی شواہد اور کتابوں میں ایسی بہت سی باتیں ملتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتی ہیں، لیکن تاریخی کتابوں میں پھیلی ہوئی روایات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ایک اہم نقطہ تھا جہاں سے دین کی تبلیغ کی گئی اور اس کے بعد سادات نے مختلف علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کیا۔

یعنی یہ کہنا کہ اس خاندان کا ہند میں کیسے آنا ہوا یا کس علاقے میں پہلے قدم رکھا، تاریخ کے مختلف صفحات اور شواہد کے درمیان ایک پیچیدہ سوال ہے، جس کا جواب واضح نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ یہ ساری معلومات ابھی تک کسی ایک متفقہ حقیقت کی صورت میں سامنے نہیں آئی ہیں بہرحال اس خاندان کی ہجرت ہند میں موجِ دریاؒ حضرت شاہ عبدالمعالی موجِ دریا لاہوریؒ کی فتوحات کے زمانے کے بعد ہی ہوئی تھی۔

روحانی وراثت

یہ کہا جاتا ہے کہ سید امید علی کی زوجہ ایک مغل نسل سے تعلق رکھتی تھیں تاہم، ان پر کچھ خاص روحانی اثرات بھی تھے جب کبھی انھیں وجد یا حاضری کی کیفیت حاصل ہوتی، تو سامنے بیٹھے شخص کو کچھ نہ کچھ بتا دیا کرتی تھیں ان کی زندگی میں اس حوالے سے کئی واقعات مشہور ہیں، لیکن ایک نہایت معروف اور معتبر واقعہ یوں ہے ایک مرتبہ ان کی بہن اپنے ہونے والے داماد کے ساتھ ان کے گھر آئیں یہ شخص اس وقت کم عمر تھا اور قسمت کا ایسا کھیل تھا کہ وہ ان کا داماد نہ بن سکا جب وہ گھر آیا، تو سید امید علی کی زوجہ نے اچانک اس کے متعلق ایک پیشین گوئی کی کہ:

تم قید میں جاؤ گے

یہ سن کر عبد الجبّار ناراض ہو گئے، کیونکہ ایسی بات کا تصور بھی ممکن نہ تھا لیکن چند ہی سال گزرے تھے کہ وہ واقعی قید ہو گئے جب وہ قید سے واپس آیا تو دوبارہ ملاقات کی خواہش ظاہر کی ملاقات کے دوران بتایا میں واقعی قید میں چلا گیا تھا، جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا آپ مزید کچھ بتائیں اس پر انھیں دوبارہ کشف حاصل ہوا اور انھوں نے کہا اب تم بے حد طاقت اور شہرت حاصل کرو گے اس کے بعد کے حالات کی زیادہ تفصیل معلوم نہیں، مگر یہ بات یقینی ہے کہ آگے چل کر پاکستان کی ایک طاقتور سیاسی تنظیم کا حصہ بن گئے وہ حیدرآباد شہر سے اسمبلی کا رکن منتخب ہو گئے اور مزید آگے بڑھتے ہوئے ایک قابل وزیر کے مشیروں میں سے ایک بنے۔

ساداتِ عالیہ کی علمی و روحانی وراثت

غیر سادات خواتین سے شادی کا آغاز سید امید علی نے کیا اس سے قبل خاندان میں یہ رواج قطعی طور پر ممنوع تھا سید محبت علی کی نسل میں ان کے بڑے صاحبزادے سید امید علی کے فرزند، سید قدیر علی کے دوسرے بیٹے جنھیں والدین نے قرآن حفظ کرنے کی سعادت بخشی انھوں نے موذن اور امامت کرنے کا شرف حاصل کیا اور مختلف مواقع پر اپنے علمی بصیرت کے ذریعے اپنے اساتذہ کے شاگردوں کو ناظرہ و حفظ کی تعلیم بھی دی تاہم، اپنے معاش کا ذریعہ انھوں نے صرف اپنی نجی ملازمت کو بنایا اور دین کو ہمیشہ خدمتِ خلق کے لیے رکھا جبکہ تاریخ کے بکھرے ٹکڑوں کو سید شاہ زیب علی نے ترتیب دے کر یکجا کیا، کیونکہ وہ اپنے خاندان اور سادات کی نسبی تاریخ، تاریخِ اہلِ بیت اور فرقوں کی تاریخ پر گہری مہارت رکھتے ہیں جو آج اس شکل میں موجود ہے، حافظ سید شاہ زین علی اور ان کے دونوں بھائیوں سید شاہ زیب علی اور سید شارق علی کی تعلیم و تربیت میں سب سے زیادہ کردار ان کے والد سید قدیر علی اور والدہ بنتِ محراب شیخ کا رہا، جنھوں نے ہر حال میں اپنی اولاد کو بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، آج اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ اس خانوادۂ سادات کی بقا اور علمی ورثے کو سنوارنے میں ان دونوں ہستیوں کا اہم مقام ہے اور ان کی قربانیوں کا سہرا انہی کے سر جاتا ہے یہ خاتون نہایت قابل اور خاندانِ آلِ محمد ﷺ کے لیے باعثِ فخر ثابت ہوئیں ان کی تربیت کی بدولت ان کی اولاد نے نہ صرف خاندان کے نسبی تاریخی معاملات کو بہتر بنایا بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایک مثال قائم کی، تاکہ آئندہ آلِ محمد ﷺ کے افراد تاریخ حاصل کر سکیں یہی نہیں، بلکہ دنیاوی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا بھی خاص اہتمام کیا ان کی سرپرستی میں ایک بیٹے کو حافظِ قرآن بنایا گیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی اولاد کی اخلاقی و دینی بنیادوں کو مضبوط کیا آج اس خاندان میں نسب کی سالمیت اور پاکیزگی محض انہی معزز خاتون کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اگر یہ تربیت نہ ہوتی تو آنے والی نسلیں اپنی نسبی پہچان اور معیار کھو دیتیں اور یہ بھول جاتیں کہ وہ آلِ محمد ﷺ سے تعلق رکھتی ہیں یہ وہی معزز خاتون ہیں جنھوں نے اس سید خاندان کو نیکیوں سے نوازنے کے لیے بڑی جدوجہد خاندانِ سادات میں نیکی، تقویٰ اور ایصالِ ثواب کی روایت ہمیشہ سے قائم رہی ہے، مگر ان محترمہ نے ان اعلیٰ اقدار کو ایک منفرد انداز میں اپنایا خاندان میں جب بھی کوئی وفات ہوئی، انھوں نے سب سے بڑھ کر قرآن خوانی، دعا اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا چاہے وہ مساجد ہوں، مدارس کے بچے ہوں یا خواتین کے دینی حلقے انھوں نے ہر ممکن ذریعے سے قرآن پاک پڑھوا کر مرحومین کے لیے ثواب پہنچانے کی بھرپور کوشش کی گو کہ اس خانوادے کے اکثر افراد دینی ذوق رکھنے والے اور نیک سیرت ہیں، مگر ایصالِ ثواب کے اس مسلسل اور منظم جذبے میں ان کی مثال کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے ان کا یہ عمل نہ صرف ان کی اپنی بخشش کا ذریعہ ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی نیکی اور دعا کا مستقل راستہ ہے۔

اس خاندان کے افراد نے مذہبی کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مگر اسے کبھی ذریعۂ معاش نہیں بنایا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ گذشتہ ادوار میں جب اپنے بزرگوں سے شجرۂ نسب یا دیگر خاندانی دستاویزات طلب کی جاتیں، تو اکثر ایک ناپسندیدہ رویہ دیکھنے کو ملتا یہ رجحان مختلف نسلوں میں برقرار رہا، جیسے کہ سید امید علی اور سید محبت علی کا بھی یہی طریقہ رہا خاندان کے بزرگوں میں عموماً صرف ایک ہی صبر و تحمل رکھنے والا فرد خاندانی شجرۂ نسب اور دیگر ایسے دستاویزات سنبھالتا تھا، جو سادات کی نسلی اور تاریخی وراثت سے جڑے ہوتے تھے جب بھی کسی فرد نے ان کے بارے میں سوال کیا، تو جواب میں طنزیہ یا سخت الفاظ سننے کو ملے، یہ رویہ چلا آ رہا تھا، جس کی وجہ سے خاندان میں تاریخی و مذہبی دستاویزات تک رسائی مشکل بنی رہی یہ مکمل تاریخ مختلف حصوں میں بکھرا ہوا تھا، جسے بہتر انداز میں یکجا کیا گیا ہے تاہم، اب بھی تاریخ کا ایک بڑا حصہ اس میں شامل نہیں ہے اور آج بھی باقی ماندہ تاریخ اور قدیم نسخوں کے حصے مختلف مقامات پر منتشر حالت میں موجود ہیں۔

یہ کتاب نہ صرف ساداتِ نقوی البخاری خاندان کی ایک نسبی، روحانی و تاریخی ہے بلکہ ایک ایسے نادر خانوادے کی گواہی بھی ہے جس کی جڑیں مغلیہ و صفوی درباروں، اُوچ شریف و فیروز آباد، اہلِ بیتؑ کی ولایت، تشیع اور سلسلہ چشتیہ و جلالیہ کے فیوض میں پیوست ہیں اس کا ہر صفحہ ان انفرادی شخصیات کی زندگی کا پرتو ہے جو ہجرت، فقر، قانونی کشمکش اور تاریخی ناانصافیوں کے باوجود اپنی روحانی نسبتوں، دینی خدمات اور علمی وراثت کو محفوظ رکھنے میں مصروف رہے اور سید محبت علیؒ و سید حفیظ علیؒ نے حیدرآباد میں ولایت، امامت اور باوقار سادگی کا عملی نمونہ پیش کیا، تو دوسری طرف ان کے ورثاء نے ہندوستان و پاکستان کے درمیان بچھڑے رشتوں کو، زبانی روایتوں اور تاریخی اسناد کے ذریعے، دوبارہ جوڑنے کی سعی کی باوجود اس کے کہ چوریاں، دستاویزات کا

زیاں اور مغلیہ عطیات کے شواہد کو مٹانے کی سازشیں، اس ورثے کو دھندلا کرنے میں کامیاب ہوئیں، پھر بھی اس خاندان کی تربیت اور خلوصِ نیت پر مبنی پیغام آج بھی زندہ ہے یہ تحریر اس خواہش کی بھی نمائندہ ہے کہ مستقبل میں کوئی محقق، کسی گمشدہ نقش، کسی محفوظ مخطوطے یا کسی مزار کے غیر معروف گوشے سے اس داستان کے مزید پہلو دریافت کرے، اس کتاب میں شامل تمام معلومات اور روایات، سید محبّت علی اور سید حفیظ علی کے خاندانوں سے منقول ہیں مصنّفین نے ان روایات کو نہایت ادب، احترام اور دیانت داری کے ساتھ قلم بند کیا ہے اس کتاب کی تالیف کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس معزز خاندان کی قدیم کتب، جو چوری یا ضیاع کی صورت میں تاریخ کے صفحات سے گم ہو گئی تھیں کیونکہ وہ کتب شائع نہیں ہوئی تھیں، اُن کے علمی و تاریخی مواد کو محفوظ کیا جا سکے۔ یہ تحریر مکمل خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ تمام قارئین کے لیے مرتب کی گئی اور دونوں فقہ کے افراد اور ماہر الانسابوں درگاہِ جلالیہ اُوچ شریف و درگاہِ اجمیر شریف کے معزز حضرات سجادہ نشینوں کی اجازت و تصدیق سے شائع کی جا رہی ہے، تاہم، اگر کسی مقام پر غیر ارادی طور پر کوئی غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو، تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں معاف فرمائے اور ہر وہ فرد جس کا کسی بھی طرح اس کتاب میں ذکر آیا ہے، اگر اس ذکر میں کوئی غلطی یا کوتاہی محسوس کرے، تو بندگانِ خدا ہونے کے ناطے معاف فرمائے یہی اس کتاب کا مقصد، محرک اورپیغام ہے۔

تاریخ کی ریت پر مٹتے نقش تقیہ، ہجرت اور کھوئی ہوئی وراثت نسب، یادداشت اور تاریخ کے گمشدہ اوراق

اس کتاب کو مرتب کی جانے کے دوران، جب روایات قلم بند ہو رہی تھیں اور خاندان کے تقریباً اہم افراد سے تصدیق کے دوران یہ معلوم ہوا کہ سید محبت علی اور سید حفیظ علی اور ان کے ساتھ ان کے آگرہ کے پڑوسی جو حیدرآباد سندھ میں بھی پڑوسی اور عزیز رہے اور جو سید حفیظ علی سید امجد علی کی بیٹی کے سسر بھی بنے، سید شریف رضوی لکھنؤ سے ہجرت کرکے آگرہ پھر حیدرآباد آئے تھے انھوں نے اور وہاں مقیم خاندانوں نے تقیہ کیا تھا خاندانِ سید محبت علی نقوی بخاری، خاندانِ سید حفیظ علی نقوی بخاری، خاندانِ سید امجد علی نقوی بخاری خاندانِ سید منّا جعفری، خاندانِ سید محمد علی جعفری، خاندانِ سید شاہد جعفری اکبرآبادی، خاندانِ سیدہ جعفری، خاندانِ سید عرفان علی نقوی بخاری، خاندانِ حیرآباد جعفری و نقوی بخاری حیدرآباد، خاندانِ زیدی، خاندانِ حکیم سید فروخ حسین اور بہت سے چھوٹے گھرانئے سادات جو چند افراد پر مشتمل تھے، یہ سبھی ہند سے پاکستان کی آبادکاری تک ایک دوسرے کے ساتھی رہے جبکہ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار بھی تھے ، جو اگلی نسلوں میں بھی جاری رہا اور موجودہ نسل سے اکثر گھرانے واپس لوٹ گئے جب کہ کچھ نے تصوف کے راستے پر چلنا بہتر سمجھا۔

سید محبت علی نے اپنی اولاد سے اس بارے میں بہت کم ذکر کیا، حالانکہ بیٹے سب کچھ جانتے تھے پھر سید امید علی نے بھی اپنے قریبی خاندانوں سے، اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بھانجوں سے بار بار ذکر کیا، مگر اکثر نے اس پر زیادہ دیھان نہ دیا مگر جب اس کتاب کی تحریر جاری تھی، روایات جمع ہو رہی تھیں اور خاندان سے تصدیق کا کام بھی چل رہا تھا، تو اس وقت جب کسی نے بتایا کہ ان تینوں نے ساتھ ہی تقیہ کیا تھا، تو سید امید علی کے بیٹے سید قدیر علی کو یاد آیا کہ یہ تو میرے والد مجھ سے کئی بار کہا کرتے تھے اور اسی وقت سید امید علی کے بیٹے سید ساجد علی نے بھی یہی گواہی دی کہ مجھے بھی والد یہی بتایا کرتے تھے اور وفات سے کچھ عرصہ قبل جب بیمار تھے تو اکثر ذکر کرتے تھے۔

اس بات کی گواہی سید امید علی کی تایا زاد بہن کے تینوں بیٹوں نے بھی دی، جو سید شریف رضوی کے بیٹے سید صابر رضوی کے تینوں بیٹے ہیں سید اصغر رضوی جو کراچی و حیدرآباد میں موجود ایک تشیع انجمن کے صدر ہیں ، ان کے چھوٹے بھائی سید اکبر رضوی جو اس معروف انجمن کے نائب صدر ہیں اور ساتھ ہی حیدرآباد مولا علی قدم گاہ کے مشہور و معروف نوحہ خواں ہیں اور ان کے سب سے چھوٹے بھائی سید حیدر رضوی ان تینوں بھائیوں نے بھی اس موقع پر کہا کہ ہمیں امید ماموں نے آخری وقت تک یہی بتایا تھا اور دادا، تایا، والد اور والدہ جو سید حفیظ علی کی صاحبزادی تھیں انھوں نے بھی یہی بات بتائی تھی۔

یہی گواہی ان کے والد سید صابر رضوی نے بھی دی اور سید صابر رضوی کے بھائی سید حامد رضوی نے بھی یہی بتایا البتہ سید حامد رضوی نے اور ان کی نسل سے ایک اہلِ تصوف سے تعلق رکھنے والے شخص کو ایک تشیّع کے منظر میں یہ بھی کہا کہ تم اپنی اصل پر واپس کیوں نہیں لوٹتے وہ ایک وقت آیا تھا جو گذر گیا اور بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی یہی بات سید محبت علی کے ایک اور بیٹے سید اعجاز علی نے بھی سختی سے بتائی کہ والد نے جب ہجرت کی تو معلوم نہ تھا کہ علاقے اور حالات کیسے رہیں گے اور پھر بعد میں ایک زمانہ آیا جو سابق وزیر اعظم کی پھانسی کے بعد شروع ہوا تھا، مگر یہ کام اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا یہاں ایک الگ منظر تھا اور اس پورے ٹولے نے ایک جتھہ ہو کر تقیہ اختیار کیا اس وقت سید امید علی اور سید قمر علی ابھی سمجھدار ہونے کو تھے اور انھیں سب کچھ معلوم تھا جبکہ سید امید علی کا حلقہ بھی تشیع میں ہی تھا نہ کہ تصوف میں تصوف کی طرف وہ مارشل لا کے وقت آئے یہی گواہی مزید لوگوں نے بھی دی جو اکثر شیعہ اور کچھ سنی مسلک سے بھی ہیں بہرحال یہ معاملہ بہت بعد میں کھل کر سامنے آیا، البتہ ایک گواہی سب نے دی ہے یہاں تک کہ خود ماتمدار شیعوں نے بھی کہ اس نسل کے بزرگوں میں ماتم نہیں تھا کہ اگر آج وہ طریقے عزاداری سمجھنی ہو تو ولایتِ فقیہ کا سا معاملہ تھا سید شریف رضوی المعروف شریف چچا کی اولاد و نسل نے یہ بھی بتایا کہ خاندان اس سے بھی بڑا آیا تھا، جو آپس میں جڑے ہوئے تھے شادیوں کی وجہ سے یہاں کئی خاندان آگرہ سے ساتھ آئے تھے رضوی جو لکھنؤ سے آگرہ اور پھر مولا علی قدم گاہ آئے اور ساتھ میں سید شریف اور سید محبت علی کے زیدی، جعفری، رضوی، نقوی سرسی اور نقوی بخاری بھی آئے تھے، جو آپس میں شادیوں کی وجہ سے گھل مل گئے تھے۔

ایک پورا خاندان، تمام گھرانوں سمیت، حیدرآباد حرآباد میں مقیم ہوا ایک بڑا خاندان وہاں سے اسلام آباد اس دور میں ہی چلا گیا، ایک کسی اور سمت چلا گیا جو ممکن ہے کہ ملتان یا بہاولپور گیا ایک چھوٹا خاندان، جو سید فرّخ حسین کا گھرانہ تھا، وہ کچا قلعہ قدم گاہ سے نیچے کی طرف آباد ہوا تھا اور کچھ عرصے بعد ہی وہ خاندان کراچی کے کسی علاقے میں چلا گیا، جبکہ وہ بھی تشیع خاندان تھا۔

سید اعجاز علی کا کہنا تھا کہ شجروں کے قدیم نسخوں کی چوری کے معاملات کے بعد بچے ہوئے نسخوں میں سے بھی ایک الگ سے بنا ہوا بڑا نسخہ موجود تھا جو پوری تاریخ کے ساتھ قدیم تھا اور اس میں تاریخ درج تھی ایک دن سید امید علی کے پاس، اعجاز علی کے سامنے ایک شخص آیا یہ سید فرّخ حسین تھے جن کا دعویٰ تھا کہ میری والدین ساتھ آئے تھے، ہمارے اور تمھارے پرداداؤں میں جا کر ایک ہی نسب ہے ہمارا اوپر سے لہذا آپ کے پاس شجرۂ نسب موجود ہے، مجھے دے دیجیے، میں کل ہی واپس کر دوں گا، نقل بنا کر سید امید علی نے وہ فارسی والا نسخہ دے دیا اور

اردو والے اپنے پاس رکھے کچھ مہینوں تک وہ واپس نہ آئے پھر معلومات کی گئیں تو پتا چلا کہ وہ کہیں چلے گئے ہیں وہ حکیم سید فرّخ حسین تھے چند سال بعد معلوم ہوا کہ وہ خاندان کراچی میں کہیں آباد ہو گیا ہے، مگر ٹھیک پتہ نہ چل سکا۔

سال 2025 میں، تقریباً 40 سے 50 سال بعد، اس خاندان کے علاقوں میں جا کر دوبارہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی مگر کچھ علم حاصل نہ ہو سکا یوں شجرے میں صرف نام ہی باقی رہ گئے، تاریخ ختم ہو گئی، قدیم نسخے ضائع ہو گئے اور بھی بڑے نقصان ہوئے۔

سید امید علی نے اپنے سید بھائی سے نیکی کی تھی، مگر وہ نسلوں کی تاریخ نگل گئے اور اجداد کے صرف نام ہاتھ میں رہ گئے تاریخ اور قیمتی و قدیم نشانی سب مٹ گئیں۔

جبکہ ایک ذریعے سے اسی واقعے پر یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ہی، نسب کے ساتھ خاندان کی تاریخ کی کتاب کی ایک نقل بھی تھی، جو غالباً سید محبت علی ہی نے شروع کی تھی اور ان کے وفات پر ادھوری رہ گئی اور پھر وہ کہیں اور ہی چلی گئی اس میں خاندان کے جاگیرداری، قضاء، خاندان میں تاریخ، حکمت میں داخلے سب کا ذکر موجود تھا۔

سید شریف رضوی مرحوم کی نسل کے مطابق، سید امید علی کے وقت میں حرآباد والے خاندان سے دو تین خاندانوں کی لڑائی بھی ہو گئی تھی وہاں کی ایک خاتون نے، جو سربراہی میں تھیں، شجرہ نہیں دیا ان کے شوہر اور ان کا نسب ایک تھا، لیکن وہ صرف کسی ایک امام کی اولاد کا نہیں تھا بلکہ ایک جامع ورژن تھا، جس میں تمام خاندانوں کے بزرگوں نے ایک ہی جگہ سارے خاندان کا شجرہ نسب ایک ہی جگہ پر جمع کیا تھا، اس سوچ کے تحت کہ یہ خاندان آپس میں مل چکے ہیں تو اب شجرے بھی ایک ہی جامع کتاب میں جمع کر دیے جائیں۔

مگر جب وہ شجرہ حرآباد والوں سے کچھ سال بعد انہی ہیرآباد والوں نے آپس میں ہی مانگا تو نہ دیا گیا اور کچھ خاندانوں میں لڑائی ہو گئی، جس میں سید امید علی کا کردار بحیثیت رشتہ دار صلح کروانے کا تھا لیکن معاملہ کچھ یوں ہوا کہ وہ جامع نسب کی وجہ سے، کئی سال پہلے اس خاندان کے گھرانوں سے جھگڑے کے بعد تعلق ختم ہو گیا تھا اس طرف سے، جب سید امید علی وفات پا گئے، تو اس کے بعد خاندانوں کا تعلق ٹوٹ گیا اور اب ٹھیک سے کوئی جان پہچان نہ رہی اس طرح، اس خاندان نے نسب کے معاملات میں تین مرتبہ نقصان اٹھایا مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ کچھ حصہ ایک خاص تاریخ میں قلم بند تھا جو سید امیر علی اور ان کے والد سید حیدر شاہ سے منسوب، ابتدائی دور کی اردو لکھائی میں موجود تھا کئی روایات شامل نہیں کی گئیں اور مکمل طور پر مستند نہ ہونے کی وجہ سے انھیں شامل کرنے سے گریز کیا گیا۔

آگرہ سے ہجرت لاہور بارڈر سے بہاولپور کے راستے حیدرآباد میں مستقل سکونت

جب سید امید علی کی اولاد و نسل نے حکیم سید فَرّخ حسین کے گھرانے کی اس دور میں تلاش کی تو حکیم سادات دوسرے گھرانے، جو آگرہ ہی سے ساتھ آئے تھے، کی وساطت سے خاندان کو اپنے اجداد کی تقسیمِ ہند کے وقت آگرہ سے پاکستان آنے کے سفر اور راستے کی مزید تفصیل معلوم ہوئی، جو نہایت تفصیلی اور جامع نکلی ان کا کہنا تھا کہ وہ آپ لوگوں کے رشتہ داروں میں سے ہیں، سید محبت علی کے قریبی تھے سید امید علی کے ساتھ بھی قربت رہی تھی یہ آپ کے رشتہ داروں میں سے ہی تھے اور ایک رشتہ داروں کا گھرانہ وہ تھا جو سید امید علی کے داماد، سید عرفان علی نقوی البخاری، کا گھر تھا ان کا گھرانہ اور آپ کے دادا والے اور حکیم فَرّخ علی والے ایک ہی پردادا کی اولاد میں سے تھے، مگر آگرہ میں یہ الگ الگ محلّوں سے اٹھ کر آئے تھے ساتھ ہی کچھ انہی کے رشتہ دار تھے جو فیروز آباد، لکھنؤ اور حیدرآباد دکن سے آئے تھے، جبکہ ان کے کچھ اور رشتہ دار تھے جو راستے میں رک گئے پھر انھوں نے بتایا کہ ہمارے اجداد ان کے ساتھ آئے تھے، ہجرت آگرہ سے پنجاب کی طرف ہوئی تھی نہ کہ سیدھ سندھ کی طرف اور یہ ایک بڑی ہجرت تھی ان کے مطابق اور سید قدیر علی کے بیان کے مطابق بھی، اس بڑے گروہ میں بارہ سو سے زائد افراد شامل تھے جو رشتہ داروں میں سے تھے اور سبھی سادات تھے، جبکہ اکثریت مکتبِ تشیع سے تعلق رکھتی تھی۔

سید ساجد علی نقوی کے مطابق، اُن خاندانوں نے بیان کیا کہ جب ہجرت سادات کے اس بڑے گروہ کی پنجاب کی طرف لاہور بارڈر سے ہوئی تو اُن کی اکثریت نے بہاولپور میں، آج کے عزیز آباد کے علاقے میں، کچھ مہینوں کا قیام کیا اس کے بعد وہ مزید آگے بڑھے اور سعید آباد کے نام سے کچھ فاصلے پر ایک مقام پر آباد ہوئے چند ماہ بعد اُن میں سے بعض لوگ درگاہوں کی طرف نکل گئے، کچھ وہیں رکے رہے اور کچھ نے اُوچ شریف کا رُخ کیا باقی کا قافلہ تمام درگاہوں کی زیارت کے بعد آخری زیارت اُوچ شریف پر حاضر ہوا۔

یہاں چند لوگوں نے مستقل سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اس میں اس حکیم خاندان کا بھی کہنا تھا کہ یہاں سید محبت علی اور اُن کے قریبی رشتہ داروں نے اس جگہ کو اپنے اجداد کی جگہ بتایا، مگر یہاں رہائش کا فیصلہ ترک کر دیا، کیونکہ یہاں ذرائع معاش کے معاملات نہیں تھے اور یہ ماحول ایک گاؤں کا سا تھا، جس میں گرمی اور دیگر پریشانیاں لاحق تھیں اس وقت آگرہ ایک تجارتی شہر تھا اور ساتھ ہی دیگر بڑے شہر بھی تجارت اور صنعت میں جدید دور میں تھے اور ان کو اسی طرح کے ماحول کی عادت تھی، اس وجہ سے وہ وہاں مقیم نہ ہو سکے۔

آگے بڑھتے ہوئے حیدرآباد میں ایسا مقام میسر آیا جو وہ چھوڑ کر آئے تھے اور یہی وجہ بنی یہاں آباد ہونے کی جبکہ سید امید علی کے بھی پنجاب میں دیگر جگہوں پر رشتہ داروں سے روابط رہے یہاں تک کہ ملتان سید امید علی کا آنا جانا بھی رہا آگے بڑھتے ہوئے یہی وہ مقام تھا جہاں اس خاندان کے مطابق تمام سادات نے ایک دوسرے کے خاندانوں کے شجرے اپنے پاس قلمبند کیے اور الگ الگ مقامات پر آگے بڑھتے گئے ممکن ہے یہ وہی وقت ہو جب سید محبت علی نے اُوچ شریف کی طرف اپنے شجرہ کی نقل بھجوائی تھی مخدوم پورہ اور اس کے گرد و نواح کے کئی علاقے، جبکہ کچھ لوگ سعید آباد سے گزرتے ہوئے گاؤں گوٹھوں کے راستے اُوچ شریف کے قریب پہنچے اور وہاں سے بعض نے مزید دوسرے علاقوں کا رخ کیا۔

مزید آگے بڑھتے ہوئے، سندھ حیدرآباد میں مولا علیؑ کے قدم گاہ پر مقیم ہوئے، جو سادات کا گڑھ تھا اور تقریباً شیعہ آبادی پر مشتمل تھا شہر کا نام بھی مولا کے نام حیدر پر تھا یہ جگہ عقیدت کی وجہ بنی اور یہاں سکونت اختیار کی اس طرح یہ خاندان یہاں مستقل طور پر آباد ہوا۔

اللہ تعالیٰ اس شجرے اور اس کتاب میں موجود ہر ایک شخص پر دنیا و آخرت میں اپنی نعمتیں، رحمتیں، کرم، مغفرت اور نجات عطا فرمائے۔ آمین۔

أَسۡتَغۡفِرُ اللہَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الۡحَيُّ الۡقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيۡهِ

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ

برِّ صغیر میں ساداتِ نقوی کی مستند شاخیں اور ان کا فقہی، نسبی و تاریخی تعارف

الحمد للہ ربّ العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ الطیبین الطاہرین، واللعنۃ الدائمۃ علیٰ أعدائهم أجمعین

ساداتِ نقوی، وہ مقدس نسلِ زہرا علیہا السلام کا وہ مبارک سلسلہ ہے جو حضرت امام علی النقی علیہ السلام کی اولاد سے ہے نقوی ایک ایسا لقب ہے جو اپنے اندر نورِ امامت، عظمتِ علم، تقویٰ اور خدمتِ دین کی مکمل تاریخ رکھتا ہے اس نسلِ طیبہ نے ہند و پاک سمیت تمام عالم اسلام میں دینِ حق، تصوف، فقہِ جعفری، علمِ کلام اور عزادارئ سید الشہداءؑ کو فروغ دیا۔

مندرجہ ذیل تفصیل میں ہندوستان و پاکستان میں آباد ہونے والی ساداتِ نقوی کی مستند، معتبر اور مکمل شاخوں کا تعارف درج کیاہے، جو تمام کی تمام امام علی النقی علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور جن کا عقیدہ اثنا عشری شیعہ، ولایتِ علیؑ، امامتِ معصومینؑ اور فدائیتِ حسینؑ سے سرشار رہا ہے یہ تحریر قابلِ حوالہ کتب، انسابی شجروں، قدیم مخطوطات اور معروف خانوادوں کی زبانی روایات کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے۔

1. ساداتِ نقوی سرسی

یہ سادات کا وہ خانوادہ ہے جس کے بانی حضرت سید علی عرب نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو نیشاپور سے ہجرت کر کے چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان آئے اور ضلع مرادآباد کے قصبہ سرسی میں قیام فرمایا یہ وہی سید علی عربؒ ہیں جن کا شجرہ نسَب سید محمد بن امام علی النقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے سرسی کے سادات نے فقہ، تفسیر، علمِ انساب اور منبرِ حسینی کو اپنی عبادت کا ذریعہ بنایا آج بھی ان کی نسل علم، عدل اور عزاداری کی خدمت میں سرگرداں ہے۔

2. ساداتِ نقوی بخاری / بھکری

یہ شاخ امام علی النقی علیہ السلام کی نسل سے حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی نسل سے ہے جو بخارا سے ہجرت کر کے پہلے اُوچ شریف، پھر بھکر، جھنگ، سندھ اور ہند میں آباد ہوئے یہ سادات ابتدا سے فقہ اور سلوکِ اہل بیتؑ کے امین رہے مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ اسی شاخ کے فرد تھے اگرچہ بعد میں بعض شاخیں صوفی سنی بھی ہو گئیں، مگر اصل نسَب ہمیشہ اہل بیتؑ سے جڑا رہا۔

3. ساداتِ نقوی جَیسی

جیس ضلع امیٹھی کی سرزمین پر یہ سادات کا قدیم مرکز رہا ہے ابتدائی نقوی سادات نے یہاں قیام کیا اور علمِ فقہ و منبر کی بنیاد رکھی یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے خاندانِ اجتہاد کی بنیاد پڑی ان بزرگوں نے ترویجِ ولایت، اقامہ عزاداری اور دفاعِ اہل بیتؑ کو اپنا فریضہ جانا۔

4. ساداتِ نقوی نسیرآبادی

یہ خاندان جَیسی سے نکل کر نسیرآباد ضلع رائے بریلی میں قیام پزیر ہوا اور یہاں امامیہ فقہ کا عظیم مرکز وجود میں آیا اس خاندان کے بانی آیت اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفرانمآبؒ ہیں جنھوں نے نجف و کربلا میں تعلیم حاصل کی اور ہند میں فقہِ اثنا عشری کی بنیاد رکھی ان کے بعد ان کے پوتے آیت اللہ ناصر الملّت اور علامہ سید علی نقی نقوی صاحب نے اس خانوادے کو عالمی سطح پر پہچان دی یہ خانوادہ اجتہاد، عزاداری، علمِ کلام اور فقہِ آلِ محمدؐ کا تاجدار ہے۔

5. ساداتِ نقوی امروہی

امروہہ شہر اہل بیتؑ کی محبت اور غمِ حسینؑ کے چراغوں سے روشن رہا ہے یہاں ساداتِ نقوی کی شاخ حضرت شرف الدین شاہ ولایت نقویؒ کے ذریعے قائم ہوئی یہ بزرگ ساتویں صدی ہجری میں اس خطہ میں تشریف لائے یہاں کے سادات نے علم، خطابت، شعر و ادب اور عزاداری کو فروغ دیا آج بھی امروہی سادات ذکرِ مظلومِ کربلا کے امین ہیں۔

6. ساداتِ نقوی کنٹھوری

کنتھور بارہ بنکی میں ساداتِ نقوی نے غفرانمآبؒ کی ولادت اور پرورش کی اس خطہ میں فقہ، اجتہاد اور علمِ انساب کی وہ عظیم بنیاد پڑی جس نے بعد میں خاندانِ اجتہاد کو جنم دیا یہاں کے سادات کی نسبت کربلا و نجف سے ہمیشہ جڑی رہی۔

7. ساداتِ نقوی الہ آبادی (سراوان)

سراوان ضلع الہ آباد میں ساداتِ نقوی کی یہ قدیم شاخ موجود ہے ان کا شجرہ امام علی النقی علیہ السلام کے ایک بیٹے کے ذریعے سید علی عربؒ کے برادر کی نسل سے ملتا ہے یہاں کے سادات نے فقہی اور تعلیمی خدمات انجام دیں۔

8. ساداتِ نقوی جلالپوری

جلالپور ضلع امبیڈکر نگر کا علاقہ اہلِ بیتؑ کے وفاداروں کا خطہ رہا ہے یہاں کے سادات منبر، علم، خطابت اور ذکرِ حسینؑ کے شیدائی رہے ہیں۔

9. ساداتِ نقوی بلگرامی

بلگرام ہردوئی میں ساداتِ نقوی کی یہ شاخ علم و شعر کی دنیا میں نمایاں رہی یہاں کے سادات نے دینی و روحانی خدمات کے ساتھ ساتھ اردو ادب میں بھی نمایاں کارنامے سر انجام دیے۔

10. ساداتِ نقوی ہلّوری

ہلّور ضلع بستی کے اس قبیلہ نے مدرسہ ناصریہ جیسے ادارے قائم کیے جہاں فقہِ جعفری، اصولِ اجتہاد اور تفسیرِ قرآن کی تعلیم دی جاتی رہی اس خانوادے کے بزرگ علم و عبادت کے نمونے تھے۔

11. ساداتِ نقوی بدایونی

بدایوں کے اس نقوی خاندان کا تعلق سرسی اور جلالپوری سادات سے ہے یہاں کے ذاکرین، خطبا اور مدرّسین منبرِ حسینی کے محافظ رہے ہیں۔

12. ساداتِ نقوی گوپالپوری

یہ شاخ گورکھپور اور گوالیار کے اطراف میں موجود ہے، جہاں نوحہ خوانی، مرثیہ نگاری اور خطابت میں ان کا نمایاں مقام رہا ہے۔

13. ساداتِ نقوی گلشن آبادی

یہ خاندان سرسی نقویوں کی توسیع ہے، جو گلشن آباد (مرادآباد) میں آباد ہوا۔ عزاداری اور تعلیم کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں۔

14. ساداتِ نقوی ٹنڈو جہانیاں (سندھ)

یہ سادات دراصل نقوی بخاری شاخ سے تعلق رکھتے ہیں، جو سندھ میں آباد ہوئے ٹنڈو جہانیاں فقہ، درویشی اور علمِ اہل بیتؑ کا مرکز رہا۔

15. ساداتِ نقوی اُوچ شریف

یہ شاخ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے امام علی النقی علیہ السلام کی نسل سے ہے اگرچہ وقت کے ساتھ بعض شاخیں صوفی سلسلوں میں شامل ہو گئیں، لیکن شجرۂ طیبہ اہل بیتؑ سے جڑا ہوا ہے۔

16. ساداتِ نقوی مودودی

یہ شاخ ضلع اعظم گڑھ کے شہر مؤ میں موجود ہے یہاں کے معروف فرد سید ابوالاعلیٰ نقوی مودودیؒ المعروف مولانا مودودی تھے جنھوں نے سنی فکر اپنائی، مگر ان کا نسب امام علی النقی علیہ السلام سے جڑا ہوا ہے حضرت امام علیؑ کی نسلِ پاک سے تعلق رکھنے والے ایک جلیل القدر بزرگ افغانستان کے علاقے چشت میں آ کر آباد ہوئے، جہاں انھوں نے روحانیت اور تصوف کی راہ اختیار کی اسی متبرک نسل سے سلسلہ چشتیہ کے پانچویں عظیم پیشوا، حضرت سید خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ، منصۂ ارشاد پر فائز ہوئے آج اس خانوادے کے چشم و چراغ پاکستان، ہندوستان اور افغانستان کے بیشتر علاقوں میں آباد ہیں آپ کی نسبت سے اس مقدس نسل کی پہچان نقوی مودودی کہلائی، جو ساداتِ نقوی کی ایک باوقار اور روحانی لحاظ سے ممتاز شاخ سمجھی جاتی ہے آپ ہی حضرت خواجہ غریب نواز، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا پیر و مرشد تھے۔

17. ساداتِ نقوی بجنوری

یہ شاخ علمی، دینی اور فقہی میدان میں سرگرم ہے بجنور کے نقوی سادات کا جھکاؤ اہلِ تشیع کے ساتھ مضبوط رہا ہے۔

18. ساداتِ نقوی فتحپوری

فتحپور سادات میں یہ خاندان فقہی مدارس اور عزاداری کے نظام میں متحرک رہا ہے۔

19. ساداتِ نقوی مرادآبادی

یہ شاخ سرسی نقویوں کی ذیلی نسل ہے مرادآباد میں سادات کی بڑی تعداد آج بھی اہلِ بیتؑ کی خدمت میں مصروف ہے۔

20. ساداتِ نقوی اعظم گڑھ

یہ سادات علم و خطابت میں ممتاز ہیں مدارس، منبر اور نوجوانوں کی دینی تربیت میں ان کا کردار نمایاں ہے۔

21. ساداتِ نقوی آگرہ و فیروزآبادی

آگرہ اور فیروزآباد میں مقیم نقوی سادات قدیم آبادکار خاندانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی بعض شاخیں امروہی یا جونپوری نقوی سادات سے نسبی تعلق کا دعویٰ رکھتی ہیں۔ مزید برآں، ان شہروں میں محدود تعداد میں نقوی بخاری سادات بھی پائے جاتے ہیں، جن کی آمد زیادہ تر انفرادی ہجرتوں کے نتیجے میں ہوئی۔ یہ خاندان منبر، تدریس اور مذہبی اجتماعات میں اپنی موجودگی کے باعث معروف رہے ہیں۔

22. ساداتِ نقوی کنوجی

کنوج میں موجود نقوی سادات قدیم ہیں اور ان کے بعض اجداد اُوچ شریف یا بخارا سے ہجرت کر کے یہاں پہنچے تھے۔

23. ساداتِ نقوی جونپوری

جونپور کا یہ خاندان جلیسی اور امروہی نقویوں سے جڑا ہے اور آج بھی عزاداری، منبر اور تعلیمِ دینی میں فعال ہے۔

24. ساداتِ نقوی جالندھری

یہ شاخ پنجاب کے شہر جالندھر میں پائی جاتی ہے۔ برصغیر کی دیگر نقوی شاخوں کی طرح ان کے بعض اجداد کی نسبت اوچ شریف، بخارا یا عراق سے ہجرت کی روایات سے جوڑی جاتی ہے۔ مقامی طور پر یہ خاندان دینی خدمات، عزاداری اور علمی مجالس میں فعال رہا ہے۔

25. ساداتِ نقوی بھاگلپوری

یہ شاخ بہار میں موجود ہے ان کا نسَب غالباً امروہی یا نسیرآبادی شاخ سے ملتا ہے۔

برِّ صغیر میں ساداتِ نقوی کی زمانی، فکری اور جغرافیائی تقسیم ایک تاریخی اجمالی جائزہ

حضرت امام علی النقی علیہ السلام کی نسلِ طیبہ جب اسلامی دُنیا کے مختلف خطّوں میں پھیلی تو چوتھی صدی ہجری سے لے کر تیرہویں صدی ہجری تک ساداتِ نقوی نے علم، فقہ، عرفان اور خدمتِ اہل بیتؑ کے چراغ مختلف علاقوں میں روشن کیے چھٹی صدی ہجری میں خراسان کے شہر نیشاپور سے حضرت سید علی عرب نقویؒ نے ہجرت کی اور سنہ 630ھ میں مرادآباد کے نزدیک قصبہ سرسی کو اپنا مستقر بنایا اسی دور میں وسطِ ایشیا کے شہر بخارا میں حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ (متوفی 690ھ) نے دینی، روحانی اور اصلاحی تحریک کی بنیاد رکھی، جو بعد میں اُوچ شریف اور بھکر تک پہنچی ساتھ ہی، جلّیس اور کنٹھور کے علاقوں میں نقوی سادات کی آمد ہوئی، جہاں فقہِ آلِ محمدؐ کے ابتدائی بیج بوئے گئے ساتویں صدی میں حضرت شرف الدین شاہ ولایتؒ نے امروہہ کو مرکزِ ولایت بنایا، جب کہ سندھ کے بعض علاقے، خصوصاً ٹنڈو جہانیاں، صوفیانہ نقوی سلسلوں کا گہوارہ بنے آٹھویں سے دسویں صدی کے درمیان اُوچ شریف میں ساداتِ نقوی نے تزکیہ نفس، درویشی اور عوامی اصلاح کی محافل قائم کیں، جب کہ مؤ (موجودہ ضلع اعظم گڑھ) میں نقوی سادات نے دینی تعلیمی مراکز کی بنیاد رکھی، جن سے بعد میں مولانا سید ابوالاعلی مودودی جیسے مفکر پیدا ہوئے گیارہویں صدی میں جب ہندوستان میں صفوی اثرات بڑھے تو نسیرآباد میں آیت اللہ سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ نے سنہ 1200ھ کے بعد فقہِ اصولِ اہلِ بیتؑ کی باضابطہ بنیاد رکھی اور دارالاجتہاد کا آغاز کیا اسی زمانے میں فتحپور، بلگرام، ہلّور، گلشن آباد اور جلالپور کے ساداتِ نقوی نے منبر و ذاکری، تفسیر و تبلیغ اور عزاداری کی بھرپور

خدمت کی ان تمام علاقوں میں ساداتِ نقوی نے ہر مقام پر حالات کے مطابق اپنی پہچان بنائیکہیں مدرسہ کی بنیاد رکھی، کہیں خانقاہ میں خدمت کی، کہیں منبر پر ذکرِ اہل بیتؑ کیا اور کہیں تلوار کی بجائے قلم سے باطل کو للکارا ان تمام ادوار میں ساداتِ نقوی کا ایک ہی شعار رہا ولایتِ علیؑ، اطاعتِ آئمہ اہل بیتؑ اور خدمتِ حسینؑ۔ contentReference[oaicite:0]{index=0}:

حوالہ جات

بخاری (2026)۔ گلزارِ جلالیہ: انساب ساداتِ نقوی البخاری الحسنی الحسینی (اول ایڈیشن)۔ بہاولپور، لاہور، اسلام آباد: تہذیب انٹرنیشنل پبلیکیشنز۔ ص 315۔ ISBN:9798258707406 {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

[1] "Aal-e-Zahra" (https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191)(https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191) (S.A)". Zenodo (بزبان انگریزی). CERN Data Centre. 15 May 2026. DOI:10.5281/zenodo.20199191. Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[2] "Historical and (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090) Genealogical Study of a Naqvi Bukhari Saadat Family of Pak o Hind". Zenodo (بزبان انگریزی). CERN Data Centre. 7 May 2026. DOI:10.5281/zenodo.20070090. Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[3] "Research Publication of Family of Saadat Naqvi" (https://archive.org/details/@sadaat_geneolog)(https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact) y_contact). Internet Archive (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[4] "Historical Genealogical Website of Naqvi Bukhari Sadat" (https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabadi-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-)(https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabadi-firozabadi-agra-aaleameer-a)/-family-tree /-alenafees-family-tree). GitHub Pages (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[5] "Research Publication of Family of Saadat Naqvi" (https://www.scribd.com/document/1035201682/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi)(ht tps://www.scribd.com/document/1035201682/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi). Scribd (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[6] "DOI Archive Research Publication of Family of Saadat Naqvi" (https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-Family-of-Saadat-Naqvi-D OI-10-5281-zenodo-20070090)(https://www.scribd.com/document/1036410911/Research-Publication-of-F amily-of-Saadat-Naqvi-DOI-10-5281-zenodo-20070090). Scribd (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[7] "Research Publication of Family of Saadat Naqvi Bukhari Pak o Hind" (https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/287467322)(https://www.slideshare.net/slideshow/research-publication-of-family-of-saadat-naqvi-bukhari-pak-o-hind-naqvi-syed-genealogy-ahl-al-bayt-history-doi-archive/287467322). SlideShare (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (help)

[8]] (https://www.youtube.com/@GeneologyofSadaat)(https://www.youtube.com/@GeneologyofSadaat) ["Geneology of Sadaat". YouTube (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (help)

[9]] (https://www.youtube.com/watch?v=qn_Trnq2eCk)(https://www.youtube.com/watch?v=qn_Trnq2eCk) ["Research Publication of Family of Saadat Naqvi". YouTube (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (help)

[10]] (https://gulzarejalaliya.blogspot.com/)(https://gulzarejalaliya.blogspot.com/) "گلزارِ جلالیہ"]۔ Blogger۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (معاونت)

[11]] (https://shajra-nasab-sadaat-naqvi-albukhari.blogspot.com/2026/05/gulzar-e-jalalia-gulzar-e-jalaliya.html)(https://shajra-nasab-sadaat-naqvi-albukhari.blogspot.com/2026/05/gulzar-e-jalalia-gulzar-e-jalaliya.html) "گلزارِ جلالیہ — سادات نقوی البخاری شجرۂ نسب"]۔ Blogger۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (معاونت)

[12]] (https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home)(https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home) "انسابِ سادات"]۔ Google Sites۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (معاونت)

[13]] (https://www.ancestry.com/family-tree/tree/210443711)(https://www.ancestry.com/family-tree/tree/210443711) ["Family Tree of Saadat Naqvi". Ancestry (بزبان انگریزی). Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (help)

[14]] (https://www.amazon.in/dp/B0GX2YFVYX)(https://www.amazon.in/dp/B0GX2YFVYX) "گلزارِ جلالیہ"]۔ Amazon Kindle Direct Publishing۔ Amazon۔ ASIN:B0GX2YFVYX۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (معاونت)

[15]] (https://www.amazon.in/dp/B0H15D6T4G)(https://www.amazon.in/dp/B0H15D6T4G) "Family of Saadat Naqvi: History, Genealogy, and Spiritual Legacy"]. Amazon Kindle Direct Publishing (بزبان انگریزی). Amazon. ASIN:B0H15D6T4G. Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (help)

[16]] (https://www.amazon.in/dp/B0H15RF861)(https://www.amazon.in/dp/B0H15RF861) "Family of Saadat Naqvi: History, Genealogy, and Spiritual Legacy (Paperback Edition)"]. Amazon Kindle Direct Publishing (بزبان انگریزی). Amazon. ASIN:B0H15RF861. Retrieved 2026-05-18. {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (help)

[17]] (https://www.amazon.in/dp/B0H22C5FH7)(https://www.amazon.in/dp/B0H22C5FH7) "(S.A) Aal-e-Zahra"]۔ Amazon Kindle Direct Publishing۔ Amazon۔ ASIN:B0H22C5FH7۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (معاونت)

[18]] (https://www.amazon.in/dp/B0H1XB43R2)(https://www.amazon.in/dp/B0H1XB43R2) "(S.A) Aal-e-Zahra"]۔ Amazon Kindle Direct Publishing۔ Amazon۔ ASIN:B0H1XB43R2۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: |ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ کیجیے (معاونت)

[19]] (https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi)https://scholars.pk/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi) "حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی"]۔ Scholars.pk۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (معاونت)

[20]] (https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi)https://scholar.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat-syed-sultan-jalaluddin-haider-soharwardi) "حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر سہروردی"]۔ ضیائے طیبہ۔ اخذ شدہ بتاریخ 18-05-2026 {{حوالہ ویب}}: ایو آر ایل= پیرامیٹر کو جانچ لیجیے (معاونت)

مہر۔ سیرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

بخاری (1987)۔ تاریخ اُوچ شریف۔ اُوچ شریف: اُوچ شریف پبلیکیشنز {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

یزدانی (1955)۔ آثارِ متقدمین برصغیر۔ محکمہ آثارِ قدیمہ پاکستان {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

بخاری (2002)۔ بخاری سادات کی علمی و روحانی خدمات۔ فیروزآباد {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

عطار۔ تذکرۃ الاولیاء۔ ترجمہ از مولانا محبوب علی۔ کراچی: دار الاشاعت {{حوالہ کتاب}}: نامعلوم پیرامیٹر |پہلے= رد کیا گیا (معاونت)

امام محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الرسل والملوک (بزبان عربی)

حافظ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ (بزبان عربی)

عبد الملک ابن ہشام۔ سیرت ابن ہشام (بزبان عربی)

محمد بن سعد۔ طبقات ابن سعد (بزبان عربی)

احمد بن یحییٰ البلاذری۔ انساب الاشراف (بزبان عربی)

مرآتِ جلالی

تاریخ انوارِ سادات

بیرونی روابط

- [21]] (https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191)(https://doi.org/10.5281/zenodo.20199191) Aal-e-Zahra (S.A) — Zenodo DOI]
- [22]] (https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090)(https://doi.org/10.5281/zenodo.20070090) Historical and Genealogical Study of a Naqvi Bukhari Saadat Family of Pak o Hind]
- [23]] (https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact)https://archive.org/details/@sadaat_geneology_contact) Internet Archive Archive (_geneology_contact]
- [24]] (https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabadi-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree/)https://contactsadaatgeneology-lab.github.io/saadat-hyderabadi-firozabadi-agra-aaleameer-aalenafees-family-tree/) Historical Genealogical Website]

- [25] [https://www.youtube.com/@GeneologyofSadaat (https://www.youtube.com/@GeneologyofSadaat) Geneology of Sadaat YouTube Channel]
- [26] [https://gulzarejalaliya.blogspot.com/ (https://gulzarejalaliya.blogspot.com/) گلزارِ جلالیہ Blogspot]
- [27] [https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home (https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home) انسابِ سادات]
- [28] [https://www.ancestry.com/family-tree/tree/210443711 (https://www.ancestry.com/family-tree/tree/210443711) Family Tree Archive]

https://sites.google.com/view/ansaabesadaat/home
